

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226133

UNIVERSAL
LIBRARY

٩٤-٩

٢٩٤٥٥٥

١٠١١

الوسيد

١٠

٢٠٥٤ ٢٩

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. P 925 d 5 Accession No. 941

Author J-1 E

Title الموسم

This book should be returned on or before the date
last marked below.

جملہ حقوق محفوظ ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَیْهِ الْوَسِيلَةَ
اشاعت نمبر

سلسلہ تراجم نمبر ۴ کتاب الوسیلہ

تالیف

شیخ الاسلام تقی الدین حضرت امام ابن تیمیہ الحنفی رحمۃ اللہ علیہ

مترجمہ

مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی ایڈیٹر الجامعہ (مکتبہ)

مبشر



الہلال بک انجینیئر

نمبر ۲۴ شیرانوالہ دروازہ لاہور

۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۵ء
بوعکرمہ کری پریش کوٹوالی قلعہ

میت

تعداد ایک ہزار

سلسلہ تراجم

ایجنسی کے پیش نظر اُن اعلیٰ، نادر اور بلند پایہ عربی تصانیف کے اردو تراجم ہیں جن کا مطالعہ صحاح عقاید اسلام اور اخذ و فہم حقیقت اسلامیہ کیلئے نہایت ضروری اور ناگزیر ہے، اس سلسلہ میں جس امام کسن، جس مومین کال، جس مجاہد حق اور جس یکہ نماز مقامات علم و عمل شخصیت کی اہم تصانیف کے تراجم کی تکمیل ایجنسی چاکی مساعی کا کر دھو رہی ہے وہ شیخ المصلحین ملاذ المجتہدین، سند اکا ملین، امام العارفین، دار الشان الامیاء، قدوة الاولیاء حضرت شیخ الاسلام تقی الدین ابی العباس احمد بن تمیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وجود مبارک ہے۔ اس مقام پر یہ عرض کر نیکی ضرورت نہیں کہ امام ممدوح کی بلند منصبیہ در اخوت منزلت کی حقیقت کیا ہے؟ اسلئے کہ انکی تصانیف اردو کے لباس میں عامۃ الناس کے سامنے آجائیں گی تو حقیقت خود بخود آشکار ہو جائیگی۔ لیکن جن حضرات کو اس بارے میں تفصیلی بحث دیکھنے کی خواہش ہو وہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ”تذکرہ“ میں شرح مقام ”عزیمت و دعوت“ (یہ حصہ علیحدہ رسالہ کی صورت میں بھی چھپ گیا ہے) اور چودھری غلام دسول مہرونی، سیرت ایڈیٹر اخبار ”زمیندار“ لاہور کی ”سیرت ابن تیمیہ“ کو ملاحظہ فرمائیں، اس لئے کہ ان کا ایک بہت بڑا حصہ امام ممدوح کے فضائل و مناقب پر مشتمل ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم امام ممدوح کی تصانیف کے اردو تراجم عام فہم اور سلیس عبارت میں شائع کر رہے ہیں تاکہ وہ کم سے کم قیمت میں عام حضرات تک پہنچ سکیں اور وہ ان کے مطالعہ سے مستفید ہوں اور حضرت امام کے نیا ز مندوں کا حلقہ وسیع ہو۔ اسی ضمن میں امام ممدوح کے تلمیذ رشید حافظ ابن حجر عسقلانی اور سیوطی، تلمیذ صفت کے بعض دوسرے بزرگوں کی تصانیف کے تراجم شائع کرنا اور انھیں عام رونق دینا اس ایجنسی کا دوسرا مقصد ہے۔

چنانچہ اس سلسلہ میں حسب ذیل تراجم زیور طباعت سے آراستہ دہراستہ ہو چکے ہیں :

(۱) اسوۃ حسنہ (۲) اصحاب شفق (۳) الردۃ الوقتی (۴) کتاب الوسیلہ -

علاوہ ان میں بہت سی کتب کے تراجم پائے تکمیل کو پہنچ چکے ہیں اور بہت سی کتابوں کے تراجم زیر غور ہیں جن کے نام شائع ہونے سے پہلے درج کرنا مناسب نہیں۔ جو صاحب اس مبارک سلسلہ کی کوئی کتاب شائع کرنا چاہیں وہ پہلے میں ضرور اطلاع دیدیں ورنہ ہمارے نقصان کے تمام روضہ متروک رہ جائیں گے۔

المشہد

میجر اہلال بک ایجنسی لاہور

اعتماد

کتاب ”الوسیلہ“ عرصہ سے تیار تھی، مگر اسکی اشاعت میں غیر متوقع تاخیر
 حصہ اس خیال کی بنا پر ہوئی کہ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ کی سوانح حیات کے چند
 اوراق بھی مقدمہ کے طور پر اسکے ساتھ شامل کر دئے جائیں جو شائقین کو حضرت امام کی
 عالی مقام مجددیت، بلند پایہ منصب امامت، عظیم النظیر مقام عزیمت و دعوت اور اولوالعزم
 شخصیت کے روشناس کرانے میں مشعل راہ کا کام دے اور آپ کے نیاز مندوں کا حلقہ
 وسیع ہو۔

اگرچہ اس پُر محن اور پُر خطر منزل میں ہماری بے بضاعتی کی چند در چند مجبوریوں اور
 حذریوں حامل قہیں، لیکن اس بل و علی کی کرم فرمائیوں کا لاکھ لاکھ شکریہ ہے کہ عین وقت پر
 دستگیری کی: میرے مکرم و محترم دوست و بزرگ بھائی جناب چوہدری غلام رسول صاحب
 تھمر (پھولپوری) بی اے چیف ایڈیٹر زمیندار لاہور نے اس خدمت کا ذمہ اٹھا لیا۔
 انکا جہتقد بھی شکریہ ادا کیا جائے، کم ہے کہ باوجود اپنی کم فرصتی اور نزاکت و وقت کے
 صرف گزارشات و معروضات ہی کو شرف قبولیت بخشا، بلکہ بیحد نوازا اور مہربانی
 حسان فرمایا۔ ہر صاحب کے پیش نظر چونکہ مقدمہ تھا نہایت اختصار اور اجمال سے
 ہم لیا گیا، تحریر و تسوید کا سلسلہ ختم ہوا تو ”سیرۃ ابن تیمیہ“ ایک مقدمہ کی تنگنا سے ہم
 ان کے قابل نظر آئی اسلئے علیحدہ اور مستقل رسالہ کی صورت میں چھاپ دی ہے۔

محمد عبد العزیز زغال
 مالک المصالح، بیگم الجنبی لاہور

۲۰۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء

فہرست مضامین کتاب ”الوسیلہ“

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۱۲	منکرین شفاعت - - -	۹	مقدمہ از مترجم
۱۱	انکار شفاعت قرآن سے - -		تمہید
۱۳	اہل سنت کا جواب - -	۳	اتباع شریعت سب پر فرض ہے
۱۴	بنیہ حکم خدا شفاعت نہ ہوگی	۴	شرعی ”وسیلہ“ کیا ہے؟ - -
۱۵	اللہ و رسولؐ نے کس شفاعت	۵	شفاعت کس کیلئے ہے؟ - -
۱۶	کی تردید کی ہے	۵	مسلمانوں کے ہمدرد کفار کا حکم - -
۱۷	قبر و مکی تعلیم بت پرستی کی بنیاد ہے	۶	ابوطالب کا معاملہ - -
۱۸	قبول کا توڑنا اور قبروں کا برابر کرنا	۶	کفار کیلئے دعا - -
		۷	شفاعت و ایمان میں موازنہ - -
		۸	شفاعت سے مستفید ہونے کی شرط
		۸	ابراہیم و آزر کا معاملہ - -
		۹	کفار کی مغفرت کیلئے دعا کی ممانعت
۱۸	توسل کے معنی : ایلان و دعا - -	۹	رسول اللہ اور آپ کی والدہ
۱۹	نجات کا مدار توحید پر ہے - -	۱۰	رسول اللہ اور آپ کے والد
۱۹	توحید دین الہی کی بنیاد ہے - -	۱۱	رسول اللہ کے رشتہ دار - -
۲۰	قریش کا شرک کیسا تھا؟ - -	۱۱	بنیہ ایمان عمل رسول اللہ کا نہ آئینہ
۲۱	غیر اللہ کو شفیع ٹھہرانا - -	۱۲	خطبہ میں اعلان - -
۲۳	مشرکین کی تمہیں - -	۱۲	دنیا و آخرت میں رسول اللہ کی شفاعت مفید ہے
۲۴	فرشتوں اور جنوں کی پرستش		

باب (۱)

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۳۹	جن شیاطین سے مومنین نقصان نہیں پہنچتا	۲۴	فرشتوں اور شیطانوں میں فرق -
۴۰	کعبہ غیرہ کا دکھائی دینا -	۲۵	مشرکین کا اپنے شرک سے انکار -
۴۱	شیخ عبدالقادر جیلانی کا واقعہ	۲۶	قبروں، بتوں اور تصویروں کا مخاطب کرنا
۴۲	دنیا میں خدا کو دیکھنا -	۲۷	صالحین کی قبروں سے دعا -
۴۳	رسول اللہ کا بیداری میں دیکھنا	۲۸	میت اور غیر موجود سے دعا کی ممانعت پر اجماع {
۴۴	عقلی دلیل -	۲۹	صحابہ تابعین ائمہ اربعہ کا عمل
۴۵	مشرکین پر ارواح کا نزول -	۳۰	بدعت مگر ای ہے -
۴۶	شیطان فتنائے دکان بچتے ہیں	۳۱	مومنین اولین کی پیروی -
۴۷	جنتوں وغیرہ کے دکھائی دینے کے منکر	۳۲	قبروں کو مسجد ٹھہرانا حرام ہے -
۴۸	نصرت یافتہ دیکھ کر ولی کچھ لینے	۳۳	قبروں کو مسجد ٹھہرانے کے کیا معنی ہیں؟
۴۹	دلوں کا حشر -	۳۴	زیارت قبور کی قسمیں -
۵۰	اولیاء الرحمن و اولیاء اللہ شیطان	۳۵	کفار کی قبروں کی زیارت -
۵۱	کرامات اولیاء -	۳۶	قوم نوح اور دوسری قوموں کا شرک کیونکر شروع ہوا؟ {
۵۲	مشرکوں کے خوارق کی حقیقت -	۳۷	ایسا وغیرہ لمحوں کی اختراع
۵۳	انبیاء و صالحین کو پکارنے والے	۳۸	جنتوں اور شیطانوں کا مشرکوں کو دکھائی دینا - {
۵۴	مشرک ہیں -	۳۹	جنتوں اور شیطانوں کی حقیقت معلوم کرنے کے طریقے {
۵۵	انبیاء و صالحین سے اتنی زندگی اور بے موت دعا کرنے کا فرق	۴۰	رسول اللہ پر جنتوں کا حملہ
۵۶	ملائکہ سے عالمی التجا تحصیل حاصل ہے	۴۱	رسول اللہ کا نماز میں جنت سے سامنا
۵۷	انبیاء و صالحین غیبی دعا و شفاعت کریں گے		
۵۸	انبیاء و اولیاء سے کیوں دعا کرنا چاہئے؟		
۵۹	مخلوق سے سوال کی قسمیں -		

نمبر صفحہ	عنوان	نمبر صفحہ	عنوان
۶۷	مکارم اخلاق کے معنی ..	۵۱	ایک جامع حدیث ..
"	انسان کی بھلائی کس میں ہے ؟	۵۲	سوال کی ممانعت ..
"	اور بُرائی کس میں ؟	"	جھاڑ پھونک کر انیسکی ممانعت ..
۷۰	صراطِ مستقیم کیا ہے ؟	۵۳	ایراہیمؑ کی دعا ..
۷۱	یہود و نصاریٰ کی مشابہت ..	"	اللہ سے سوال و دعا کی حکمت ..
"	فاجر عالم اور جاہل عابد ..	۵۵	مسلمانوں کی مسلمان کیلئے دعا ..
		۵۶	کس قسم کے سوال جائز ہیں ؟
		۵۷	اکابر صحابہ رسول اللہؐ سے کچھ بھی { سوال نہ کرتے تھے
۷۳	لفظ "وسیلہ" کے مختلف استعمال ..	"	حضرت صدیقؓ کا استغنا و توکل ..
"	"وسیلہ" قرآن میں ..	۵۹	دعا بھی معاوضہ کی ایک صورت ہے
۷۴	"وسیلہ" حدیث میں ..	۵۹	خلوص عبادت اسلام ہے ..
۷۵	"وسیلہ" کلام صحابہ میں ..	۶۱	اسلام دو بنیادوں پر ہے ..
"	"وسیلہ" بعد کے لوگوں کے کلام میں ..	۶۲	سب کچھ خدا کیلئے ہونا چاہئے ..
"	"وسیلہ" کے کون معنی درست ہیں ؟	"	سوال کی مضرتیں ..
۷۶	"وسیلہ" کے کون معنی درست نہیں ؟	"	امت کی رسول اللہ کیلئے دعا ..
۷۷	امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب	"	رسول اللہ کیلئے دعا کرنے سے { خود امت کو نفع ہوتا ہے
۷۸	مخلوق کی قسم ..	۶۴	"
"	ائمہ اربعہ کا مذہب ..	۶۵	کس طرح دعا چاہنا مطابق سنت ہے ؟
۷۹	نقوی بحث ..	"	سوال کیوں ممنوع ہے ؟
۸۰	خدا کو قسم لانا (۷۹) کفارہ قسم	۶۶	زیارت قبورِ مُردوں پر احسان کیلئے ہر
۸۱	خدا سے سوال کے طریقے ..	"	خدا نے کس چیز کا حکم دیا ہے ؟

باب (۲)

نمبر صفحہ	عنوان	نمبر صفحہ	عنوان
۱۰۴	حضرت عمر کا حضرت عباسؓ کی دعا کو وسیلہ بنانا	۸۲	خدا کو کس طرح مخاطب کرنا چاہئے؟
۱۰۵	امام مالک پر شہادت	۸۳	دعا کیونکر قبول ہوتی ہے؟
۱۰۶	نبی صلعم سے سلف کی محبت ..	۸۵	خدا پر سائلوں کا حق ..
۱۰۷	ایک جھوٹی حکایت ..	۸۶	اعمال صالحہ کے واسطے سے دعا ..
۱۰۸	حکایت کیوں جھوٹی ہے؟ ..	۸۷	کسی کی جاہ و عزت کے حوالہ سے سوال
۱۰۹	حکایت کی تشریح ..	۸۸	دعا مقبول ہونے کا سبب بڑا سبب
۱۱۰	رسول اللہؐ پر سلام کا طریقہ ..	۸۹	کیا خدا پر مخلوق کا حق ہے؟
۱۱۱	قبر نبویؐ کی زیارت اہل مدینہ {	۹۱	اللہ تعالیٰ کا استغفار ..
۱۱۲	اور پر دیسیوں کے لئے	۹۳	حدیث قدسی ..
۱۱۳	سلف صالح قبر نبویؐ پر کھسکے جاتے تھے؟	۹۴	اللہ اور مخلوق میں فرق ..
۱۱۴	قبر نبویؐ کے پاس دعا ..	۹۵	جنت، عمل کا بدلہ نہیں ..
۱۱۵	قبر نبویؐ کے پاس سلام ..	۹۶	اصلی بحث ..
۱۱۶	قبر نبویؐ کی زیارت کی حاشیہ	۹۷	خدا ظلم نہیں کرتا ..
۱۱۷	لفظ ”زیارت“ اور امام مالکؒ	۹۸	کسی کے حق سے سوال جائز ہے یا نہیں؟
۱۱۸	حدیث: ما بین قبری و منبری	۹۹	اعتراض کس پر ہے؟
۱۱۹	درود و سلام ..	۱۰۰	رشتہ کے حوالہ سے سوال ..
۱۲۰	امام مالکؒ کی حکایت پر مزید بحث	۱۰۱	اہم الوصفہ کے مذہب کی تشریح
۱۲۱	خدا کو سفارشی بنانا ..	۱۰۲	اس باب میں نبی صلعمؐ کوئی حدیث ثابت نہیں
۱۲۲	صحابہ تابعینؓ ائمہ اربعہ کا مسلک	۱۰۳	حدیث نابینا ..
۱۲۳	لفظ ”شفاعت“ کی تحقیق ..	۱۰۴	حضرت عمرؓ کی دعا ..
۱۲۴	فہم شریعت میں غلطی کی ایک بڑی وجہ	۱۰۵	سوال اور ٹکسم ..
۱۲۵	ملاحظہ کی نکتہ میں تحریف ..	۱۰۶	مذہب امام مالکؒ ..

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
	باب (۳)	۱۲۴	"عقل اول" (۱۲۳) لفظ "قدیم"
۱۶۴	وسیلہ کی تیسری قسم ..	۱۲۵	لفظ "کلمہ" ..
۱۶۵	نبی صلعم سے کچھ بھی مروی نہیں ..	۱۲۶	"وسیلہ و شفاعت" کی تحقیق ..
۱۶۷	خدا کو قسم دلانے کی بحث ..	۱۲۸	مسند امام احمد اور موضوع حدیثیں
۱۷۰	شرک میں کوئی استثنائیں ..	۱۳۰	حضرت خضر علیہ السلام (۱۲۸) ترغیب و ترہیب کی حدیثیں
۱۷۵	آیت ہفت تہا کی حدیث بحث ..	۱۳۱	اسرائیلیات (۱۳۰) حدیث کی تقسیم
۱۸۳	توحید کامل ..	..	"وسیلہ" اور موضوع حدیثیں
۱۸۶	بندوں پر خدا کا حق ..	۱۳۴	محدثین کے درجے ..
۱۸۹	"ظلم عظیم" ..	۱۳۵	امام بخاری کی فقہانیت
۱۹۱	اللہ اور رسول کی محبت ..	..	امام مسلم کی غلطیاں ..
۱۹۳	توحید الہی (۱۹۲) رسول واسطہ ہے	۱۳۷	کون حدیثیں شریعت بن سکتی ہیں؟
"	ہدایت کس کے ہاتھ میں ہے؟	۱۳۸	حفظ قرآن والی حدیث ..
"	دعا و شفاعت کی شرط ..	۱۴۰	جامع حدیث (۱۳۹) آثارِ سلف
"	توحید و رسالت کا فرق مراتب	۱۴۲	معنی مراد پوری ہو جانا کسی دعا کے جواز کی وسیلہ نہیں {
۱۹۴	وسیلہ کی دو توحیدیں ..	۱۴۵	نا بینا والی حدیث کی تحقیق ..
"	وسیلہ کی چوتھی قسم ..	۱۴۹	عثمان بن حنیف کا قصہ ..
۱۹۵	اسلام کی دو بنیادیں ..	۱۵۷	بعض افراد صحابہ کا فعل سنت نہیں
۱۹۶	تحقیق کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"	۱۵۸	اتباع سنت کی حقیقت ..
	باب (۴)	۱۶۱	صحابی کا فعل کب حجت ہوتا ہے؟
۱۹۹	استفتا اور اسکا جواب ..	۱۶۳	نا بینا والی حدیث حضرت عمرؓ کے لئے حجت ہے {
"	شفاعت کے بابے میں اہل سنت کا مذہب ..		

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۲۱۵	صحابہ اور خلفائے اہل بیت کے عمل میں فرق	۲۰۰	صحابہ رسول اللہ کی زندگی میں آپ کے دعا کی درخواست کرتے تھے؟
۲۱۶	ہر مومن سے دعا کی خواہش جائز ہے	۲۰۱	حضرت عمرؓ کا واقعہ ..
۲۱۷	سلف صالح آنحضرتؐ کو ثواب بخشتے تھے	۲۰۲	.. معاویہؓ کا واقعہ ..
۲۱۸	آنحضرتؐ کا امت کے دعا کی خواہش کرنا	۲۰۳	وسیلہ کی حقیقت ..
۲۱۹	غیر حاضر کی غیر حاضر کیلئے دعا ..	۲۰۴	اللہ کو سفارشی بنانا ..
۲۲۰	کیا چیز مخلوق سے نہ مانگنا چاہئے؟	۲۰۵	مسلمان حکم کی اطاعت کیلئے کیا شرط ہے؟
۲۲۱	ایک عجیب نکتہ (ملائکہ انبیاء و صلحا)	۲۰۶	شفاعت کا مقبول ہونا ضروری نہیں
۲۲۲	کی دعا موت کے بعد ..	۲۰۷	بریرہؓ کا واقعہ ..
۲۲۳	شفاعت کی (دو قسمیں) ..	۲۰۸	رسول اللہ کی شفاعت کن لوگوں کے لئے ہے؟
۲۲۴	آپ کی وفات کے بعد آپ دعا کی التجا	۲۰۹	زندگی میں دعا و شفاعت کی درخواست درست ہے
۲۲۵	دو عظیم الشان اصول ..	۲۱۰	صحابہ کا عمل ..
۲۲۶	بدعت کی تعریف ..	۲۱۱	نبی صلعم کی جاہ و حرمت ..
۲۲۷	حضرت عمرؓ کا حجر اسود سے خطاب	۲۱۲	خدا کی نظر میں مخلوق کا درجہ ..
۲۲۸	آنحضرتؐ کی دعائیں ..	۲۱۳	شرک کا آغاز تعظیم قبور سے ہوا ..
۲۲۹	غیر اللہ کی قسم شرک ہے ..	۲۱۴	صحابہ کے عمل سے حجت ..
۲۳۰	غیر اللہ سے پناہ مانگنا ..	۲۱۵	رسول اللہ نے اپنی قبر کے متعلق کیا فرمایا؟
۲۳۱	وسیلہ چاہنے کا کیا مطلب ہے؟	۲۱۶	نامینا والی حدیث پر ایک نظر ..
۲۳۲	وسیلہ کا دوسرا نام "اعمال صالحہ" ہے	۲۱۷	اس حدیث سے کیا ثابت ہوتا ہے؟
۲۳۳	کون وسیلہ سود مند نہیں؟		
۲۳۴	انبیاء کی حرمت کس طرح نفع ہو سکتی ہے؟		
۲۳۵	ایک آیت کی تحقیق ..		
۲۳۶	ایک دعا کی تحقیق ..		

نمبر صفحہ	مضمون	نمبر صفحہ	مضمون
۲۴۸	دوسری (۲۴۸) ایک جھوٹی حدیث	۲۳۲	اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر
۲۴۹	تمام انبیاء کا دین	۲۳۳	ایک اعتراض اور جواب
		۲۳۴	کس طرح کا سوال درست ہے ؟
		۲۳۵	ایک انصاریہ کا واقعہ
		"	حضرت داؤدؑ کو خدا کا جواب
		۲۳۶	صحابہ کی اصطلاح
۲۵۱	نتیجہ	۲۳۷	ابو حنیفہؒ اور ابویوسفؒ کا مسلک
۲۵۲	مکاشفات	"	خدا نے مخلوق کی قسمیں کیوں کھائیں ؟
۲۵۳	خود شیخ الاسلام کا واقعہ	۲۳۸	قسم کا معاملہ
"	شیطان کی کارروائیاں	"	کون دعائیں بہتر ہیں ؟
"	نادانستہ شیطان پرستی	۲۳۹	ابو محمد بن عبد السلامؒ کا قول
۲۵۵	عرب میں جنات کا عقیدہ	۲۴۰	درد کا نفع (۲۳۹) تین درجے
"	عجمی گنڈے	۲۴۱	ائمہ اربعہ کا مذہب
۲۵۶	شیطانی کرامتوں کی حقیقت	"	امام مالکؒ الی حکایت
۲۵۷	شیطانی احوال کا سرچشمہ	"	امت کا اجماع
۲۵۸	کیسے مسلمانوں پر شیطان قابو حاصل کر لیتا ہے ؟	۲۴۲	ایک عجیب تحقیق
۲۵۹	دین اسلام کی بنیادیں	۲۴۳	جو آنحضرتؐ کی حیاتیں جائز تھا اسکا وفات
۲۶۰	ذات الہی	"	کے بعد بھی جائز ہونا ضروری نہیں
"	قولی و عملی توحید	"	امام مالکؒ اور قبر نبویؐ کی زیارت



س

(از مترجم)

شیخ الاسلام، علم کا ایک ایسا بحرِ زخار ہیں جس کے کناروں کا پتہ نہیں لگتا۔ وہ مجتہدِ مطلق، بلکہ خود مختار شہنشاہ ہیں اور علم کی وسیع مملکت میں جس طرح چاہتے ہیں حکمرانی کرتے ہیں۔ متقدمین میں کم اور مستأخرین میں ایک بھی اُن جیسا صاحبِ علم پیدا نہیں ہوا۔ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہیں، سید الانبیاء کے معجزوں میں ایک بڑا معجزہ ہیں، پہاڑ کی چوٹی پر روشن مینار ہیں، تاریک سمندر میں جہاز کیلئے ہدایت کا ستارہ ہیں، اُمتِ محمدیہ کا فخر ہیں۔ گمراہوں کے لئے تازیانہ ہیں، مبتدعین پر مشیر برہنہ ہیں، اہلِ جہود پر برق و صاعقہ ہیں۔ ظالم بادشاہ جس طرح قید خانہ کی اندھیری کوٹھڑیوں میں بند کوکے اس آفتاب کی روشنی پھیلنے سے روک نہ سکے، اُسی طرح موت کا بے پناہ ہاتھ بھی قبر میں چھپا کر اُس کی نور افشانی بند نہ کر سکا۔ ابنِ تیمیہؒ زندہ ہیں، کیونکہ اُن کی زرو جواہر سے لبریز کتابیں زندہ اور طلبگاروں کیلئے آپ حیات کا چشمہ جاری کئے ہوئے ہیں۔ مبارک ہیں وہ جو اس دورِ جہل و ظلمت، شرک و بدعت میں اس کوہِ نور سے روشنی حاصل کریں اور مبارک ہیں وہ جن کے دل ان علوم و معارف کے فہم و نشر کیلئے کھل جائیں !

کتاب ”الوسیلہ“ محض لفظ ”وسیلہ“ کی بحث نہیں بلکہ ایک جامع کتاب ہے، توحید کی پُر جوش دعوت ہے، شرک کے سر پر ہلک ضرب ہے، بدعتِ جمود

کے گلے پر پھری ہے۔ اہل حق تو اس سے تقویت ہوگی، اہل باطل کو شکست ہوگی،
 مبتدعین اہل جہود منہ چھپاتے پھرینگے۔ اس کُندن کے سامنے اُنکا کھوٹا سفار و راج
 نہ پاسکے گا، یہ میرا جس کا بیچ پر رکھا جائیگا ریزہ ریزہ کر دیگا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ
 الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا (۹: ۱۵)۔

اس کتاب کے معلوم ہوگا کہ مسلمان، اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ سے کس قدر
 دُور اور بدعت، نہیں، بلکہ خود شرک سے کس قدر نزدیک ہو گئے ہیں۔ حضرت انسؓ بنی امیہ
 کے زمانہ میں رویا کرتے تھے کہ عہدِ اول کا دین باقی نہیں ہا اگر وہ ہمارے اس زمانہ کو دیکھتے
 تو کیا کہنے؟ کیا وہ ہمیں ”مشرک“ قرار دیتے اور ہم انھیں کئی بُرا نام دیتے کیونکہ اسوقت اور اُس
 وقت کے اسلام میں اب اگر کوئی مشترک چیز باقی رہ گئی ہے تو صرف لفظِ اسلام ہے یا چند
 ظاہری و رسمی عبادتیں ہیں اور وہ بھی بدعت کی آمیزش سے پاک نہیں۔ کتاب اللہ
 جیسی آسمان سے اُتری تھی اب تک بے غل و غش قائم ہے سنتِ رسول اللہ بھی مدون و
 محفوظ مسلمانوں کے ہاتھوں میں موجود ہے، مگر کتنی بڑی بد نصیبی ہے کہ دونوں بھجور و
 متروک ہیں، طاقوں اور الماریوں کی زینت ہیں، یا گندوں، غمخیزوں میں مستعمل ہیں مسلمان
 اپنی عملی زندگی میں اُن سے بالکل آزاد ہیں اور باوجود اُن کے اتباع اُن کو مخالفت چل رہے
 ہیں۔ اجمیر کا عرس دیکھنے کے بعد کون کہہ سکتا ہے: یہ وہی مسلمان ہیں جو حاملِ قرآن اور
 علمبردارِ توحید تھے؟ اودھ کے ایک ہندو رہنما نے اجمیر کی کیفیت دیکھ کر کہا تھا:
 ”اب تک مجھے شک تھا کہ ہندو مسلمانوں میں اتحاد ہو سکتا ہے مگر آج یقین ہو گیا کیونکہ ہمارے
 اور مسلمانوں کے مذہب میں اگر کچھ فرق ہے تو صرف ناموں کا ہے، حقیقت دونوں کی ایک ہی
 ہے“ (!!) اور یہ اُس نے سچ کہا کیونکہ اسوقت ہندوؤں اور مسلمانوں کے شرک میں
 اگر کچھ فرق ہے تو ناموں اور طریقوں ہی کا ہے ورنہ حقیقت تقریباً ایک ہے۔ ہندو
 بتوں کے سامنے جھکتے ہیں تو مسلمان قبروں کے سامنے، ہندو رام و کرشن کی پرستش

کرتے ہیں تو مسلمان جیلانی و اجیری کی! یہ کہنا کہ ہم پرستش نہیں کرتے، انھیں خدا نہیں سمجھتے، محض بے معنی ہے کیونکہ ہندو بھی بجز اللہ واحد کے کسی کی بھی خدا سمجھ کر پرستش نہیں کرتے اور نہ مشرکین عرب کرتے تھے جیسا کہ اس کتاب میں مفصل مذکور ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ تم اپنی پرستش کو ”پرستش و عبادت“ نہیں کہتے کچھ اور نام دیتے ہو، مگر ناموں کے اختلاف سے حقیقت تبدیل نہیں سکتی۔

حساس آدمی کیلئے مسلمان مشرکوں کے حالات و خیالات معلوم کرنا یا ناقابلِ برداشت مصیبت ہے۔ اس فرقہ میں عقل و نقل دونوں کا کال ہے۔ ایک طرف تسلیم کرتے ہیں کہ خدا علام الغیوب ہے، سمیع و بصیر ہے، آسمانوں اور زمینوں میں ایک ذرہ بھی اُس سے اوجھل نہیں اور نہ بغیر اُسکی مرضی کے حرکت کر سکتا ہے، وہ ہم سے دور نہیں نزدیک ہے اور اتنا نزدیک کہ اُس سے زیادہ نزدیک کی ممکن نہیں، پھر وہ رحمن و رحیم ہے، غفور و عفا ہے، سخی ہے، بحساب دیتا ہے، جبار بادشاہ نہیں کہ کسی کو اپنے در پر آنے نہ دے، ہر وقت سکا دروازہ کھلا ہے، ہر وقت اُسکا ہاتھ پھیلا ہے، ہر وقت اُسکا لنگر جاری ہے۔ یہ سب اور اس سے زیادہ فہم ہیں، مگر.... ”مگر“ کے آگے عقل و دانش کی موت ہے، انسانیت و انسانی شرافت کا ماتم ہے! مگر کے بعد یہ ہے کہ قبروں کے سامنے جھکنا ضروری ہے! مردوں سے منتیں ماننا لازمی ہے! سفارش و شفاعت کے بغیر اُس دربار میں رسائی ناممکن ہے! یہ قبر ”غوث اعظم“ کی ہے جو مرجانے کے بعد بھی ”غوث“ ہیں اور ملک الموت سے قبض کی ہوئی رگوں کا تھیلہ پھین سکتے ہیں! یہ ”محبوب جانی“ ہیں ”عاشق جانثار“ کو ضد کر کے مجبور کر دیتے ہیں! یہ ”غریب نواز“ ہیں اور مرنے پر بھی ٹھکیاں بھر بھر کے دیتے ہیں....!! چنانچہ انسانیت و اسلام کے یہ مدعی حقوقِ قبروں پر جاتے ہیں، ماتھے گھستے ہیں، ناک رگڑتے ہیں اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو کوئی شریف النفس اور خوددار انسان کسی مخلوق کے سامنے نہیں کر سکتا۔ انسان کے پاس بیک بڑی دولت

اُسکی اپنی "انسانیت" ہے، یہ جانتے ہیں اور اس متاعِ عزیز کو چُونہ اور اینٹ کے چبوتروں پر بڑی بے دردی سے قربان کر آتے ہیں !

اگر کہا جاتا ہے دیکھو کیا کہتے ہیں؟ شریعت نے منع کیا ہے، شرک ٹھیرا یا ہے، جہنم سزا بتائی ہے۔ تو جواب میں اعراض و انکار ہے، تاویل و تحریف ہے، شریعت حقیقہ کی بحث ہے، ظاہر و باطن کی حجت ہے، دہائی و خفی کا فرق ہے، قرآن کی آیت اور محمد رسول اللہ کی حدیث کے مقابلہ میں حسن بصری، شبلی، جیلانی، چشتی کے ملفوظات ہیں۔ حالانکہ انہیں سے کسی نے بھی کوئی شرک جائز نہیں کھا، مگر کس سے کہا جائے؟ کان ہوں تو سنیں، آنکھیں ہوں تو دیکھیں، دل ہوں تو سمجھیں: لَکُمْ قُلُوبٌ لَا یَعْقِلُونَ بِهَا وَلَکُمْ اَعْيُنٌ لَا یُبْصِرُونَ بِهَا وَلَکُمْ اُذُنٌ لَا تَسْمَعُونَ بِهَا، اُولَٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ! (۱۲: ۹)

یہ صرف عوام ہی کا حال نہیں کہ جہالت کی وجہ سے معذور کہے جائیں، اُن لوگوں کا بھی ہے جو اپنے تئیں "مٹھ پھٹ پھار" کے "علماء امت" و "ارثِ علوم نبوت" اور "انبیاء بنی اسرائیل" کا مشابہ بتاتے ہیں، ایک طرف اسفارِ شریعت کے حامل اور دوسری طرف "حقیقہ و طریقہ" کے راز دان ہونے کے مدعی ہیں۔ دراصل یہی لوگ امتِ محمدیہ کیلئے اصلی فتنہ اور تمام تباہیوں اور بربادیوں کے اصلی سبب ہیں۔ یہ علماء و سوا اس امت کے "فقہی" و "فریسی" و "صدوقی" ہیں، "ماروت و ماروت" ہیں، "رؤس الشیاطین" ہیں۔ انہیں نے شریعت کی تحریف کی ہے، انہیں نے کتابِ سنت کا دروازہ مسلمانوں پر بند کیا ہے، انہیں نے شریعت و بدعت کی نایکی پھیلانی ہے، انہیں نے اسلام کا نام لیکر اسلام کو مسلمانوں کے دلوں سے اکھاڑ پھینکا ہے۔ تیرہ سو برس کی پوری تاریخ ہمارے سامنے کھلی رکھی ہے، وہ کون مصیبت ہے، جو انکے ہاتھوں میں لئی، وہ کون گمراہی ہے جسکا جھنڈا انھوں نے اپنے کا ندھوں پر نہیں اٹھایا؟

حضرت عبداللہ بن المبارک کہہ گئے ہیں:- وہل بدل الدین الا الملوک و اجار سوء و ہما خا! الفاظ سخت ضرور ہیں اور شاید قابلِ مواخذہ بھی ہیں، مگر دل و جگر میں جو گھاؤ بیڑی ہیں،

زیادہ ماتم پر مجبور کرتے ہیں۔ کون انسان ہے جو تمیں کو ڈرانسا نوں کی یہ بے دروانہ تباہی دیکھے اور خاموش رہے؟ کون مسلمان ہے جو اُمتِ مرحومہ پر یہ فترِ قاتلہ تاخت اپنی آنکھوں سے دیکھے اور چُپ ہے؟ کیا اسکے بعد بھی انسان دیوانہ نہ ہو جائیگا کہ دن کو رات بتایا جاتا ہے، آفتاب کو سیاہ ٹیکا کہا جاتا ہے، حق کو باطل اور باطل کو حق ٹھہرایا جاتا ہے؟ کون مسلمان ہے جسکے دل میں ذرا بھی نورِ ایمان ہو اور شریعت کو ضلالت، سنت کو بدعت، ایمان کو کفر، توحید کو شرک اور شرک کو توحید سمجھتے دیکھے اور جوش سے اُبل نہ پڑے؟ مسلمانوں سے کہا جاتا ہے کہ ”کتابِ سنت کا فہم ناممکن ہے لہذا اس سے دُور رہو“ اشخاص کی تقلید و اتباع ہے لہذا بے چون و چرا ہمارے پیچھے چلے چلو، قبریں اونچی کر دو، قتبے بناؤ، اولیاء سے منتیں مانو، خدا تک مخلوق کو وسیلہ بناؤ، جو چاہو کرو و بخشے جاؤ گے کیونکہ شفیع المذنبین کی اُمت ہو... یہی دین ہے، یہی شریعت ہے، یہی سنت ہے! کیا ہم یہ سب سُنیں اور خاموش بیٹھے رہیں؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ مصلحینِ اُمت اُٹھیں اور علماء و سُوکے اس شرفِ مشرُومہ کے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیں تاکہ مسلمان اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ان بڑی بڑی گپٹوں کے نیچے شیطان کو سجدہ کرنیوالے سر ہیں اور ان لمبی گھنٹی ڈاڑھیوں کو اوٹ میں کفر و ریا کی سیاہی چھپی ہوئی ہے؟

کیا مسلمان اپنے ”عالموں“ اور ”رہنماؤں“ کے اسلام و اصلاح کا حال سُننا چاہتے ہیں؟ اچھا ایک مستقل کتاب کا انتظار کریں یہاں اس مختصر دیباچہ میں گنجائش نہیں۔ تاہم عبرت کے ساتھ یہ واقعہ نوٹ کر لیں کہ اُنکے ایک ”مستند عالم“ نے جو ”صوفی“ اور شاید ”پیر“ بھی ہیں تحریکِ خلافت کے دوران میں تجویز کی تھی کہ علماء و مشائخ کا ایک وفد مرتب ہو کر ”جمیر شریف“ جائے اور خواجہ صاحب کو اُمت کی ایک ایک مُصیبت سُننا کہ فریاد کرے! صرف تجویز ہی نہیں بلکہ سُننا ہی مولوی صاحب اپنے ہم مشربوں کے ساتھ شدِّ حال کر کے گئے اور مزار پر خوب روئے پیٹے۔ مگر افسوس و اُٹاں سے کوئی جواب

نہ ملا اور بے مراد لوٹے چلے آئے! کیا یہی وہ توحید ہے جسکی بنیادیں قرآن نے قائم کی تھیں! جسکی حفاظت کے علماء دین "مدعی ہیں اور جسکے اتباع و تمسک پر مسلمانوں کو نواز ہے؟ اگر خواجہ صاحب امتیاز محمدیہ کو اس کے مصائب سے نجات دلا سکتے ہیں تو رام و کرشن کی خدائی پر مسلمان کیوں منہ بنتے ہیں؟ اس اجیری وفد کی تحریک پرائیویٹ نہ تھی، اخبارات کے کالموں میں علانیہ کی گئی تھی، مگر کسی عالم نے بھی اعلان کرنے والے کی زبان نہ پکڑی کہ یہ شرک ہے، بلکہ بہت سے مولویوں نے تو اس کی تحریراً تائید کی جیسا کہ اخبارات کے پُرانے غائل گواہ ہیں۔ کیا یہی وہ حفاظتِ دین ہے جس کا بیڑا ہمارے علماء اٹھائے ہیں؟

اُداسے کاش ضلالت و بدعت کی حمایت علماء کے اُسی گروہ میں محدود ہوتی چسے بدعتی کہا جاتا ہے اور اُس گروہ میں مستقل نہ ہوتی جو اصلاح و تجمّد کا مدعی ہے۔ میں یہ المناک واقعہ انتہائی رنج و اندوہ کے ساتھ تاریخ کے حوالہ اور مسلمانوں کے گوش گزار کرتا ہوں کہ ابھی چند دن کی بات ہے کہ اس جماعت کے ایک تعلیمی مرکز کے شیخ اعظم اور دوسرے مشائخ نے قعزیہ داری جیسی صریح بدعت بلکہ شرک کے خلاف فتویٰ دینے سے یہ کہہ کر صاف انکار کر دیا کہ موجودہ حالات میں ایسا فتوے "خلافِ مصلحت" ہے!

کیا یہی طریقہ شریعت کی حفاظت کا ہے؟ کیا یہی نیابتِ انبیاء ہے جس کا فرض ہمارے علماء اس خوش اسلوبی سے انجام دے رہے ہیں؟ کیا اب بھی قوت نہیں آ یا کہ مسلمان آنکھیں کھولیں، اپنے مذہبی پیشواؤں کی حقیقت معلوم کریں

اور دین کی حفاظت اور شرک و بدعت کے ازالہ کے لئے خود آگے بڑھیں؟ اسلام میں نہ پاپائیت ہے نہ روحانی پیشوائیت۔ وقت آ گیا ہے کہ یہ خود ساختہ پیشوائیت ڈھا دی جائے تاکہ اللہ کے بندوں کا تعلق اللہ کے دین سے براہ راست ہو جائے۔ کتاب ”الوسیلہ“ اس مقصد میں معین ہوگی۔ اور مسلمانوں کو بتائے گی کہ اسلام کے اصل الاصول ”توحید“ سے اُن کے ”علماء“ نے انھیں کس قدر دُور ڈال دیا ہے۔

عبدالرزاق ملیح آبادی
از کلکتہ



الوسيلة

ابن تیمیہ رحمہ اللہ

(مطبوعہ گریجویٹ پریس ہونولولو، ہوائی) (دکوتہ الی قدیم)

قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيَّ الْوَسِيلَةَ
وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ - (١٠٦: ٤)
قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ
كَشْفَ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَتَحْوِيلًا، أُولَئِكَ الَّذِينَ
يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ
وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَ إِبْنِ عَدَابِ
رَبِّكَ كَانَ تَحَدُّورًا - (٦: ١٥)



تمہید

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله نستعينه ونستغفره ونأخذ بالله من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله -

اللہ نے اپنے رسولؐ کو ہدایت و دینِ حق کے ساتھ مبعوث کیا تاکہ اسے تمام دیوتاؤں پر غالب کر دے، وَكَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا (۱۲: ۲۶، ۲۷) قیامت کے قریب بشیر و نذیر داعی الی اللہ اور سر اجا میرا بنا کر بھیجا، اسکے ذریعہ گمراہی کی جگہ ہدایت قائم کی، کو چشمی دور کی، کجی اور خبی کو استقامت و رشد سے بدل دیا، اندھی آنکھیں بینا کیں، بہرے کان شنوا کئے، بند دل کھول دئے۔ پھر خود رسولؐ نے پیغام الہی ٹھیک ٹھیک پہنچا دیا، امانت پوری پوری ادا کر دی، امرت کو نصیحت کی، اللہ کی راہ میں مجاہدہ کیا، اور اپنے رب کی عبادت پر جھکے رہے یہاں تک کہ داعی اجل آگیا (صلی اللہ علیہ وسلم تسلیمًا) حق و باطل میں تعصبِ حق کی، ہدایت و ضلالت میں تمیز کی، راستی و ناراستی میں جدائی کی، جہنمیوں اور دوزخیوں کے راستے الگ کئے، اولیاء اللہ اور اعداء اللہ میں شناخت پیدا کر دی۔ پس حلال وہی ہے جسے اللہ اور اسکے رسولؐ نے حلال کہا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ اور اسکے رسولؐ نے حرام بتایا ہے، اور دینِ حق وہی ہے جو اللہ اور اسکے رسولؐ نے قائم کر دیا ہے۔ خدا نے آپؐ کو جن وانس دونوں کی رہبری کیلئے

مبعوث کیا ہے، اسلئے سب پر فرض ہے کہ آپ پر آپ کی شریعت پر ایمان لائیں اور ظاہر و باطن میں آپ کی پیروی کریں۔ آپ پر ایمان اور آپ کی اتباع، یہی اولیاء اللہ کا راستہ ہے اور یہی وہ ”وسیلہ“ ہے جسکے چاہنے کا حکم خدا نے اپنے بندوں کو اس آیت میں دیا ہے :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (۱۰: ۶) | اے وہ جو ایمان لائے، خدا سے ڈرو اور اسی کی نظر وسیلہ ڈھونڈو۔

پس وسیلہ صرف اُسی خوش نصیب کیلئے ہے جو محمدؐ پر ایمان لاتا، اُس کی اتباع کرتا اور اس ایمان و اتباع کو خدا کے ہاں نجات کا ”وسیلہ“ بناتا ہے۔

شرعی وسیلہ کیلئے؛

اسی ایمان و اطاعت کے ذریعہ وسیلہ چاہنا ہر شخص پر ہر حال میں ظاہر میں باطن میں فرض ہے، اسکی فرضیت جیسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تھی ویسی ہی آپ کے وصال کے بعد اب بھی ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ قیامِ حجت کے بعد مخلوق میں کوئی بھی اس سے مستثنیٰ و مستغنی نہیں عام اس سے کہ کیسے ہی حالات میں ہو اور کتنے ہی عذر رکھتا ہو۔ یہی ایک اسلئے ہے جس سے رحمت الہی، کرامت خداوندی، اور نجاتِ اُخروی کی دولت مل سکتی ہے، اسکے سوا عذابِ رسوائی سے بچنے کا اور کوئی طریقہ نہیں۔

پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخلاق ہیں، صاحبِ مقام محمود ہیں کہ جبہ تمام اولین و آخرین رشک کریں گے، شفیعوں میں کوئی اس درجہ کا نہیں، دربارِ خداوندی میں کوئی اس تک نہیں۔ موسیٰ کے متعلق خدا نے فرمایا : وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَرَجِيحًا (۶: ۲۲) (خدا کے نزدیک معزز ہیں)۔ اور مسیح کے بارے میں فرمایا : وَرَجِيحًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (۱۳: ۲)

(دنیا و آخرت میں معزز)۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اعزاز ملا ہے، انبیاء و مرسلین میں سے کسی کو بھی نہیں ملا۔ لیکن آپ کی شفاعت سے صرف وہی لوگ نفع اٹھائیں گے جن کے حق میں آپ شفاعت و دعا فرمائیں گے۔ پس جس خوش قسمت کو یہ سعادت میسر آجائیگی وہ

فوائد
کس کو بھی نہیں ملے گی

وہ کام دے اور تھوڑی تھوڑی آگ میں کر دے بائیں جو انکے ٹخنوں تک پہنچے اور اس سے

ان کا دماغ کھولے گا اور سنا دیا: ”ان اھون اھل النار عذابا ابدا بوطالب ہو منتعل

بندوبین من نار یضلی منہا کما غنہ“ (اہل جہنم میں سب سے بڑا عذاب ابوطالب پر ہوگا، وہ

آگ کہہ دے جو توتے پہنے ہوئے جسے ان کا دماغ کھولے گا) اسی طرح آپ کی دعا بھی ایسے

کفار کے حق میں مفید ہے مثلاً یہ دعا کہ دنیا میں ان پر عذاب جلد نہ اُتاراجائے جیسا کہ آپ

نے ایک بنی کی حکایت میں فرمایا کہ اُسکی قوم نے اُسے مارا مگر اس نے یہی کہا: ”اللھم اغفر

لقومی فانہم لا یعلمون“ (اے خدا، میری قوم کو معاف کر کیونکہ وہ نہیں سمجھتے)۔ روایت

ہے کہ خود آپ نے بھی دعا کی تھی: ”اغفرلھم ولا تعجل علیھم العذاب فی الدنیا“

(انھیں معاف کر اور دنیا میں ان پر عذاب میں جلدی نہ کر) قرآن میں ہے:

لَوْ یَاْخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِہُمْ مَا تُکُوْنُ دُیُوْدٌ لَّوْگُوْا کُوْنُکُمْ گناہوں پر پکڑتا تو دے زمین

پر کوئی ذی روح بھی نہ چھوڑتا، لیکن وہ انھیں ایک

یوڑے گا (یٰۤاَیُّہم الیٰی اَجَلٌ مُّسَمًّی ۱۳۴: ۱۳۵)

نیز بعض کفار کی ہدایت و روزی کیلئے بھی آپ کی دعا مقبول ہو سکتی ہے جیسا کہ

ابو ہریرہ کی ماں کیلئے دعا کی اور وہ ایمان لے آئیں، اور جیسا کہ قبیلہ دوس کیلئے دعا کی کہ:

”اللھم اھد دوسا وادت بھم“ (اللہ! دوس کو ہدایت دے اور انھیں لے آ) چنانچہ

ایسا ہی ہو گیا اور جیسا کہ ابو داؤد میں ہے کہ بعض مشرکین نے قحط سالی کی شکایت اور

دعا کیلئے درخواست کی، آپ نے دعا کی اور پانی برس گیا۔

بالاتفاق تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ نبی صلعم کا درجہ خدا کی درگاہ میں سب سے بڑا

ہے، کسی مخلوق کا پایہ آپ کے پایہ سے اونچا نہیں اور نہ کسی کی شفاعت آپ کی شفاعت سے

بڑھ سکتی ہے۔ لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ انبیاء کی دعا و شفاعت، ان پر ایمان و اطاعت کی

بھاری وغیرہ سے کہ نبی صلعم نے یہ عاجز اُحدیں کی تھی جب مشرکوں نے آپ کو زخمی کر دیا تھا۔

کفار کیلئے دعا

شفاعتِ ایمان میں کوازنہ

ہم درج نہیں کیونکہ ایمان و اطاعت سے آخرت کی سعادت اور عذاب سے نجات مل جاتی ہے۔
جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا، اطاعت کرتا اور اسی حال میں مرتا ہے، قطعاً
جنتی ہے اور جو کوئی رسول کے لائے ہوئے دین سے کفر کرتا ہے، قطعاً دوزخی ہے۔

شفاعت مسفقین کی شرط

لیکن شفاعت دعا کا معاملہ اس سے کچھ مختلف ہے، اس سے فائدہ اٹھانا چند
شرطوں پر موقوف ہے اور راہ میں متعدد موانع بھی موجود ہیں۔ کفار کی نجات کیلئے شفا
دعا محض بے سود ہے اگرچہ شفیع کتنے ہی بڑے درجہ کا کیوں نہ ہو۔ مصلح اور پھر
ابراہیم خلیل سے بڑھ کر کون شفیع ہو سکتا ہے، لہذا کی شفاعت دعا کا کیا حشر ہوا؟
حضرت ابراہیم نے خود اپنے باپ کے حق میں دعا کی تھی۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِإِلَهِايَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ | اے رب! قیامت کے دن میری، میرے والدین کی
یَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (۱۸: ۲۸) اور مومنین کی مغفرت کر۔

پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جہاں محمد (ابراہیم) کی تقلید میں ابوطالب کی مغفرت کے
لئے دعا کرنا چاہی، نیز بعض مسلمانوں نے بھی اپنے کا فرشتہ داروں کیلئے ہی ارادہ
کیا، مگر خدا کی طرف سے ممانعت نازل ہوئی :

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ | نبی اور مومنین کی شان سے نہیں کہ مشرکین کے لئے
لِأَنَّهُمْ كُفَرُوا بِآيَاتِي وَلِيُقْبَلَ مِنْهُمْ | مغفرت چاہیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں جب
بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ | یہ معلوم ہو گیا کہ وہ جہنمی ہیں۔

(۳۰: ۱۱)

پھر ابراہیم کی دعا میں ان کا عذر بیان فرمایا :

مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا
عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ | ابراہیم کا اپنے باپ کے لئے استغفار صرف ایک عہد
تَحَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَأَ مِنْهُ | کی وجہ سے تھا جو انہوں نے اسی سے کو لیا تھا، پھر
جب انھیں ثابت ہو گیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَا وَآلَہٗ حَلِیْمٌ - (۳: ۱۱) | برارت ظاہر کردی، ابراہیم بڑی ہی خشیت علم والا ہے۔

صحیح بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جیلتی ابراہیم ابابہ "آذر" یوم القیامۃ علی وجہ قنطرة وغیرہ، فیقول لہ ابراہیم العاقل لک لا تعصنی، فیقول لہ ابوہ فالیوم لا اعصیک، فیقول ابراہیم یرب انت وعدتنی ان لا تخزینی یوم یبعثون، ویخری اخری من ابی الابد؟ فیقول اللہ عز

وجل "انی حرمت الجنة علی الکافرین" خم یقال انظر ما تحت رجلیک فینظر فاذا هو بذنخ متلخ فیؤخذ بقوائمہ فلیلقی فی النار" (ابراہیم قیامت میں اپنے باپ "آذر" سے اس حال میں ملیں گے کہ اُس کے چہرے پر اُسی اور خاک ہوگی۔ ابراہیم اس سے کہیں گے، میں نے تجھ سے نہ کہا تھا میری نافرمانی نہ کر، باپ جواب دیگا اچھا آج میں تمہاری نافرمانی نہیں کرتا، ابراہیم خدا سے عرض کریں گے: اے رب! تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے قیامت کے دن رسوا نہ کریگا، اس رسوائی سے بڑھ کر اور کون رسوائی ہوگی؟ خدا فرمائیگا میں نے جنت کافروں پر حرام کر دی ہے، پھر کہا جائیگا اپنے پیروں کے نیچے دیکھ، وہ دیکھیں گے کہ ایک لت پت بھیڑیا ہے، چنانچہ اسکی ٹانگیں پکڑی جائیں گی اور دونوں رخ میں ڈال دیا جائیگا)۔ پس ابراہیم علیہ السلام باوجود اپنے رشتے درجہ کے باپ کو نفع نہ پہنچا سکے کیونکہ شرک مرا تھا۔ قرآن میں ہے :

قَدْ کَانَ نَتْلُکُمْ اُسُوَّةً حَسَنَةً فِیْ اِبْرٰهِيْمَ
وَالَّذِیْنَ مَعَهُ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا
بِرَآءٍ مِنْکُمْ وَہُمْ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰہِ کُفَرْنَا بِکُمْ وَہُمْ یَبْیْنُوْنَ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ اَبَدًا حَتّٰی
تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ اِبْرٰهِيْمَ

ابراہیم اور انکے ساتھیوں میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے، جب انھوں نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور خدا کے سوا تمہارے معبودوں سے بری ہیں، ہم تم سے منکر ہو گئے اور ہمارے تمہارے درمیان عداوت و دشمنی شروع ہو گئی یہاں تک کہ اللہ واحد پر ایمان لے آؤ، پھر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا کہ میں تیرے لئے

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا تَسْتَغْفِرُونَ لَكَ وَمَا أَمَّلِكُ
لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْنَا
تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ
منفرت طلب کرونگا اگرچہ میں خدا کے مقابلہ میں تیرے
لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا، اسے ہمارے رب، ہم تجھی
پر توکل کرتے ہیں، تیری ہی طرف لوٹتے ہیں اور تیری
ہی طرف واپسی ہے۔ (۷۰: ۲۸)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین کو ابراہیمؑ اور انکے ساتھیوں کے نقش قدم پر
چلنے کی ہدایت کی ہے مگر انکے اُس وعدہ کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو انہوں نے اپنے باپ سے
استغفار کیلئے کر لیا تھا کیونکہ: إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ (خدا اسے معاف نہیں
کرے گا کہ اسکے ساتھ شرک کیا جائے)۔

سفر کی منفعت کے بارے میں سوال

یہی ماجرا سید الشفاء حضرت محمد صلعم کے ساتھ بھی گزرا، صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلعم
نے فرمایا: ”اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ اسْتَغْفِرَ لِي فَلَمْ يَأْذَنْ لِي وَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ اسْتَغْفِرَ لِي
قَبْرَهَا فَآذَنْ لِي“ (میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کیلئے استغفار کی اجازت چاہی تو نہ دی، قبر
کی زیارت کی اجازت مانگی تو دیدی)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی صلعم اپنی والدہ کی قبر
پر شریف لگئے، روئے اور رولایا پھر فرمایا: ”اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ اسْتَغْفِرَ لِي فَلَمْ
يَأْذَنْ لِي وَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ اسْتَغْفِرَ لِي فَزَوَّارُ الْقُبُورِ فَانْهَاطَتْ نَصْرًا
الْمَوْتَ“ (میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کیلئے استغفار کی اجازت چاہی تو نہ دی، قبر کی زیارت
کی اجازت مانگی تو دیدی، پس قبروں کی زیارت کرو کیونکہ وہ موت یاد دلاتی ہیں)۔ صحیح بخاری
میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرا آپ کہاں ہے؟
فرمایا: ”فِي النَّارِ“ (دونخ میں) وہ افسردہ ہو کر جانے لگا تو بلایا اور فرمایا: ”أَنْ ابْنِي دَابَاكُ
فِي النَّارِ“ (میرا اور تیرا (دونوں کے) باپ دونخ میں ہیں) نیز صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے
مروی ہے کہ جب آیت ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ (اپنے قریب ترین خاندان
کو ڈراؤ) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے قریش کو جمع کیا اور تمیم و تخیص کے ساتھ فرمایا:

سوال اللہ اور آپ کے والد

سوال اللہ کے شہید وار

یا بنی کعب بن لوی! انقذوا انفسکم من النار، یا بنی مرثد بن کعب! انقذوا انفسکم من النار، یا بنی عبد تمس! انقذوا انفسکم من النار، یا بنی عبد منات! انقذوا انفسکم من النار، یا بنی عبد المطلب! انقذوا انفسکم من النار، یا فاطمة! انقذی نفسک من النار، فانی لا املك لکم من الله شیئاً، (اے بنی کعب بن لوی! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی مرثد بن کعب! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی عبد تمس! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی عبد منات! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے بنی عبد المطلب! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، اے فاطمہ! اپنے کو دوزخ سے بچاؤ، کیونکہ میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا)۔ دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا: "یا معشر قریش! اشتروا انفسکم من الله فانی لا اغنی عنکم من الله شیئاً، یا بنی عبد المطلب! لا اغنی عنکم من الله شیئاً، یا عباس بن عبد المطلب! لا اغنی عنک من الله شیئاً، یا صفیة عمة رسول الله! لا اغنی عنک من الله شیئاً، یا فاطمة بنت رسول الله! سلینی من مالی ما شئت لا اغنی عنک من الله شیئاً، (اے قریش! اپنے کو خدا سے (خود) حسد یدلو کیونکہ میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، اے بنی عبد المطلب! میں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، اے عباس بن عبد المطلب! میں تیرے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں تیرے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، اے فاطمہ رسول اللہ کی بیٹی! میرے مال میں سے جو چاہ مانگ مگر خدا کے ہاں میں تیرے کچھ بھی کام نہ آؤں گا) حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب آیت "وَإِنْ تَرَوْهُ فَقَدْ جَاءَ مِنْكُمْ الْغُلَامُ" نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور فرمایا: "یا فاطمة بنت عبد المطلب، یا بنی عبد المطلب، لا املك لکم من الله شیئاً، سلونی من مالی ما شئت" (اے فاطمہ محمد کی بیٹی، اے صفیہ عبد المطلب کی بیٹی، اے اولاد عبد المطلب، میں خدا کے ہاں تمہارے کچھ بھی کام نہ آؤں گا، میرے مال میں سے جو چاہو مجھ سے مانگو)۔ ابو ہریرہؓ

کی روایت ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کھڑے ہوئے، غول
 (ملا غنیمت کی چوری) کا ذکر کیا اور اسکے معاملہ کو بہت اہمیت دیکر فرمایا: ”لا الفیت“
 احدکم یحییٰ یوم القیامۃ علی رقبته بعیر له رغاء، یقول یا رسول اللہ اغثنی،
 فاقول لا املك لك شیئاً قد ابلغتک! لا الفیت احدکم یحییٰ یوم القیامۃ
 علی رقبته فرس له محمۃ، فیقول یا رسول اللہ اغثنی، فاقول لا املك لك
 شیئاً قد ابلغتک! لا الفین احدکم یحییٰ یوم القیامۃ علی رقبته شاء لها
 ثغاء، فیقول یا رسول اللہ اغثنی، فاقول لا املك لك شیئاً قد ابلغتک! لا
 الفین احدکم یحییٰ یوم القیامۃ علی رقبته رقاخ تخفق، فیقول یا رسول اللہ اغثنی
 فاقول لا املك لك شیئاً قد ابلغتک! لا الفین احدکم یحییٰ یوم القیامۃ علی
 رقبته صامت، فیقول یا رسول اللہ اغثنی، فاقول لا املك لك شیئاً حد
 ابلغتک“ (تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتانے پاؤں کہ اسکی
 گردن پر بلبلاتا ہوا اونٹ ہو اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچائیے، اور میں جواب دوں
 کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی جتا چکا ہوں! تم میں سے کسی کو میں اس
 حالت میں قیامت کے دن آتانے پاؤں کہ اسکی گردن پر نہناتا ہوا گھوڑا ہو اور مجھ سے
 کہے یا رسول اللہ بچائیے اور میں جواب دوں کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی
 جتا چکا ہوں! تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتانے پاؤں کہ اسکی
 گردن پر میناتی ہوئی بکری ہو اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچائیے اور میں جواب دوں
 کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی جتا چکا ہوں، تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں
 قیامت کے دن آتانے پاؤں کہ اسکی گردن پر لہراتے ہوئے کپڑے ہوں اور مجھ سے کہے
 یا رسول اللہ بچائیے اور میں جواب دوں کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی جتا چکا ہوں!
 تم میں سے کسی کو میں اس حالت میں قیامت کے دن آتانے پاؤں کہ اسکی گردن پر نونا چاندی

لدا ہوا اور مجھ سے کہے یا رسول اللہ بچائیے اور میں جواب دوں کہ تیرے لئے میں کچھ نہیں کر سکتا، پہلے ہی جتا چکا ہوں!) یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ”لَا اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا“ ٹھیک اسی طرح فرمایا ہے جس طرح حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کے کہا تھا:

لَا سَخْفَ لَكَ وَمَا اَمْلِكُ لَكَ | میں تیرے لئے منفعت کی دعا کرونگا مگر خدا کے اہل
مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ - (۲۸: ۷۷) | کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔

رہی آپ کی شفاعت و دعا تو باتفاق تمام مسلمانوں کے نزدیک دین و دنیا میں مفید ہے۔ نیز اس پر بھی تمام مسلمان متفق ہیں کہ قیامت میں آپ کی شفاعت مومنین کیلئے ثواب کی زیادتی اور درجات کی بلندی کا سبب ہوگی۔ کہا جاتا ہے بعض بدعتی اسکے منکر ہیں۔ اسی طرح اپنی امت کے گنہگاروں کیلئے بھی آپ کی شفاعت پر جملہ صحابہؓ و تابعینؓ و ائمہؓ اربعہ اور تمام علمائے اسلام متفق ہیں، اگر اختلاف ہے تو بدعتی فرقوں خوارج و معتزلہ و زیدیہ کی طرف سے ہے جو اسکے منکر ہیں اور کہتے ہیں جو دوزخ میں داخل ہو گیا پھر اُسے نہ شفاعت نہ کوئی اور چیز باہر نکال سکتی ہے، کیونکہ شخص واحد میں ثواب عذاب جمع نہیں ہو سکتے، جو جنت میں گیا، دوزخ میں نہیں جاسکتا اور جو دوزخ میں گیا کبھی جنت میں نہیں آ سکتا۔ لیکن صحابہؓ، تابعینؓ، ائمہؓ اربعہ اور جملہ ائمہ اسلام کی رائے اسکے خلاف ہے، وہ وہی کہتے ہیں جو صحیح و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے لوگوں کو جہنم کا چاہیگا عذاب دیگا پھر بعض کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے اور بعض کو دوسرے کی شفاعت سے اور بعض کو بلا شفاعت دوزخ سے نکال لیگا۔

منکرین شفاعت مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں :

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا | اُس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کام نہ آئیگا نہ شفاعت
وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَمَلَةٌ وَلَا يُوْخَذُ مِنْهَا | قبول ہوگی نہ عوض منظور کیا جائیگا۔

هٰذَا - (۱: ۷۷)

دینا و آخرت میں اس کی شفاعت مفید ہے

انکار شفاعت قرآن سے

نہ کسی سے عوض قبول ہوگا نہ کسی کو شفاعت نفع
دیگی۔

اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے ہیں نہ خرید و دخت،
نہ دوستی ہے نہ شفاعت۔

ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ شفیع جس
کی بات سنی جائے۔

انہیں شفیعوں کی شفاعت نفع نہ پہنچائیگی۔

وَلَا يُعْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهُمْ
شَفَاعَةُ (۱۵: ۱)

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ بَيْنَهُمْ
وَلَا خَلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ (۲: ۳)

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَاجِمٍ وَلَا شَفِيعٍ
يُطَاعُ - (۷: ۲۳)

مَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (۱۶: ۲۹)

اہل سنت کا جواب یہ ہے کہ شاید اس سے دو چیزیں مراد ہیں :

(۱) یہ کہ شفاعت مشرکین کیلئے مفید نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا :

تہیں دوزخ میں کس نے پہنچایا ؟ کہیں گے ہم ہماری نہ
تھے، مسکین کو کھلاتے نہ تھے، بحث کر نیوالوں کے تھے
جو کہ بحث کرتے تھے، قیامت کو جھٹلاتے تھے، یہاں تک
کہ موت آپہنچی، پس انہیں شفیعوں کی شفاعت نفع نہ
پہنچائیگی۔

مَا سَأَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ؟ قَالُوا لَمْ نَلِكْ
مِنَ الْمُصَلِّينَ، وَكَمْ نَلِكْ نَظْمُ الْمُتَكَلِّفِينَ
وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ، وَكُنَّا
نُكَلِّبُ يَوْمَئِذٍ حَتَّىٰ أَتَانَا الْيَقِينُ
مَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ (۱۶: ۲۹)

پس انکے حق میں شفاعت کو اس بنا پر غیر مفید قرار دیا ہے کہ وہ کافر ہیں۔

(۲) اس سے اس شفاعت کا انکار مقصود ہے جسے مشرک اہل کتاب اور بدعتی مسلمان
ہیں کہ خدا کے اہل مخلوق کو یہ منصب حاصل ہے کہ بغیر اسکی اجازت کے شفاعت کرنے کی
جرات کرے جس طرح لوگ آپس میں ایک دوسرے کی سفارش کرتے اور کسی احتیاج یا خوف
یا لالچ کی وجہ سے قبول کر لیا کرتے ہیں۔ چنانچہ مشرکوں کا یہی حال تھا کہ خدا کو چھوڑ کر
فرشتوں، نبیوں اور صالحین کو شفیع قرار دیتے، انکی تصویریں اور بت بنا کر ان سے شفاعت
کی درخواستیں کرتے اور کہتے یہ خاصانِ خدا ہیں، ہم ان سے دعا کرتے اور انکی عبادت

کرتے ہیں تاکہ خوش ہو کر خدا کے ہاں ہمارا وسیلہ اور سفارشی بنیں، جس طرح بادشاہوں سے ان کے مقررہوں اور مصاحبوں کے ذریعہ سفارش کرائی جاتی ہے کیونکہ وہ غیروں سے زیادہ منہ چڑھے ہوتے اور بغیر اجازت بھی سفارش کر دیتے ہیں، جسے بادشاہ بسا اوقات کسی امید یا خوف کی وجہ سے بادلِ ناخواستہ بھی منظور کر لیتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسی شفاعت کی تردید کی :

بغیر اسکی اجازت کے کون شفاعت کریگا۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

(۲۰: ۳۰)

آسمانوں میں کتنے ہی فرشتے ہیں جنکی شفاعت کچھ بھی نہیں کر سکتی الا یہ کہ خدا جس کے لئے چاہے اور پسند کرے۔

وَكَمْ مِنْ مَّالِكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلَّا مِنْ بَعْدِهِ
أَنْ يَأْذَنَ اللَّهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى (۲۰: ۲۷)

انہوں نے کہا خدا کے لڑکا ہے، اپاک ہے وہ ذات بلکہ وہ عزت والے بنے ہیں، قول میں اسپریشیفری نہیں کرتے اور اسکے حکم پر عمل کرتے ہیں، وہ انکے آگے پیچھے کی سب باتیں جانتا ہے، وہ شفاعت نہیں کر سکتے مگر صرف اسکی جس کیلئے اسکی رضا ہو، اور وہ اس کے ڈر سے خائف ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحَانَ اللَّهِ بَلْ عِبَادٌ مُشْكُرُونَ لَا يُسْبِقُونَهُ
يَا نَقُولُ وَهُمْ يَأْمُرُهُمْ يُعْلَمُونَ يَتْلُو مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَنْفَعُونَ إِلَّا لِلَّذِينَ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ - (۲۰: ۱۷)

کہہ دے کہ ان لوگوں کو پکارو جو خدا کے علاوہ تمہارے خیال میں ہیں، وہ آسمانوں میں یا زمین میں ایک ذرہ کی بھی ملکیت نہیں رکھتے اور نہ انکی کوئی شرکت ہے اور نہ انہیں سے کوئی خدا کا مددگار ہے، اسکے حضور اسی کی شفاعت کام دیگی جسے وہ اجازت دیدے۔

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكَ وَلَا فِي مَالِهِمْ مِنْ ظَهِيرٍ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ - (۹: ۲۲)

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

خدا کو چھوڑ کر وہ ایسوں کی عبادت کرتے ہیں نہ انھیں
تفصیل پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں یہ خدا کے ان
ہمارے شفیع ہیں، اسے نبی پوچھ کیا تم اللہ کو ایسی بات
بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے
نہ زمین میں، پاک ہے وہ اور بلند ہے ان چیزوں سے
جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔

اس سے انھیں ڈرا جو خوفزدہ ہیں کہ اپنے رب کی طرف
جمع کئے جائیں گے کہ جسکے سوا نہ ان کا کوئی دوست ہے
نہ شفیع، شاید وہ ڈریں۔

وہ اللہ ہی ہے جس نے آسمان و زمین اور انکے امین
کی تمام چیزوں کو چھ دن میں بنایا پھر عرش پر تلم
ہوا، اسکے علاوہ نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ شفیع
کیا اب بھی نصیحت نہ پکڑو گے؟

جنہیں وہ خدا کے علاوہ پکارتے ہیں انھیں شفاعت کا
اختیار نہیں مگر وہ جس نے حق کی شہادت دی اور وہ
جانتے ہیں۔

تم ہمارے پاس تن تنہا آگئے جس طرح ہم نے تمہیں
شروع میں پیدا کیا تھا اور وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ
آئے جو ہم نے تمہیں بخشا تھا، ہم تمہارے ساتھ
تمہارے شفیعوں کو نہیں دیکھتے جنہیں تم سمجھا کرتے
تھے کہ وہ تم میں (ہمارے) شریک ہیں، تمہارے

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا
يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَيَظُنُّونَ
أَنَّهُمْ لَا يَرْشَعُونَ وَنَا عِندَ اللَّهِ
مَثَلُ الَّذِينَ يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَمَا لَا يَعْلَمُونَ
فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ
وَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ - (۷: ۱۱)

وَأَنذَرِيهِ الَّذِينَ يَخْفَوْنَ أَنَّ
يُحْشَرُوا إِلَى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ
دُونِهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ - (۷: ۱۱)

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَ
مَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى
عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ
وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ - (۱۳: ۲۱)

وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ
الشفاعة إلا من شهد بالحق وهم
يَعْلَمُونَ - (۱۳: ۲۵)

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَى كَمَا خَلَقْنَاكُمْ
أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَا
كُمْ وَرَأَوْا ظُهُورَكُمْ وَمَا نَرَى
مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمْ كَمَا الَّذِينَ
رَعَيْنَا أَنَّهُمْ فِيكُمْ مُشْرِكُونَ

رشتہ بالکل ٹوٹ گیا اور وہ سب تم سے گم ہو گیا جسے تم سمجھے بیٹھے تھے۔

کیا انھوں نے خدا کے سوا شفیع ٹھہرائے ہیں؟ اے رسول! پوچھ اگرچہ وہ کچھ بھی اختیار اور سمجھ نہ رکھتے ہوں (جب بھی انھیں شفیع سمجھتے رہو گے؟) کہ دے تمام شفاعت مرث اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے آسمان زمین اُسی کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے جب اللہ واحد کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل بدمزہ ہو جاتے ہیں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور جب ماسوا کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش و خرم ہو جاتے ہیں۔

تمام آدازیں (ہدیت) رحمن سے پست ہو گئیں اور کبیر پھسپھساہٹ کے کچھ سنا نہیں جاتا، اُس دن شفاعت مفید نہ ہوگی مگر صرف اکی جہیں رحمن اجازت دے اور بولنے کی رضا بخشنے۔

میں کیوں نہ اس ذات کی عبادت کروں جسے مجھے پیدا کیا اور جسکی طرف تم لوٹائے جاؤ گے؟ کیا میں اُس کے سوا ایسے معبود ڈھیلوں کہ اگر خدا مجھے نقصان پہنچانا چاہے تو انکی شفاعت کچھ بھی مفید نہ ہو اور نہ وہ مجھے بچا سکیں، اگر میں ایسا کروں تو مرتد گمراہی میں ہوں میں تمھارے رب پر ایمان لے آیا پس میری بات

سنو۔

لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَمَلَ عَنكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ۔ (۱۴ : ۶)

أَمْ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ شُفَعَاءَ، قُلْ أَدُّوْا كَلِمَاتِي لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ، قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا، لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ، وَإِذَا دُكِرَ اللَّهُ وَحْدًا اشْتَعَزَتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَإِذَا دُكِرَ الَّذِينَ مِن دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ۔ (۲۰ : ۲۴)

وَحَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَنَاءً يَوْمَئِذٍ لَا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ (۱۵ : ۱۶)

وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ، أَمْ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً إِن يَرُدُّنَ الرَّحْمَنُ بِضُرِّهِ لَا تُغْنِي عَنْهُمْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا يُنْفَعِدُونَ، إِنِّي إِذَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ، إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَأَنْتُمْ مُنْعَمُونَ۔ (۱۰ : ۲۳)

اللہ رسول نے شفاعت کی تردید کی ہے؟

پس اس قسم کی شفاعت جسکے مشرک قائل تھے اور ملائکہ و انبیاء و صالحین کو اسکا اہل سمجھتے تھے، یہاں تک کہ انکے بت گھر طے اور کہا انکے بتوں سے سفارش کی التجا، خود انھیں سے التجا ہے، نیز انکی قبروں پر گئے اور کہا ہم ان سے مرنے کے بعد بھی شفاعت چاہتے ہیں تاکہ خدا سے ہماری سفارش کریں، نیز انکی تصویریں بنائیں اور پرستش کرنے لگے۔ لیکن خدا اور اسکے رسول نے ایسی شفاعت کی تردید کر دی ہے اور اسکے اعتقاد پر مشرکین کی مذمت و تکفیر کی ہے، چنانچہ قوم نوح کی یہ حالت بیان کی ہے :

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَا آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَا
وَدًّا وَلَا سُوْعًا وَلَا يُغْنُوْا
يَعُوْثَ وَنَسْرًا وَقَدْ اٰصَلُوْا كَثِيْرًا ۝
(۱۰: ۲۹)

کھنسن گئے اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا اور نہ مذکورہ سوانع کو نہ بیوقوف اور نہ یعوق و نسر کو چھوڑنا، اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا ہے۔

قبروں کی تعظیم بت پرستی کی بنیاد ہے

ابن عباس وغیرہ کا قول ہے کہ یہ قوم نوح میں صالح لوگ تھے، جب مرے تو قوم انکی قبروں پر جھک پڑی پھر انکے بت بنائے اور پرستش شروع کر دی۔ یہ تفسیر کتب حدیث (بخاری وغیرہ) و تفسیر میں مشہور ہے۔ اس طرح کی شفاعت کی نبی صلم نے تردید اور سختی کر دی ہے حتیٰ کہ ان لوگوں پر لعنت کی ہے جنھوں نے انبیاء و صالحین کی قبروں کو مسجد قرار دیکر انمیں نماز پڑھی، اگرچہ نماز پڑھنے والا ان سے شفاعت نہ بھی چاہتا ہو، قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے بھی منع فرمایا ہے اور حضرت علیؑ کو خاص اسلئے روانہ کیا کہ جو قبر بھی اُدبھی ملجائے اُسے برابر کر دیں اور جو بت بھی ملے اُسے مٹا دیں۔ نیز مصوروں پر بھی لعنت کی ہے ابوالہیاج اسدیؒ سے مروی ہے کہ حضرت علیؑ (علیہ السلام) نے مجھ سے فرمایا : اِنِّیْ لَا بَعْثُ

بتوں کا توڑنا اور قبر و بتوں کا برابر کرنا

عَلٰی مَا بَعَثَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَلَا تَمَسُّہُ وَلَا تَقْبِرُ اَمْشَرَفَا اَلَا سَوِیْتُہٗ (وفی لفظ) وَلَا صُوْرَۃً اَلَا تَمَسُّہَا (میں تجھے اُس کام پر بھیجتا ہوں سپر رسول اللہ نے مجھے بھیجا تھا کہ کوئی بت بغیر مٹائے نہ چھوڑیو اور نہ کوئی قبر بغیر برابر کئے اور ایک رُودا میں ہے) نہ کوئی تصویر بغیر محو کئے۔ مسلم)۔

باب (۱)

لفظ ”توسل“ سے کبھی تین معنی مراد لئے جاتے ہیں جنہیں دو تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہیں، چنانچہ پہلا تو ایمان و اسلام کی بنیاد ہے یعنی نبی صلعم پر ایمان اور آپ کی اطاعت کے ذریعہ وسیلہ چاہنا۔ اور دوسرا معنی یہ ہے کہ آپ کی دعا و شفاعت، اور یہ بھی نافع ہے۔ چنانچہ جن کے حق میں آپ نے دعا و شفاعت کی وہ با اتفاق مسلمین اُس سے وسیلہ حاصل کریں گے۔ وسیلہ کی ان دونوں صورتوں کا جو انکار کرے کافر و مرتد ہے، اُس سے توبہ کرائی جائے، اگر نہ کرے قتل کر ڈالا جائے۔ کیونکہ ایمان و اطاعت کے ذریعہ توسل دین کی بنیاد ہے اور کسی مسلمان سے بھی عام اس سے کہ عالم ہو یا جاہل غفی نہیں۔ پس جو کوئی اس سے انکار کرتا ہے صریح طو پر کافر ہے۔ رہی آپ کی دعا و شفاعت اور مسلمانوں کا اس سے مستفید ہونا تو اس کا بھی انکار کفر ہے، لیکن یہ بات پہلی بات سے زیادہ باریک ہے، اسلئے اسکے منکر کو اگر جہالت کا شکا ہے واقف کرنا چاہئے، اگر برا انکار کرتا ہے تو مرتد سمجھنا چاہئے۔

دنیا میں آپ کی دعا و شفاعت کے مفید ہونے سے کسی اہل قبلہ نے انکار نہیں کیا۔ رہی قیامت کے دن شفاعت تو اہل سنت و جماعت یعنی صحابہؓ و تابعینؓ، ائمہ اربعہ اور جملہ علمائے اسلام کا مسلک یہی ہے کہ قیامت کے دن آپ کی ایک ہی شفاعت نہیں بلکہ متعدد شفاعتیں ہونگی جن میں بعض عام ہونگی اور بعض خاص، اور یہ کہ آپ اپنی اترشکے اُن اہل کبار کی بھی شفاعت کریں گے جن کیلئے خدا اجازت دیگا، اور یہ کہ آپ کی شفاعت سے صرف موقدر ہی مستفید ہونگے، مشرکین کو کوئی فائدہ نہ پہنچے گا اگرچہ وہ آپ سے کتنی ہی محبت رکھتے ہوں اور آپ کی کتنی ہی عزت کرتے ہوں، آپ کی شفاعت انھیں ہرگز دوزخ سے نجات نہ دلا سکیگی۔ البتہ جو چیز جہنم سے بچا سکتی ہے وہ توحید اور آپ پر ایمان ہے۔ اسی بنا پر

”توسل“ کے معنی: ایمان و دعا

نجات کا مدار توحید پر ہے

ابو طالب وغیرہ آپؐ کی محبت کر نیوالے مشرک آپؐ کی شفاعت یا کسی اور ذریعہ سے نجات نہ پاسکیں گے کیونکہ آپؐ کی لائی ہوئی توحید کے قائل نہ تھے۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ”ای الناس اسعد بشفاعتک یوم القیامۃ؟“ (قیامت میں آپؐ کی شفاعت سے سب سے زیادہ خوش بخت کون ہوگا؟) فرمایا: اسعد الناس بشفاعتی یوم القیامۃ من قال لا الہ الا اللہ خالصاً من قلبہ“ (قیامت میں میری شفاعت سے سب سے زیادہ خوش بخت وہ ہوگا جس نے ”خلوص قلب“ سے لا الہ الا اللہ کہا) نیز مسلم میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ فرمایا: لکل نبی دعوة مستجابة تتجمل کل نبی دعوتہ وانی اختبأت دعوتی شفاعۃ یوم القیامۃ فہی نائلیۃ ان شاء اللہ تعالیٰ من مات من امتی لا یشترک باللہ شیئاً“ (ہر نبی کیلئے ایک مقبول دعا ہوتی ہے، ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی، لیکن میں نے اپنی دعا چھپا رکھی ہے کہ قیامت میں شفاعت ہو، اور وہ انشاء اللہ ہر اُس شخص کے شامل حال ہوگی جو میری امت میں سے اس حال میں مرا کہ خدا کے ساتھ کسی کو بھی ”شریک نہیں کرتا) یسن میں عون بن مالک سے مروی ہے کہ فرمایا: اتانی آت من عند ربی فخر فی بین ان یدخل نصف امتی الجنة و بین الشفاعۃ، فاخترت الشفاعۃ وھی لمن مات لا یشترک باللہ شیئاً ۴ (میرے رب کے پاس سے ایک آنیوالا آیا اور مجھے اختیار دیا کہ یا اپنی نصف امت کا جنت میں داخل ہونا قبول کروں اور یا شفاعت رکھوں، میں نے شفاعت منتخب کی جو ہر اُس شخص کیلئے ہے جو خدا کے ساتھ ”کسی چیز کو بھی شریک نہیں کرتا)۔

یہ ہے بنیاد اُس دین کی جسکے سوا اور کوئی دین اللہ تعالیٰ کو قبول نہیں، ایسی دعا دعوت و قیام کیلئے اُس نے بنی بھیجے اور اسی کے دوام و استقام کیلئے آسمانی کتابیں تاریں:

وَاَمَّا مَنۢ مِّنۡکُمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنْ قَبۡلِکَ
 اٰتٰیہٗ سُلٰتٰتٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ لَعَلَّہٗ یَتَّقِیٰ
 اٰتٰیہٗ سُلٰتٰتٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ لَعَلَّہٗ یَتَّقِیٰ
 اٰتٰیہٗ سُلٰتٰتٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ لَعَلَّہٗ یَتَّقِیٰ

اپنے پہلے کے رسولوں سے پوچھو کیا ہم نے جن کے ملانے اور معبود قرار دئے جن کی پوجہ کی

وَقَدْ اَرْسَلۡنَا مِنْ قَبۡلِکَ
 رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِکَ
 اٰتٰیہٗ سُلٰتٰتٍ مِّنۡ رَّبِّہٖ لَعَلَّہٗ یَتَّقِیٰ

جائے۔

تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجا اُس پر ضرور وحی کی کہ بجز میرے کوئی معبود نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو۔

اَلِهَۃٌ يُعْبَدُوْنَ (۱۰:۲۵)

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ - (۲:۱۷)

ہر قوم میں ہم نے ایک نہ ایک رسول (اس دعوت کے ساتھ) بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو، شیطان سے دور رہو، ان میں سے کسی کو خدا نے ہدایت دی اور کسی پر گمراہی لگ گئی۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَيَنْهٰهُمْ عَنْ هٰدٰى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الصَّلٰةُ - (۱۱:۱۷)

ہر رسول کی دعوت کا آغاز اس سے ہوتا تھا :

اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارے لئے کوئی معبود نہیں۔

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهُ (۱۵:۸، ۱۶:۱۷، ۱۷:۱۸)

مسند میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ نبی صلیم نے فرمایا: ”بعثت بالسیف بین

یَدِی السَّاعَةِ حَتّٰی یُعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَجَعَلَ رِزْقِیْ تَحْتَ ظِلِّ رِجْلِی

وَجَعَلَ الذِّلَّ وَالصَّغَارَ عَلٰی مَنْ خَالَفَ اَمْرِیْ وَمَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ“

میں قیامت کے قریب تلوار دیکر بھیجا گیا ہوں تاکہ سب اللہ و وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کریں میرا رزق میرے نیزہ کے زیر سایہ کیا گیا اور میرے مخالف پر ذلت و خواری کر دی گئی، جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے اُسی میں سے ہے۔

قریش وغیرہ مشرکین جنکے شرک کی شہادت قرآن نے دی اور جنکے مال و متاع انہوں اور اولاد کو نبی صلیم نے مباح کیا اور جنہیں دوزخ کا حکم لگایا، سب کے سب قائل تھے کہ ایک اکیلے اللہ ہی نے آسمان و زمین پیدا کئے ہیں :

وَلَیْسَ جِوَارِہُمْ مِّنْ نَّزْلِ السَّمٰوٰتِ | اگر ان سے پوچھو گے کہ کس نے پانی اُتارا اور زمین کو

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَیْسَ بِاِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ وَہُمْ یُشْرِکُوْنَ

اُسکی موت کے بعد کس نے زندہ کیا؟ کہدینگے خدا نے
کو تمام تائش اللہ ہی کیلئے ہے لیکن انہیں سے اکثر
نہیں سمجھتے -

اگر اُن سے پوچھو گے آسمان زمین کس نے پیدا کئے اور
سورج چاند کس نے مسخر کئے؟ کہدینگے خدا نے، پھر
کہاں بھٹکتے ہیں -

پوچھ اگر جاننے ہو تو بناؤ زمین اور اُسکی سب چیزیں کس
کی ہیں؟ کہدینگے اللہ کی، کہو کیا پھر بھی نہ سمجھو گے؟
پوچھ ہفت آسمان اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ کہدینگے
اللہ، کہو کیا پھر بھی نہیں ڈرتے؟ پوچھ اگر جاننے
ہو تو بتاؤ کس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے، وہ
پناہ دیتا ہے اور اُسکے مقابلہ میں پناہ نہیں دیکھتی؟
کہدینگے وہ خدا ہے، کہہ پھر کہاں بھٹکتے ہو؟ بلکہ
ہم نے ان کے سامنے حق رکھ دیا ہے اور وہ بھوٹے
ہیں، خدا نے نہ کوئی لڑکا ٹھیرایا اور نہ اس کے ساتھ
کوئی معبود ہے (اور اگر ہوتا) تو ہر معبود اپنی مخلوق
الگ کر لیتا اور ایک دوسرے پر سرکشی کرتا، پاک
ہے خدا اُس سب سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں

مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا
لِيَقُولَ اللَّهُ، قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ
أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ - (۲: ۲۱)

وَالَّذِينَ سَاءَ لَهُمْ مِمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لِيَقُولَ اللَّهُ، تَأْتِي يَوْمَ قُوتُونَ - (۲: ۲۱)

قُلْ لِمَنِ الْأَرْضُ وَمَنْ فِيهَا إِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُونَ، سَيَقُولُونَ لِلَّهِ، قُلْ أَفَلَا
تَذَكَّرُونَ، قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ
وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ، سَيَقُولُونَ لِلَّهِ،
قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ، قُلْ مَنْ يَبْدِئُ مَلَكُوتَ
كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُعْجِبُ وَلَا يُجَادُّ عَظِيمُ إِنْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ، سَيَقُولُونَ لِلَّهِ، قُلْ
فَأَنَّى تُسْحَرُونَ، بَلْ آتَيْنَاهُم بِالْحَقِّ وَ
إِنَّمَا تَكْفُرُونَ، مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ
دَلِيلٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا أَذَانَ
الْكَذِبَ، كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَّ بَعْضُهُمْ
عَلَى بَعْضٍ، يُسَبِّحُ اللَّهَ عَمَّا يُصِفُونَ -
(۵: ۱۸)

اور جن مشرکین نے خدا کے ساتھ اور معبود بنائے تھے وہ بھی مقرر تھے کہ اُن کے یہ
معبود مخلوق ہیں، انکی عبادت سے مقصود صرف تقرب الی اللہ اور اُسکی جناب میں انکی شفاعت

سے مستفید ہونا ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے :

خدا کو چھوڑ کر وہ ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے ہیں یہ خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہیں، اے نبیؐ! پوچھ : کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں، پاک ہے وہ اور بلند ہے اُن چیزوں سے جنہیں وہ شریک بناتے ہیں۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلاَ يَضُرُّهُمْ وَلاَ يَنْفَعُهُمْ وَلاَ يَضُرُّهُمْ هَؤُلَاءِ شُفَعَاءُ اللَّهِ، قُلْ أَتَسْتَعِينُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلاَ فِي الْأَرْضِ بِشَيْءٍ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ - (۱۱ : ۷)

ہم نے تجھ پر قرآن حق کے ساتھ اُتارا ہے پس اللہ کی عبادت کر اسی کیلئے خالص کہ عبادت، خردوار مرنے اللہ ہی کیلئے عبادت خالص رہے، اور جنہوں نے اسکے سوا یا مردگار ٹھہرا لئے ہیں (کہتے ہیں) ہم مرنے اسلئے اٹکی عبادت کرتے ہیں کہ ہمیں خدا سے قریب کر دیں، خدا اٹکے اختلافات میں ان کا فیصلہ کر دیگا، خدا جھوٹے کافر کو راہ راست نہیں دکھاتا۔

تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ، أَلِلَّهِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى، إِنْ أَلَّ اللَّهُ يَحْكَمْ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ، إِنْ أَلَّ اللَّهُ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ - (۲۳ : ۱۵)

ان مشرکین کی تلبیہ (رج وغیرہ میں لتیک کہنا) یہ تھی : لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ
اَلَا شَرِيكَاهُ لَكَ، تَمْلِكُهُ دَمَا مَلِكٌ (حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں بجز ایک شریک کے جو تیرا پنا ہے، تو اسکا اور اسکی ملکیت کا مالک ہے)۔

پھر خدا نے ایک مثل میں سمجھایا ہے :

تمہارے لئے خود تمہارے نفسوں ہی سے ایک مثال دی ہے، کیا تمہارے رزق میں تمہارے غلام شریک ہیں

فَضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِنْ أَنْفُسِكُمْ، هَلْ لَكُمْ مِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَاءَ

اور تم سب اسمیں برابر ہو، ڈرتے ہو ان سے ویسا ہی
جب آپس میں ایک دوسرے سے ڈرتے ہو؟ واناؤں
کیلئے ہم اسی طرح آیتیں صاف بیان کرتے ہیں،
لیکن ظالموں نے بغیر علم کے اپنی خواہشات کی پیروی
کی ہے، پس اُسے کون ہدایت کر سکتا ہے جسے خدا
نے گمراہ کیا ہے اور نہ اُن کیلئے مددگار ہیں، پس تو
ہر طرف سے مددِ کربادت کے لئے سیدھا متوجہ ہو جا،
فطرت اللہ کی کہ جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ
کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی دینِ درست ہے
لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، اسی کی طرف 'جوع' کرنے
والے ہو اسی سے ڈرو، نماز قائم کرو اور مشرکوں میں
سے نہ ہو، انہیں سے جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے
ٹکڑے کیا اور فرقہ فرقہ ہو گئے کہ ہر فرقہ اپنی چیز کو
پر خوش ہے۔

فِي مَا رَزَقْنَكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ
تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتَكُمْ أَنْفُسُكُمْ كَذَلِكَ
نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ
بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ
بِغَيْرِ عِلْمٍ قَسِيٍّ يَجْهَدِي مَنْ أَحْتَلَّ اللَّهُ
وَمَا لَهُمْ مِنْ تَحْسِينٍ، فَأَنِمْ
وَجَعَلْنَا لِلَّذِينَ حَنِفُوا فِطْرَتَ اللَّهِ
الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ
لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ، وَ
لَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ
مُذِيبِينَ إِلَيْهِ وَتَقْوَاهُ وَاقِيمُوا
الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ
مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا
شِيْعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ

(۴: ۲۱)

اس مثل میں خدا نے بتایا ہے کہ جب تم اپنے غلاموں کو اپنا شریک بنانا پسند نہیں
کرتے تو خدا کے غلاموں اور بندوں کو اُسکی خدائی میں کیوں شریک کرتے اور کس بنا پر
اسے پسند کرتے ہو؟

جن مشرکین کو اللہ اور رسولؐ نے مشرک قرار دیا ہے، اصل میں دو قسم کے تھے :
توم نوح اور توم ابراہیم - توم نوح کا شرک اس طرح شروع ہوا کہ صالحین کی قبروں پر

لے مسلمان نور کریں انکی کیا حالت ہے؟ اہلس کلم خداوندی کے کہا تک پابند ہیں؟ (مترجم)

جھکے پھر انکی تصویریں اور بت بنائے، پھر عبادت کرنے لگے۔ قوم ابراہیم کے شرک کی بنیاد ستاروں، سورج اور چاند کی پرستش سے بڑی۔ دونو گروہ جنوں کی عبادت کرتے ہیں، شیاطین اُن سے کبھی گفتگو کرتے اور بعض معاملات میں انکی مدد بھی کرتے ہیں۔ وہ کبھی سمجھتے ہیں کہ فرشتوں کی عبادت کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ وہ جنوں کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ جن ہی انکی اعانت کرتے اور ان کا شرک پسند کر سکتے ہیں :

فرشتوں اور جنوں کی پرستش

اور جب وہ ان سب کو جمع کر لگا پھر فرشتوں سے پوچھے
 وَ يَوْمَ يَخْتَصِمُهُمْ بِصِغَرٍ اَعْمَ يَقُولُ لَيْلًا لَّيْلَةً
 اَهُلَاكُمْ اَيَّاكُمْ كَا نُوْا يَعْبُدُوْنَ
 قَا نُوْا سُجَّدًا لِّاَنْتَ وَلَيْتَا مِمَّنْ
 دَرَبْنٰمْ بَلْ كَا نُوْا يَعْبُدُوْنَ اِلٰهَ اِلٰهٍ اَلَا لَكُمْ
 بِهِمْ مَثُوْمٌ مِّنْكُمْ - (۱۱:۷۲)

اور جب وہ ان سب کو جمع کر لگا پھر فرشتوں سے پوچھے
 اُن کا کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت کرتے تھے؟ وہ کہیں گے
 پاک ہے تو اسے خدا، تو ہی انکے سوا ہمارا مددگار ہے
 بلکہ وہ جن کی عبادت کرتے تھے انہیں سے اکثر جنوں
 پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

ظالمو شرک میں کسی کی مدد نہیں کرتے نہ زندگی میں نہ موت میں اور نہ اسے پسند کر سکتے
 ہیں۔ ہاں شیاطین کبھی انکی مدد کرتے اور آدمیوں کے روپ میں انہیں دکھائی دیتے ہیں،
 چنانچہ وہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، پھر کبھی کوئی شیطان اُن سے کہتا ہے میں
 ابراہیم ہوں، مسیح ہوں، محمد ہوں، خضر ہوں، ابو بکر، عمر، عثمان، علی، یا فلاں شیخ طریقت
 ہوں۔ اور کبھی ایک دوسرے کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ یہ فلاں نبی، فلاں شیخ یا خضر ہے، حالانکہ
 وہ سب کے سب جن ہی ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی گواہی دیتے ہیں۔ جن بھی انسان
 کی طرح ہیں، بعض کافر ہیں، بعض فاسق ہیں، گنہگار ہیں، سرکش ہیں، جاہل عبادت گزار
 ہیں۔ انہیں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو کسی شیخ سے محبت کرنے لگتے ہیں، اسکی صورت اختیار
 کر لیتے ہیں اور بیابانوں میں دکھائی دیتے ہیں، آنے جانے والوں کو کھانا پانی دیتے، راستہ
 بتاتے اور ہونے والے واقعات کی خبر دیتے ہیں۔ دیکھنے والا دھوکہ کھا جاتا اور یقین کر لیتا
 ہے کہ اسنے فلاں مردہ یا زندہ شیخ کو دیکھا ہے۔ حالانکہ وہ محض ایک جن اور شیطان ہوتا ہے

فرشتوں اور شیطانوں میں فرق

کیونکہ فرشتے شرک، بہتان، گناہ اور ظلم میں کسی کی مدد نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَادِّخَالَكُمْ فِي نَجْوَىٰ ۖ اُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَذَّبُونَ ۚ يَبْتَغُونَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ ۙ اَتَاهُمْ اَقْرَبُ وَيُخَوِّجُوْنَ رَحْمَتَهُ وَيَخْفَوْنَ ۚ عَذَابُهُ ۙ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ حَقًّا وَّوَدًّا- (۶:۱۵)

کہہ دے ان لوگوں کو پکار جنہیں تم خدا کے علاوہ خیال کئے بیٹھے ہو، وہ تم سے مصیبت اٹھا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں، جنہیں یہ پکارتے ہیں خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ دھونڈتے ہیں کونسا انہیں سے زیادہ نزدیک ہے اور اُسکی رحمت کی امید کرتے اور اُسکے عذاب سے ڈرتے ہیں، تیرے رب کا عذاب ضرور ڈرنے کے لائق ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک جماعت سلف کا قول ہے کہ بعض قومیں ملائکہ اور انبیاء مثلاً عزیر و یسوع کو پکارتی تھیں، اسپر خدا نے فرمایا کہ ملائکہ و انبیاء بھی خدا کے اُسی طرح بندے اور اُسکی رحمت کے اُسی طرح خواستگار اور اُسکے عذاب کے اُسی طرح لرزاں و ترساں ہیں جس طرح تم خود ہو، پھر خدا کو چھوڑ کر کیوں اُنسے معاملہ رکھتے ہو؛

شرکین کا اپنے شرک سے انکار

یہ مشرک کبھی کہتے ہیں ہم ملائکہ و انبیاء کی پوجا نہیں کرتے بلکہ تعریف و تقدیس کے ذریعہ سے اُن سے شفاعت چاہتے ہیں اور اسی غرض سے انکی قبروں پر جاتے ہیں، رہیں تصویریں اور بت تو ان سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ ان برگزیدہ ہستیوں اور اُن کے کارناموں کی یاد قائم و برقرار رہے، ہم تصویروں اور بتوں سے خطاب نہیں کرتے بلکہ دراصل اُن بندگان سے خطاب کرتے ہیں جنکے یہ بت اور تصویریں ہیں۔ چنانچہ یہ مشرک ان کے سامنے جھکتے اور التجائیں کرتے ہیں کہ: اے شیخ فلاں، اے پیر فلاں، اے بطرس حواری، اے نیک مریم، اے سیدی ابراہیم خلیل اللہ، اے موسیٰ کلیم اللہ، (وغیرہم) اپنے رب سے میری سفارش کیجئے، میری مغفرت کی دعا کیجئے۔ کبھی قبروں سے بھی جا کر اسی طرح کی فرمائشیں کرتے یا زندہ آدمیوں کو انکی عدم موجودگی میں اس طرح مخاطب کر کے باتیں شروع

قبروں، بتوں اور تصویروں کا مخاطب کرنا

کر دیتے ہیں گویا وہ موجود ہیں اور انکی سنتے ہیں۔ پھر مدحیہ تصیدے پڑھتے ہیں جنمیں ہوتا ہے: اے میرے آقا! میں تیرے زیر سایہ ہوں، تیری پناہ میں ہوں، خدا سے میری سفارش کیجے، دعا کیجے کہ ہمیں دشمن پر فتح حاصل ہو، مصیبت دور ہو، تجھی سے میرا سوال ہے، تجھی سے میرا شکوہ ہے، اپنے غلام کو محروم نہ ٹوٹا، انمیں بعض ایسے بھی ہیں جو اپنے شرک کیلئے خود قرآن سے دلیل لاتے ہیں! چنانچہ کہتے ہیں:

دَلَّوْا اَنْهُمْ اِذْ قَالُوْا اَنْفُسُهُمْ	جب انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اگر تیرے پاس آتے
جَادُّوْكَ فَاسْتَغْفِرُوْا اللّٰهَ وَاسْتَغْفِرْ	اور اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول اُن کے لئے
لَهُمُ الرَّسُوْلُ كُوْبَدُ وَاللّٰهُ تَوَّابًا	مغفرت کی درخواست کرتا تو البتہ خدا کو معاف کرنیوالا
رَحِيْمًا۔ (۶:۵)	اور رحیم پاتے۔

کے مطابق ہم رسول اللہ سے دعائے مغفرت چاہتے اور اس طرح صحابہ کی حیثیت میں ہو جاتے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ وہ زندگی میں درخواست کرتے تھے اور ہم وفات کے بعد کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر غلط اور تمام صحابہ و تابعین و ائمہ اسلام کے اجماع کے قطعی خلاف ہے، انمیں سے کسی ایک نے بھی نبی صلعم سے وصال کے بعد کوئی درخواست نہیں کی نہ شفاعت کی نہ کسی اور چیز کی، اور نہ ائمہ اسلام میں سے کسی نے اپنی کتابوں میں اسکا ذکر کیا ہے، البتہ بعض متاخرین فقہاء نے امام مالک سے ایک جھوٹی حکایت نقل کی ہے جیسا کہ آئندہ مفصل بیان ہوگا۔

لے یہ باتیں مرنے والوں ہی نہیں کرتے جو جہالت کا عذر رکھتے ہیں بلکہ ”علماء دین“ بھی اپنے خود ساختہ شرعی جامے پہنکر کرتے ہیں، چنانچہ ہندوستان کے ایک مستند عالم نے خلافت کی تحریک کے دوران میں تحریک کی تھی کہ علماء و مشائخ کا ایک وفد اجیر جائے اور خواجہ صاحب سے فریاد کئے۔ ظاہر ہے کہ جب خود علماء اس شرک میں مبتلا ہیں تو عوام کی ہدایت کس قدر مشکل ہے، بہ ضرورت ہے جلد مسلمان علماء سودے کے پنجے سے نکال لئے جائیں تاکہ اُن کا غلط نمونہ اور گمراہی کا فتنہ باقی نہ رہے۔ (مترجم)

پس ملائکہ و انبیاء و صالحین سے انکی وفات کے بعد اس طرح کا خطاب عام اس سے کہ انکی قبروں کے واسطے ہو یا انکی غیر موجودگی میں ہو یا انکے بُتوں اور تصویروں کے سامنے ہو، مشرکین، بدعتی اہل کتاب اور بدعتی اہل اسلام کا ایک عظیم ترین شرک ہے کہ جنہوں نے بغیر خداوند تعالیٰ کی رضامندی و اجازت کے طرح طرح کے شرک اور طرح طرح کی عبادتیں ایک یاد کر لی ہیں۔ قرآن میں ہے :

کيا انکے اپنے شریک ہیں جنہوں نے ان کیلئے دین میں کچھ ایسا خدا ان کیلئے مقرر کیا ہے جسکی خدا نے اجازت نہیں دی۔	أَمْ لَكُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ- (۴: ۲۵)
--	--

پس ملائکہ و انبیاء سے انکی موت کے بعد یا انکی غیر حاضری میں دعا کرنا، التجا کرنا، ہتھنقا چاہنا، شفاعت طلب کرنا، دین کا وہ حصہ ہے جسکا خدا نے حکم نہیں دیا، نہ کوئی نبی اس کی دعوت کیلئے بھیجا، نہ کوئی کتاب اسکی تعلیم کیلئے اُتاری، وہ کسی مسلمان کے نزدیک بھی واجب ہے نہ مستحب، نہ کسی صحابی نے اسپر عمل کیا نہ تابعی نے نہ کسی امام نے اسے جائز بتایا۔ اور اگر کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو زہد و عبادت کی چادر اوڑھ کر اسے جائز رکھتے، اسپر عمل کرتے، اسکی تائید میں افسانے، حکایتیں اور خواب سناتے ہیں تو اس سے وہ جائز نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو کچھ اسکی تائید میں بیان کیا جاتا ہے شیطان کی طرف سے ہے، اسلئے کہ خدا اور اسکے رسولؐ نے اسکی اجازت نہیں دی، مانعیت کی ہے۔

انہیں میں بعض ایسے ہیں جو مرد و انکی شان میں قصیدے لکھ کر ان سے عائیں کرتے، مرادیں مانگتے، منتیں مانگتے، اور امداد و اعانت چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب باتفاق جملہ ائمہ اسلام نہ مبشر و معہر نہ واجب ہے نہ مستحب ہے، اور یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ: شخص ایسی عبادت اختیار کرتا ہے جو نہ واجب ہے نہ مستحب تو وہ گمراہ ہے، بدعت سیئہ کا موجب ہے کیونکہ خدا کی پرستش صرف واجب یا مستحب عبادتوں ہی سے ہونا چاہئے، کسی کو حق نہیں کہ

صالحین کی قبروں سے دعا

اپنے دل سے عبادتیں ایسا کرے۔

اس قسم کے شرک میں بہت سے لوگ قسم قسم کے فواید و مصالح بیان کرتے اور اسکی صحت پر زید، عمرو، بکر کے آراء و اذواق، تقلید و خواب وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کیلئے دو جواب ہیں: پہلا جواب جو اصل ہے، نص و اجماع کا جواب ہے، اور دوسرا قیاس و ذوق اور ان مضر توکنی تشریح میں ہے جو اس شرک سے پیدا ہوتی ہیں اور جو نام نہاد منافع و مصالح سے کہیں زیادہ ہیں۔

پہلے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ کتاب سنت کے قوا تر اور سلف صالح و ائمہ اسلام کے اجماع سے یہ بات پوری طرح پایہ تحقیق کو پہنچ گئی ہے کہ اس طرح کی کوئی چیز بھی نہ واجب ہے نہ مستحب نہ نبی معلم نے نہ آپ سے پہلے کسی اور نبی نے کبھی کہا کہ ملائکہ و انبیاء و صالحین سے دعائیں مانگو، شفاعت چاہو، نہ انکی قبروں سے نہ انکی غیبت میں۔ کبھی کسی نبی نے یہ کہنے کی اجازت نہیں دی کہ ”اے اللہ کے فرشتو! خدا سے ہماری سفارش کرو، دعا کرو کہ ہم فقیاب ہوں خوشحال ہوں، ہدایت یاب ہوں، یا کسی مردہ نبی یا بزرگ کو مخاطب کیا جائے کہ: ”اے نبی اللہ، اے رسول اللہ، خدا سے ہمارے حق میں دعا کرو، مغفرت طلب کرو، ہمارے لئے قح، رزق، ہدایت، صحت کی درخواست کرو، یا یہ کہ ”میں تم سے اپنی سیہ کاری کا، غربت کا، بیچارگی کا شکوہ کرتا ہوں، یا یہ کہ ”میں تمہارے در پر پڑا ہوں، میں تمہارا ہمان ہوں، تمہاری حمایت میں ہوں، یا یہ کہ ”جو تم سے پناہ مانگتا ہے اُسے پناہ دیتے ہو، تم لاچاروں کا سہارا ہو، ناامیدوں کا آسرا ہو“ نیز کسی کیلئے جائز نہیں کیا کہ کاغذ پر اپنی فریاد لکھ کر قبر پر لٹکائے، یا دستاویزیں لکھے کہ ”میں فلاں دلی کی پناہ میں ہوں“ وغیرہ اقوال و اعمال جو بدعتی اہل کتاب اور بدعتی مسلمان کرتے ہیں، اہل کتاب اپنے گرجوں اور عبادت گاہوں میں اور نام نہاد مسلمان انبیاء و صالحین کی قبروں پر یا انکی غیبت میں۔

پوری تحقیق سے ثابت ہے کہ کسی نبی کی شریعت میں بھی یہ چیز موجود نہیں اور نہ مذہب

بیت اور غیر موجود سے دعا کی جائے نہ پرا جاع

اسلام میں اسکا کہیں وجود ہے، نہ نبی (صلعم) نے اپنی امت کو اسوہ سلطنت کا اجماع
 نے کبھی اس پر عمل کیا، نہ تابعینؓ نے اس طرف رخ کیا، نہ ائمہ اربعہ وغیرہ نے، نہ مخالفین وقت
 بلکہ کسی امام نے اسکا ذکر بھی نہیں کیا کہ مناسک حج یا کسی اور موقع پر کسی مسلمان کیلئے لوگوں
 ہے کہ رسول اللہ کی قبر کے سامنے جا کر شفاعت کی درخواست کرے، یا امت کی دینی یا
 دنیاوی مصیبتوں کی شکایت کر کے دعا کی التجا کرے۔ خود صحابہؓ پر آپ کی وفات کے بعد طرح
 طرح کی سختیاں آئیں، قحط پڑا، غربت نے ستایا، خطرہ پیش آیا، دشمن کا غلبہ ہوا، لگن ہوا
 نے گھیرا مگر کہیں ثابت نہیں کہ انہیں سے کوئی ایک بھی نبی سلم یا ابراہیم خلیل یا کسی اور
 نبی کی قبر پر گیا اور کہا ہو ”ہم آپ سے قحط سالی کی شکایت کرتے ہیں، دشمن کی قوت و غلبہ
 کی فریاد کرتے ہیں، گناہوں کا شکوہ کرتے ہیں“ یا یہ کہ ”اللہ سے ہمارے لئے یا اپنی امت
 کیلئے رزق، فتح، مغفرت کی دعا کیجئے“

بدعت گمراہی ہے

یہ سب بعد کی ایجاد ہیں، بدعت ہیں جنکی ائمہ میں سے کسی نے بھی تحسین نہیں کی،
 بلا نزاع کسی امام کے نزدیک بھی یہ نہ واجب ہیں نہ مستحب بلکہ سراسر بدعت ہیں، پھر بدعت
 نہیں، بدعت سیئہ ہیں کیونکہ دین میں ہر وہ چیز جو واجب یا مستحب نہیں بدعت سیئہ ہے،
 اور بلا اختلاف تمام مسلمانوں کے نزدیک گمراہی ہے۔ بعض لوگوں نے بدعت کی دو قسمیں

۱۔ بدعت اصل میں ایک ہی قسم ہے، ”امیں حسنہ“ کی کوئی گنجائش نہیں۔ تمام علماء حق کا یہی مسلک ہے
 اور خود شیخ الاسلام کا بھی یہی مذہب ہے، اسی لئے انھوں نے بدعت کی تقسیم ”بعض لوگوں“ کی طرف
 منسوب کی ہے۔ جن لوگوں نے بدعت کی تقسیم کی ہے وہ اس غلط فہمی میں پڑ گئے ہیں کہ دین اور دنیا کے
 معاملات میں جو بات بھی ایسی کی جائے جو عہد نبویؐ میں نہ تھی، بدعت ہے، پھر امیں جو امت کیلئے
 مفید ہو (مثلاً علوم و فنون ایجادات وغیرہ) بدعت حسنہ ہے، ورنہ سیئہ۔ حالانکہ یہ غلطی ہے، بدعت
 کا تعلق صرف دین کے معاملے سے ہے، دنیا سے نہیں۔ جو کوئی دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے
 کوئی نئی عبادت گھڑے، تقرب الی اللہ کے نئے طریقے نکالے، یہ بدعت ہے، جیسا کہ حدیث میں
 صاف فرمادیا: ”من احدث فی امرنا هذا ما لیس منہ الی“، ہمارے اس معاملے میں جسے ایسی بات
 گھڑی جو اس میں نہیں ہے (الہ) وہی دنیا تو اسکے معاملات میں تغیر و تبدل ناگزیر ہے اور شریعت نے

کی ہیں: سیدہ ادریسہؓ، مگر انھوں نے بھی حسنہ اُسی بدعت کو کہا ہے جسکے استحباب پر کوئی دلیل شرعی موجود ہو۔ اور جو ایسی نہیں اُسے کسی مسلمان نے بھی حنات میں شمار نہیں کیا کہ جو تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہیں۔ پس جو کوئی ایسی چیزوں سے تقرب چاہتا ہے جو حسنہ نہیں، جسکے وجود یا استحسان پر کوئی دلیل نہیں، تو وہ گمراہ ہے، شیطان کا پیرو ہے، شیطان کے راستے پر چلنے والا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ نبی صلعم نے ہمارے سامنے ایک لکیر کھینچی اور اس لکیر کے دائیں بائیں اور چند لکیریں کھینچیں پھر فرمایا: ”یہ (بیچ کی) لکیر خدا کا راستہ ہے اور یہ (دوسری لکیریں) ایسے راستے ہیں کہ ہر ایک شیطان موجود ہے اور اپنی طرف بٹا رہا ہے“ پھر آیت پڑھی:

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ
سَبِيلِهِ - (۲: ۱۸)

یہ ایک جامع اصل ہے جو اللہ اور رسولؐ پر ایمان رکھنے والوں کیلئے واجب العمل ہے۔ کسی کیلئے جائز نہیں کہ سنت معلومہ اور سابقین اولین من المہاجرین والانصار اور تابعین لمم باحسان کی راہ چھوڑ کر اپنی الگ راہ نکالے۔ پھر کسی کیلئے جائز نہیں کہ سنت اجماع قدیم کے مخالف کی پیروی کرے خصوصاً ایسی حالت میں کہ ائمہ اسلام میں سے کوئی امام کوئی مستند علیہ مجتہد کوئی قابل اعتماد عالم اُسکی بدعت میں اُسکا ساتھی نہیں۔ اور یہ کہنا کہ جب مخالف موجود ہے تو اجماع کہاں رہا، بے معنی بات ہے، کیونکہ اجماع نہ ہر کس و نہا کس کی موافقت پر موقوف ہے اور نہ ہر جماد و شہاد کی مخالفت سے ٹوٹ سکتا ہے، حتیٰ کہ اس باب میں بعد کے کسی

نوٹ بقیہ صفحہ ۲۹۔ مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ اس کے ٹکلی اصول کے ماتحت اپنی مصلحت کے مطابق جس طرح چاہیں کریں چنانچہ فرمایا ہے: اِنَّهُ اَعْلَمُ بِامُورِ دُنْيَاكُمْ (تم اپنے دنیاوی معاملات زیادہ سمجھتے ہو)۔ بنا بریں بدعت کی تقسیم غلط ہے، بدعت ایک ہی چیز ہے اور وہ بدعت سیدہؓ ہے اور جنم کی آگ ہے: آلَا كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ (مترجم)

مؤمنین اولین کی پیروی

مجتہد کی مخالفت بھی اسے کمزور نہیں کر سکتی، کیونکہ متواتر سنت اور سلف امت کا اجماع موجود ہے۔ جب مجتہد کا یہ حال ہے تو پھر زید، عمرو، بکر کس شمار میں ہیں؟ انکی مخالفت موتِ فذن ہی کیا رکھتی ہے؟ خصوصاً جبکہ اپنے پاس کوئی دلیل شرعی نہیں رکھتے بلکہ ایسے لوگوں کی پیروی کرتے ہیں جو دین میں بغیر کسی علم، ہدایت، بصیرت اور روشنی کے گفتگو کرتے ہیں۔

قبر و نکو مسجد بنانا حرام ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس شرک کی اجازت نہیں دی، بلکہ اسے حرام قرار دیا ہے، صرف اسی کو نہیں بلکہ ان تمام باتوں کو بھی جو اسکا ذریعہ و سبب بن سکتی تھیں۔ چنانچہ انبیاء و صالحین کی قبر و نکو مسجد بنانا حرام ٹھہرایا ہے۔ صحیح مسلم میں جناب بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے صرف پانچ دن پہلے نہ فرمایا تھا:

”ان من کان قبلکم کانوا یخذون القبور مساجد، الا فلا تتخذون القبور مساجد فانی انہا کم عن ذلک“ (تم سے پہلے لوگ قبر و نکو مسجد بناتے تھے، دیکھو تم قبر و نکو مسجد نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کر رہا ہوں) صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ وفات سے پہلے فرمایا: لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبورا نبیاً ثم مساجد (خدا کی لعنت ہو دو نصاریٰ پر کہ اپنے انبیاء کی قبر و نکو مسجد قرار دے لیا ہے) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں اس خیال سے کہ آپ کی قبر مسجد قرار دیدی جائے، اسے اونچا نہیں کیا گیا۔

قبر و نکو مسجد بنانا حرام ہے

کسی جگہ کو مسجد قرار دینے کا مطلب یہ ہے کہ بچکانہ نمازوں اور دوسری عبادتوں کے لئے اسے مخصوص کر لیا جائے جیسے کہ مسجدیں مخصوص ہوتی ہیں کہ جن میں صرف اللہ واحد کی عبادت اور اسی سے دعا ہوتی ہے نہ کسی مخلوق سے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سرے سے قبر و نکو مسجد قرار دینا یعنی وہاں نماز پڑھنے کیلئے اسطرح جانا جس طرح مسجدوں میں جاتے ہیں قطعاً حرام کر دیا ہے اگرچہ جانے والے کی نیت اللہ واحد کی عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ اسلئے کہ مبادا لوگ ایسی مسجدوں میں محض صاحب قبر کی عقیدت، اس سے دعا مانگنے، منگوئے

یا قبر کو تبرک جان کر اسکے پاس اللہ سے دعا مانگنے کو افضل سمجھ کر آنا جائز شروع کر دیں۔
 لہذا آپ نے ایسی جگھوں کو اللہ واحد کی عبادت کیلئے کام میں لائے ہی سے روک دیا کہ
 شرک کا ذریعہ نہ بن جائیں۔ اور شریعت کا عام قاعدہ ہے کہ جب کوئی فعل موجب فساد و مفرت
 ہو اور کوئی بڑی مصلحت نہ رکھتا ہو تو اس سے منع کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً اوقات ثلاثہ میں
 نماز سے روک دیا گیا ہے کہ بڑی مفرت کا موجب تھی، اسمین مشرکین کی مشابہت تھی جو شرک
 کی طرف لجا سکتی تھی، اور کوئی خاص مصلحت نہ تھی جسکی رعایت کیجاتی کیونکہ دوسرے اوقات
 میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ پس اگر ان اوقات میں نماز کی ممانعت، شرک کی راہ بند کرنے کے
 لئے تھی کہ آفتاب پرستی کا ذریعہ نہ بن جائے تو خود آفتاب پرستی کا کیا حکم ہوگا؟ ظاہر ہے وہ
 ان اوقات میں نماز سے بھی زیادہ حرام ہوگی۔ اسبطح جب انبیاء و صالحین کی قبر و مکتبہ مسجد
 قرار دینے کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ مردوں کی دعا و عبادت کا سبب نہ بن جائے تو خود یہ
 دعا و عبادت قبر کے مسجد قرار دینے سے بھی زیادہ حرام ہوگئی۔

بنابرین مسلمان قبر دہلی زیارت و تقسم کی ہوگئی؛ شرعی زیارت، بدعی زیارت۔ شرعی
 زیارت یہ ہے کہ مردہ کیلئے دعا کی غرض سے جایا جائے جس طرح نماز جنازہ میں شرکت دعا کی
 غرض سے ہوتی ہے۔ قبر پر جانا اور نماز جنازہ پڑھنا دونو ایک ہی قبیلے ہیں۔ قرآن

زیارت قبر کی قسم

میں ہے :

وَلَا تَقُمْ عَلَيْهِمْ صَلَاتٍ اَبَدًا | انیس سے کوئی مرے تو نہ کہی اسکی نماز پڑھو نہ اسکی
 (۱۰ : ۱۷) | قبر پر کھڑے ہو۔

اس آیت میں خدا نے اپنے نبی کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے اور انکی قبروں پر کھڑے
 ہونے سے منع کیا ہے کیونکہ انھوں نے اللہ اور اسکے رسول سے کفر کیا اور کفر ہی کی حالت
 میں دنیا سے کوچ کیا۔ نیز ہمیں سے یہ حکم بھی نکلا کہ جن لوگوں میں یہ علت (کفر) نہ پائی جائے

لے طلوع، غروب، نصف النہار۔

انکی نماز جنازہ پڑھی جائے اور انکی قبروں پر جایا جائے، کیونکہ اگر یہ بات سب کے حق میں غیر مشروع ہوتی تو منافقین کا خصوصیت سے ذکر نہ کیا جاتا اور نہ اسکی علت کفر قرار دی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ مومنین کے جنازوں پر نماز پڑھنا اور انکی قبروں پر جانا سنت متواتر سے ہو گیا۔ چنانچہ نبی صلیم نے مسلمان جنازوں کی خود نماز پڑھی اور امت کو اسکا حکم دیا، نیز جب کوئی مسلمان دفن ہوتا تو آپ قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے: سَلِّوْا لَہُ التَّثْنِیَّتِ فَاِنَّہُ اِلَّا اَنْ یَسْئَلَ (اس کیلئے ثابت قدمی کی دعا کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے) نیز بِقَبْرِہِ قَبْرِ سَمْتَانِ اور اُحد کے شہدائی زیارت کو جاتے اور صحابہؓ کو تعلیم دیتے کہ جب قبروں پر جاؤ تو کہو: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَہْلَ الدِّیَارِ مِنَ الْمَوْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاَنَا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِکُمْ لَاحِقُوْنَ وِیَرْحَمُ اللّٰہُ الْمُسْتَقْدَمِیْنَ مِنْ اَمَّا وَمِنْکُمْ وَالْمُسْتَآخِرِیْنَ، نَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلِکُمْ الْعَافِیَۃَ اَللّٰہُمَّ لَا تُحْرِمْنَا اَجْرَہُمْ وَلَا تُفْتِنَا بَعْدَہُمْ (اے مومنوں کے گھر کے بسنے والو! تم پر سلام، ہم انشاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں، خدا ہمارے اور تمہارے آگے جانے والوں اور پیچھے جانے والوں پر رحم کرے، ہم اپنے اور تمہارے لئے خدا سے عافیت طلب کرتے ہیں، اے خدا ہمیں انکے اجر سے محروم نہ کرنا، ہمیں انکے بعد امتحان میں نہ پھسانا، ہماری اور انکی مغفرت کر) صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلیم قبرستان تشریف لینگے اور فرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَدَا قَوْمٌ مَّوْمِنِیْنَ، اَنَا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ (مومنوں کے گھر کے بسنے والو، تم پر سلام، ہم انشاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں) اس باب لَہُ اس قسم کی احادیث اور تفسیر بدر کی حدیث سے بعض لوگ استدلال کرتے ہیں کہ مُردے اپنی قبروں میں سستے ہیں، اسلئے اگر ہم اولیاء اللہ کے مزارات پر جا کر اُن سے دعا کی درخواست کریں تو کیا حرج ہے، ضرور ہے وہ ہماری درخواست خدا کے حضور پہنچا دیں گے اگر اس استدلال کے اول حصہ کو تسلیم کر لیا جائے تب بھی دوسرا اور تیسرا حصہ ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر یہ بھی تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اولیاء اللہ موت کو بعد بندوبستی حاجتیں حضور خداوندی میں پہنچا سکتے ہیں تو بھی اُن سے دعا کرنا جائز ثابت نہیں ہوتا بلکہ اول تو وہ بغیر حکم الہی کسی کی سفارش میں کر سکتے اور اگر کبھی سکیں تو چونکہ ممانعت موجود ہے اسلئے خدا کو چھوڑ کر اُن سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ (مترجم)

میں بکثرت احادیث صحیحہ موجود اور عام طور پر معلوم ہیں۔

کفار کی قبروں کی زیارت

قبورِ مسلمین کی یہ شرعی زیارت ہے جس سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ مردہ کی مغفرت و ربح درجات کیلئے دعا کی جائے۔ اسی ضمن میں وہ زیارت بھی ہے جسے زیارتِ مشترکہ کہتے ہیں اور جو کفار کی قبروں کیلئے بھی جائز ہے۔ اس سے مقصود محض عبرت اور ذکرِ موت ہوتا ہے جیسا کہ مسلم و ابو داؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والدہ کی قبر پر تشریف لگئے، روئے، رولایا اور فرمایا: ”استأذنت ربي فإني ان استغفر لها فلم يأذن لي“ فاستأذنته ان اذوق قبرها فاذا نذ لي“ فزوروا القبور فانها تذكركم الاخرة“ (میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کیلئے استغفار کی اجازت چاہی تو نہ دی، پھر میں نے انکی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تو دیدی، اتم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلاؤں گی۔) پس ایسی زیارت جو موت کی یاد تازہ کرے شروع ہے اگرچہ قبر کسی کافر ہی کی کیوں نہ ہو۔ بخلاف اُس زیارت کے جس سے مقصود مردہ کے حق میں دعا ہوتی ہے تو وہ صرف مؤمنین کی قبروں ہی کیلئے جائز ہے۔

زیارت کی دوسری قسم بدعی زیارت ہے اور وہ وہ ہے جس سے مقصود مردہ سے منت ماننا، دعا چاہنا، شفاعت طلب کرنا، یا براہِ راست خدا سے یہ سمجھ کر دعا کرنا ہوتا ہے کہ اس قبر کی بزرگی کی وجہ سے دعا مقبول ہوگی۔ اس قسم کی تمام زیارتیں بدعت ہیں جبکہ انبیؑ نے حکم دیا نہ صحابہؓ نے انھیں بتانا رسول اللہ کی قبر کے ساتھ نہ کسی اور کی قبر کے ساتھ، بلکہ یہ جنسِ شرک اور اسبابِ شرک میں سے ہے۔

اور جب انبیاء و صالحین کی قبروں کے پاس نماز پڑھنا بغیر ان سے دعا کرنے یا انکے پاس دعا گو بہتر جاننے کے بھی حرام اور خدا کے غضب و لعنت کا مورد بننا ہے جیسا کہ فرمایا: ”اشتد غضب الله على قوم اتخذوا قبورا للنبيا ثم مساجدا“ خدا کا غضب ایک قوم پر سخت ہو گیا کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں ٹھہرا لیا ہے۔ تو اُس شخص کا کیا

حکم ہوگا جو مردوں سے دعا کرتا، اور انکی قبروں کے پاس دعا کو بہتر جانتا، اُسے دعا کے قبول ہونے اور مردوں کے برآنے کا ذریعہ سمجھتا ہے ؟

یہی چیز تھی جس سے سب سے پہلے قوم نوح پھر دوسری قوم انکی بت پرستی شروع ہوئی جیسا کہ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ آدم اور نوح کے ماہین دس صدیاں ایسی گزریں جن میں مخلوق اسلام پر تھی، پھر صالحین کی قبروں کے اعزاز و تکریم کی وجہ سے شرک پھیل گیا۔ ابن عباسؓ وغیرہ کا یہ قول صحیح بخاری، کتب تفسیر اور قصص الانبیاء میں مشہور ہے کہ آیت: قَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا (۲۹: ۱۰) میں جن ناموں کا ذکر آیا ہے یہ قوم نوح میں صالح لوگوں کے نام تھے، جب وہ مر گئے تو لوگوں نے انکی قبروں کی تعظیم شروع کی، پھر انکی تصویریں اور موزئیں بنائیں، اور عبادت کرنے لگے۔ ابن عباسؓ کا قول ہے کہ پھر یہ بت قبائل عرب میں منتقل ہو آئے۔

محمد فلاسفہ مثل ابن سینا وغیرہ نے زیارتِ قبور کے سلسلہ میں شرک کو ایک نیا جامہ پہنایا ہے۔ وہ اس بات کے قائل نہیں کہ خدا نے آسمان زمین چھ دن میں پیدا کئے اور یہ کہ وہ مجزئیات کا علم رکھتا، اپنے بند انکی صدائیں سنتا، دعائیں قبول کرتا ہے۔ اُنکے نزدیک انبیاء و صالحین کی شفاعت کے وہ معنی نہیں جو مومنین کے نزدیک ہیں کہ شفاعتِ صالح آدمی کی دعا ہے جسے خدا قبول کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دعا بے اثر چیز ہے اور دنیا کے تمام حوادث و واقعات میں اصلی مؤثر، قوائے نفس یا حرکات فلک یا طبعی اسباب ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ انسان جب کسی صالح میت سے محبت کرتا ہے، چھوٹا ہو جائے اسکی قبر پر جاتا ہے تو اسکی روح کو مردہ کی روح سے اُن علل میں اتصال حاصل ہو جاتا ہے جو میت کے روح پر عقل، فقال کا فیضان کرتی ہیں، یا نفسِ فلکیہ اثر کی روح پر اپنا فیضان اس طرح شروع کر دیتا ہے کہ خدا کو ذرا بھی خیر نہیں ہوتی بلکہ کبھی خود ناسر کی روح کو بھی احساس نہیں ہوتا۔ اسکی مثال وہ یہ دیتے ہیں کہ آفتاب کے سامنے جب آئینہ آتا ہے

تو اُس پر شیعہوں کا فیضان ہوتا ہے اور اگر اس آئینہ کے مقابل کوئی اور آئینہ آجائے تو اس میں شیعہ نہیں آجاتی ہیں اور اگر اس آئینہ کے سامنے کوئی دیوار یا پانی ہو تو اس پر بھی فیضان شروع ہو جاتا ہے۔ ان کے زعم میں شفاعت و دعا کا بھی یہی حال ہے اور اسی طریقہ سے زیارت کر نیوالے کو نفع ہوتا ہے۔

اس رائے پر کفر و ضلالت کا جسدِ رغبار ہے، ہوشمند سے مخفی نہیں۔ بلاشبہ بتوں کے ذریعہ شیاطین کا جو کچھ تصرف ظاہر ہوتا ہے، انسان کوئی گمراہی کا ایک بڑا سبب ہے۔ قبر کو بت بنانا، شرک کا آغاز ہے، اسلئے اسکے پاس بھی بعض لوگوں کو کبھی آوازیں سنائی دیتی ہیں، صورتیں دکھائی دیتی ہیں، کوئی عجیب تصرف نظر آتا ہے جسے وہ مردہ کی کرامت تصور کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی دکھائی دیتا ہے کہ قبر پھٹ گئی، مردہ نکل آیا، گفتگو کی، معاف کی۔ اس طرح کی باتیں انبیاء اور غیر انبیاء سب کی قبروں پر ہو سکتی ہیں، مگر یاد رکھنا چاہئے کہ یہ شیطان کی باتیں ہیں جو آدمی کا روپ اختیار کرتا اور فریب دہی کی راہ سے کتنا ہے کہ میں فلاں نبی یا فلاں شیخ ہوں۔

اس باب میں بیشمار واقعات مشہور ہیں جنکی تفصیل کیلئے یہاں گنجائش نہیں۔ جاہل سمجھتا ہے کہ قبر سے نکلا، باتیں کیں، معاف کیا، بذات خود مردہ تھا، نبی یا ولی تھا، لیکن مومن کامل جانتا ہے کہ وہ شیطان تھا جو گمراہ کرنے کیلئے آیا تھا۔

اس قسم کے واقعات کی حقیقت معلوم کرنے کی چند تدبیریں ہیں: مثلاً صدقِ دل سے آیت الکرسی پڑھے، اگر شیطان ہے فوراً غائب ہو جائیگا یا زمین میں دھنس جائیگا، اور اگر صالح انبیاء یا فرشتہ یا مومن جتنی ہو گا تو اُسے آیت الکرسی سے کوئی نقصان پہنچے گا، کیونکہ اس سے صرف شیطان ہی کو نقصان پہنچتا ہے جیسا کہ ابو ہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ ان سے ایک جن نے کہا: جب سونے لگو آیت الکرسی پڑھو تا کہ خدا انکے جان رہے اور شیطان قریب نہ آئے۔ بنی صلم نے سنا تو فرمایا: ”جھوٹے نے سچ کہا“ یا یہ کہ شیطان سے

جنوں اور شیطانوں کی مشرکتوں کو دکھائی دینا

جنوں اور شیطانوں کی حقیقت معلوم کرنے کے طریقے

اللہ کی پناہ مانگے۔ شیاطین انبیاء و کھجستائے اور انکی عبادت خراب کرنیکی کوشش کیا کرتے تھے چنانچہ خود نبی صلعم پر ایک مرتبہ جتنوں نے حمل کیا تھا جیسا کہ ابوالتلیح رضی کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عبدالرحمن بن حش سے دریافت کیا کہ جب شیاطین نے شرارت کی تو نبی صلعم نے کیا کیا تھا؟ کہا پہاڑ کی گھاٹی میں سے شیاطین آپ پر لوٹ پڑے، ایک شیطان کے ہاتھ میں بھرکتا ہوا شعلہ تھا اور آپ کو جلا ڈالنا چاہتا تھا، آپ پر خوف طاری ہو گیا، مگر معاً جبریلؑ آگئے اور کہنے لگے محمدؐ جو کچھ میں کہتا ہوں تم بھی کہو، کہو: اَوْحِذْ بِكُلِّ آتٍ اَللّٰهُ اَلنَّسَمَاتِ

اَلتَّحٰی لَیْجَا وَ ذَهْنِ بَرَوٰ لَآ فَا جَرَمِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَ ذَرَّ اَوْ مِّنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَ مِّنْ شَرِّ مَا یُجْرِی فِیْهَا وَ مِّنْ شَرِّ مَا یَخْرُجُ مِّنْ اَرْضٍ وَ مِّنْ شَرِّ مَا یَنْزِلُ فِیْهَا وَ مِّنْ شَرِّ فِتْرِ اللَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مِّنْ شَرِّ کُلِّ طَارِقٍ یَطْرُقُ اِلَّا طَارِقًا یَطْرُقُ بِخَیْرِ یَا رَحْمٰنُ، اللہ کے اُن کلمات تائیات کے ساتھ کہ جن سے نہ کوئی نیک نجاؤں نہ کر سکتا ہے نہ ہمیں پناہ مانگتا ہو اُسکے شر سے جسے خدا نے پیدا کیا اور بڑھایا اور اُسکے شر سے جو آسمان سے اترتا اور جو اُسکی طرف چڑھتا ہے اور اُسکے شر سے جو زمین سے نکلتا اور جو اُس میں اترتا ہے اور رات اور دن کے شر سے اور ہر اُس رات کے آئو لے کے شر سے جو اُسے بجز اُس آئو لے کے

جو اُسے رحمنؑ خیر لیکر آئے۔) چنانچہ شعلہ بجھ گیا اور شیطان بھاگ گئے صحیحین میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: ”ایک جتنی دیو رات کو آیا کہ میری نماز خراب کرے، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دیا، ارادہ ہوا نہ پکڑ کر مسجد کے ستون سے باز رہ دوں تاکہ صبح تم اُسے دیکھو، گرسلیاؤ کی دعا: رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ هَبْ لِيْ مُدْحِكًا لَا یَذْبُغُنِیْ لِاحِدٍ مِّنْ

لے شیخ الاسلام نے یہ حدیث بلا تنقید روایت کر دی ہے، حالانکہ محدثین نے اسکی تضعیف کی ہے۔

یہ حدیث مراسیل کچھل میں سے ہے اور کچھل کو مرس بتایا گیا ہے، ابن سعدؒ نے اسکی تضعیف کی ہے (المنا) پھر حدیث کے الفاظ کچھ اس وضع کے ہیں کہ کلام نبویؐ نہیں معلوم ہوتے خصوصاً اسکا آخری جملہ

کسی طرح دل کو نہیں لگتا۔ واللہ (مترجم)

ابوالبشر بن جبریلؑ

رسول اللہ کا تائیس بن سمان

بَعْدَی“ (۲۳:۲۲) (مے رب میری مغفرت کر اور مجھے ایسی سلطنت بخش جو میرے بعد کسی کیلئے سزاوار نہ ہو) یاد آگئی، خدا نے اُسے ذلیل و خوار لوٹا دیا، ”حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبی صلم نماز پڑھ رہے تھے کہ شیطان آگیا، آپ نے اُسے پچھاڑ ڈالا اور گلا دبا یا، آپ فرماتے تھے کہ اسکی زبان کی سرد طوبت میں نے اپنے ہاتھ پر محسوس کی، اگر سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ صبح بندھا ملتا“ (نسائی) ابوسمید خدریؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلم صبح کی نماز پڑھ رہے تھے اور میں پیچھے تھا کہ اچانک قرأت غلط ہو گئی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: ”کاش تم مجھے اور ابلیس کو دیکھتے، میں نے ہاتھ بڑھا کے اُسے پکڑ لیا اور برابر گلا دبا بتا رہا یہاں تک کہ اُسکے لعاب کی ٹھنڈک اپنی ان دونوں انگلیوں (انگوٹھا اور انگشت شہادت) میں محسوس کی، اگر میرے بھائی سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو وہ مسجد کرسٹون سے بندھا ملتا اور مدینہ کے لڑکے پھیرتے ہوتے، جہاں تک ممکن ہو اپنے اوپر قبضہ کے مابین کوئی چیز حائل نہ ہونے دو“ (احمد و ابوداؤد) صبح مسلم میں ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ نبی صلم کو نماز میں ہم نے یہ کہتے سنا: ”اعوذ باللہ منک“ (مجھ سے خدا کی پناہ) پھر تین مرتبہ فرمایا: ”الْحَنُكُ بِلُحْنَةِ اللَّهِ“ (مجھ پر خدا کی لعنت) پھر ہاتھ بڑھایا گویا کوئی چیز لے رہے ہیں، جب نماز سے فارغ ہوئے تو ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! آج ہم نے آپ کو نماز میں ایسی بات کہتے سنا جو پہلے نہ سنی تھی، نیز آپ کو ہاتھ بڑھاتے دیکھا۔ فرمایا: ”دشمن خدا ابلیس آگ کا شعلہ لیکر آیا کہ میرے منہ میں لگا دے، اسپر میں نے تین مرتبہ کہا: ”اعوذ باللہ منک“ پھر کہا: ”الْحَنُكُ بِلُحْنَةِ اللَّهِ التَّامَّةُ“ اسپر وہ پیچھے ہٹ گیا، میں نے چاہا کہ پکڑ لوں اور بخدا اگر بھائی سلیمانؑ کی دعا نہ ہوتی تو بندھا ملتا اور مدینہ کے لڑکے اس سے کھیلتے ہوتے۔“

۱۔ انبیاء پر جو روحانی کیفیات طاری ہوتی ہیں، شیطانی قوتوں سے ان کا جو روحانی مقابلہ ہوتا ہے اُسکے متصل ہمارے یہ مادی الفاظ نہیں ہو سکتے اور نہ کوئی انسانی تعبیر انکی پوری تصویر کھینچ سکتی ہے۔“

جو شیطان سے کوئی نہ بچتا

پس جب شیاطین انبیاء سے مقابلہ کرتے، استاتے اور عبادت خراب کرنا چاہتے تھے تو اور لوگ کس شمار میں ہیں؟ انبیاء اپنی دعا، ذکر، عبادت، عملی جہاد اور خدا کی دی ہوئی قوتوں سے انھیں دفع کر دیا کرتے تھے، چنانچہ نبی صہلم نے الہی علوم و اعمال و صلوٰۃ و جہاد کے ذریعہ انسی و جتنی شیاطین کا قلع قمع کر دیا تھا اور وہ آپ کو نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ اسی طرح اُن لوگوں کو بھی خدا شیطان پر فتیاب کرتا ہے جو انبیاء کے متبع ہوتے ہیں۔ لیکن جو اپنے لئے ایسا دین ایجاد کرتے ہیں جسکا انبیاء نے حکم نہیں دیا، اُن کی بتائی ہوئی عبادتوں سے گریز کرتے ہیں، اللہ دعوہ لاشریک لہ سے اعراض کرتے ہیں، اُسکے رسول کی پیروی سے روگردانی کرتے ہیں، انبیاء و صالحین کے باب میں غلو و شرک کرتے ہیں تو شیطان انھیں اپنا تختہ مشق بنا لیتے ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے:

شیطان کو اُن لوگوں پر ذرا بھی قدرت نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں اُسکا اختیار صرف انھیں پر ہے جو اُس سے دوستی رکھتے اور جو اُسکے ساتھ شرک کرتے ہیں

میرے بندوں پر تجھے کچھ بھی اختیار نہیں، بجز اُن کے جو مگر اہوں میں سے تیری پیروی کریں۔

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَهُ وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ مُّشْرِكُونَ (۱۴: ۱۹)
إِنَّ عِبَادِيَ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ -

(۱۴: ۱۳)

اسی طرح شیطان کے پرکھنے کی یہ سورت بھی ہے کہ اللہ سے اُنکی حقیقت ظاہر

نوٹ بقیہ صفحہ ۳۸ - حدیث میں جو کچھ آیا ہے ماننا چاہئے، مگر یہ سب کیونکر ہوا، اُس کی کیفیت کیا ہے؟ ہم نہیں سمجھ سکتے، اُن اس قدر ضرور کہہ سکتے ہیں کہ یہ روحانی مقابلہ تھا جس میں جسم کو بھی بے اختیار شرکت ہوئی اور جسے عام فہم انسانی تعبیر میں بیان کر دیا گیا، ورنہ معلوم ہے شیطان مجسم نہیں کر پکڑا اور باندھا جاسکے، الایہ کہ خدا کبھی کسی مساحت سے ایسا چاہے۔ (مترجم)

کر دینے کیلئے دعا کرے، یا خود دکھائی دینے والے سے پوچھے کیا تو واقعی نفلانِ خاص ہے، بڑی بڑی قسمیں دلائے، آیاتِ قرآنی پڑھے، وغیرہ طریقے کہ جن سے شیطان گھبراتا اور رک اٹھاتے ہیں۔

اسی طرح بعض لوگوں کو کبھی دکھائی دیتا ہے کہ کعبہ ہے جسکے گرد طواف کر رہے ہیں، عظیم الشان عرش ہے جسپر ایک عظیم الشان پُر جلال ہستی جلوہ گر ہے، بیشمار آدمی اوپر نیچے آ جا رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر سادہ لوح سمجھ لیتا ہے کہ یہ آدمی ملائکہ ہیں اور وہ ہستی اللہ عز و جل ہے جو اپنے پر شکوہ تخت پر متمکن ہے۔ حالانکہ حقیقت میں یہ سب شیطان کے کرشمے ہوتے ہیں۔

کعبہ وغیرہ دکھائی دینا

اس طرح کے واقعات ایک سے زیادہ آدمیوں کو پیش آ چکے ہیں، بعض کی اللہ نے دستگیری کی اور ظاہر کر دیا کہ شیطان دھوکہ دے رہا ہے جیسا کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مشہور قصہ میں ہے کہ انھوں نے کہا: ”ایک دن میں عبادت میں مصروف تھا، اچانک عظیم الشان تخت نظر آیا جسپر نور ہی نور تھا، نور میں سے آواز آئی: ”عبدالقادر! میں تیرا رب ہوں اور تیرے لئے وہ سب حلال کئے دیتا ہوں جو دوسروں کیلئے حرام کیا ہے!“ میں نے جواب دیا: ”کیا تو ہی وہ خدا ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں؟ دُور ہو اے دشمنِ خدا!“ اسپر نور پھٹا، تاریکی پھیل گئی، اور آواز آئی: ”عبدالقادر! تو اپنے تفقہ فی الدین، علم اور احوال میں رسوخ کی بدولت میرے پنجے سے بچ گیا ورنہ میں اس شعبہ سے ستر شیخ گمراہ کر چکا ہوں!“ شیخ سے پوچھا گیا آپ نے کیونکر جاننا وہ شیطان ہے؟ کہا اسکی اس بات سے کہ ”تیرے لئے وہ سب حلال کئے دیتا ہوں جو دوسروں کیلئے حرام کیا ہے“ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ شریعتِ محمدیہؐ اٹل ہے، بدلنے والی نہیں، دوسری بات جس سے میں نے اُسے پہچاننا یہ تھی کہ اُس نے کہا ”میں تیرا رب ہوں“ اور یہ نہ کہ سکا کہ میں ہی وہ اللہ ہوں جسکے سوا کوئی معبود نہیں۔“

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا واقعہ

دنیا میں خدا کو دیکھنا

لیکن کچھ ایسے سیوقوت بھی ہوتے ہیں جو اس طرح کے شعبہ کے دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ ہم نے بیداری میں خدا کو دیکھا ہے اور دلیل میں اپنا مشاہدہ پیش کرتے ہیں، ہم انہیں جھوٹا نہیں کہتے، واقعی ان کا مشاہدہ ایسا ہی ہوتا ہے مگر انکی اصل غلطی یہ ہوتی ہے کہ شیطان کو خدا سمجھ بیٹھتے ہیں۔

اس قسم کے واقعات بہت سے جاہل عابد و نگو بھی پیش آئے اور وہ خیال کرنے لگے کہ ہم اس دنیا ہی میں اپنی آنکھوں سے خدا کو دیکھتے ہیں، یا یہ کہ نبی صلعم یا خضر یا کسی اور بزرگ کو دیکھا ہے، حالانکہ وہ شیطان ہی ہوتا ہے جو مختلف بھیسوں میں آکر دھوکہ دیتا ہے۔ بلاشبہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: ”من رآنی

رسول اللہ کو بیداری میں دیکھنا

فالمناہ فقد رآنی حقاً، فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی“ (جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اُس نے مجھے واقعی دیکھا کیونکہ شیطان میرا روپ نہیں بھر سکتا) مگر یہ خواب کے بارے میں ہے، کیونکہ اگرچہ کبھی خواب بھی شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے شیطان سے یہ قدرت چھین لی ہے کہ نبی صلعم کی صورت اختیار کر کے خواب میں دکھائی دے۔ رہا بیداری میں دیکھنا تو آپ کو وصال کے بعد دنیا میں کوئی بھی دیکھ نہیں سکتا، اور جو یہ خیال کرے کہ جسے اُس نے دیکھا ہے، آپ تھے، تو وہ جاہل ہے اور جہالت کی راہ سے شیطان کا شکار ہوا ہے، اسی لئے کسی صحابیؓ نے یا تابعیؓ سے کہیں مروی نہیں کہ انھوں نے آپ کو وصال کے بعد بھی بیداری میں دیکھا ہو۔

وہی ہے

جس کسی نے اس طرح کی کوئی بات دیکھی یا دیکھنے والے کی تصدیق کی تو ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کر لیا کہ شخص واحد ایک وقت اور ایک حالت میں دو جگہ موجود ہو سکتا ہے، جو صریحاً خلاف عقل ہے۔ اس اعتراض سے بچنے کیلئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دکھائی دینے والی شکل میت کی روحانیت یا معنوی ہیئت ہے جس نے مادی صورت اختیار کر لی ہے

یہ سب تاویذیں رکبیک ہیں اور واقعہ یہی ہوتا ہے کہ جن 'مردہ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں -

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اس طرح کی چیزیں دیکھ کر خیال کر لیتے ہیں کہ انھوں نے فرشتہ دیکھا ہے، حالانکہ وہ فرشتہ نہیں ہوتا کیونکہ فرشتوں اور جنوں میں بہت فرق ہے۔ جن 'میں کفار و فساق، جاہل و عالم، شیخ محمد و صلعم اور متبع شیطان سب ہی قسم کے لوگ ہیں۔ وہ کبھی دکھائی بھی دیتے ہیں اور حقیقت نہ جاننے والے انھیں فرشتہ سمجھ لیتے ہیں -

اسی طرح ستاروں اور رُبوتوں کے پجاریوں پر بھی ارجح کا نزول ہوتا ہے جنھیں وہ کو اکب کی روحانیت یا فرشتوں کا نزول یقین کرتے ہیں - حالانکہ وہ جن و شیاطین ہی ہوتے ہیں جو مشرکین کی گمراہی بڑھاتے رہتے ہیں -

جو لوگ شرک، فسق، نافرمانی وغیرہ شیطانِ افعال کے مرکب ہوتے ہیں شیطان انکی مدد کرنے لگتے ہیں، چنانچہ کبھی غیب کی باتیں بتا دیتے ہیں تاکہ یہ اُردوں کو گمراہ کریں، کبھی اپنے بد چلن پیر و دُلوں کے دشمنوں کو قتل کرتے یا سناٹے ہیں، کبھی آدمیوں کو اُنکے سامنے اُٹھا لاتے ہیں، اُن کیلئے چوری کرتے ہیں، وغیرہ بدکاریاں جنھیں دیکھ کر جاہل متعجب ہوتے اور ان شیطان پرستوں میں اویسا رائد کی کرامتیں یقین کرنے لگتے ہیں - حالانکہ یہ تمام شعبے شیطان اُن کیلئے انجام دیتے ہیں - کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں کو شیاطین ہوا میں دُور دراز ملکوں تک اُڑا لیجاتے ہیں، چنانچہ کبھی یومِ عرفہ میں مکہ پہنچا دیتے اور اُسی دن لوٹا لاتے ہیں جسے کرامت سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ کرامت انہیں 'شیطانِ فعل ہے - کیونکہ اگر وہ ولی ہوتے تو مکہ پہنچ کر حج کرتے، مگر انھوں نے نہ حج کیا، نہ احرام باندھا، نہ طواف کیا، نہ اُردن ماسک پورے کئے، صرف گئے اور چلے آئے - پھر انہیں ایسے لوگ بھی ہیں جو بغیر عرہ کے طواف کو کعبہ کے

مشرکین پر ارجح کا نزول شیطانِ فساق کے دو گار ہوتے ہیں

لئے مکہ میں داخل ہو جاتے ہیں، حالانکہ شریعت نے ضروری ٹھہرایا ہے کہ میقات پر پہنچ کر احرام باندھا جائے، حتیٰ کہ اگر عبادت مقصود نہ ہو اور کسی دنیاوی غرض سے جانا ہو جب بھی احرام باندھنا لازمی قرار دیا گیا ہے اور بغیر اسکے داخلہ روا نہیں۔

غرض کہ بت پرست مشرکوں، اسکے ہم مشرب نصاراے اور اس امت کے مبتدع گروہوں میں اس طرح کے بہت سے قصے مشہور ہیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ ہر وہ شخص جو مردوں سے دعا مانگتا اور فریاد کرتا ہے عام اس سے کہ انبیاء ہوں یا غیر انبیاء، اُسکی گمراہی کی بنیاد میں اسی قسم کی کوئی نہ کوئی حکایت ہوتی ہے۔

اسی طرح وہ لوگ بھی ہیں جو صالحین سے اُنکی عدم موجودگی میں دعا اور فریاد کرتے ہیں اگر اُن کا کوئی ہم شکل دیکھ لیتے ہیں جو اُن سے باتیں کرتا اور اُنکی بعض ضرورتیں پوری کر دیتا ہے تو یقین کر لیتے ہیں کہ مردہ یا غیر موجود بزرگ نے خطاب کیا اور حاجت برکاری کی ہے۔ حالانکہ وہ جن و شیاطین ہوتے ہیں جو روپ بدل کر آتے ہیں، انھیں فرشتہ سمجھنا سخت غلطی ہے کیونکہ فرشتے مشرکین سے ساز باز نہیں رکھ سکتے، وہ صرف شیطان ہی ہیں جو راہِ راست سے گمراہ کرنے کیلئے اس قسم کی شعبہ بازیاں کیا کرتے ہیں۔

اس باب میں اہل جاہلیت دو قسم کے ہیں: ایک وہ ہیں جو سرے سے اسکی تکذیب کرتے ہیں اور دوسرے وہ ہیں جو اسے اولیاء اللہ کی کرامت یقین کرتے ہیں۔ تکذیب کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ دیکھنے والے کا دہم ہوتا ہے اور واقع میں کوئی اصلیت نہیں رکھتا۔ اُن کا یہ خیال جب وہ مشرک و مبتدع سُنتے ہیں جو اُن باتوں کو خود دیکھ چکے یا محترم آدمیوں سے سُن چکے ہیں تو اپنے اعتقاد و یقین میں اور زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں۔

پھر یہ جاہل تکذیب کر نیوالے اگر خود کبھی اپنی آنکھ سے اس طرح کی کوئی بات دیکھ لیتے ہیں تو معجزہ زاری کے ساتھ ایسے نصرفات رکھنے والے کے سامنے جھک جاتے اور اُسے دلی اللہ یقین کر لیتے ہیں، حالانکہ بسا اوقات اُسکی حقیقت جانتے ہوتے ہیں کہ وہ

جوئی یوسف کے حکائی دینے کے منکر

نہ فرائیں الہی ادا کرتا ہے حتیٰ کہ نماز تک نہیں پڑھتا اور نہ محرمات و فواحش و ظلم سے پرہیز کرتا ہے، بلکہ اس ایمان و تقویٰ سے بھی کوسوں دُور ہے جسے خدا نے اپنے اولیاء کا امتیازی نشان قرار دیا ہے :

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
كَانُوْا يَتَّقُوْنَ - (۱۲: ۱۱)

خدا کے دوستوں کے لئے نہ کوئی خوف ہے نہ وہ رنجیدہ ہونگے، وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔

اس طرح کے مکاشفات و تصرفات دیکھ کر ولی سمجھ لینے والے جاہلوں کا حشر یہ ہوتا ہے کہ اُلٹے پاؤں اسلام سے نکل جاتے اور ایسے شخص کو جو بے نمازی، رسولوں کا منکر، بلکہ اُن کا عیب جو اور انھیں گالیاں دینے والا ہے، عظیم ترین اولیاء اللہ میں سے یقین کرنے لگتے ہیں، یا یہ ہوتا ہے کہ شک و شبہ اطمینانی کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، ایک پاؤں اگر اسلام کی طرف اٹھاتے ہیں تو دوسرا کفر میں دھنسا چلا جاتا ہے۔ اس گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ وہ ولایت کو ایسی چیزوں سے پہچانتے ہیں جو اسکی علامتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر اس طرح کے تصرفات، ولایت کی علامت ہوتے تو کافر و مشرک، ساحر و کاہن بھی اپنے شیاطین کی مدد سے جینے ہی تصرفات بلکہ ان سے کہیں بڑھ چڑھ کر رکھتے اور دکھاتے ہیں۔ خود قرآن میں ہے :

هَلْ اُنْذِرْكُمْ عَلٰی مَنْ تَنْزَلُ الشَّيْطٰنُ؟
تَنْزَلُ عَلٰی كُلِّ اَقَاوِمٍ اَرۡيَمُ - (۱۵: ۱۹)

تمہیں بتاؤں کس پر شیطان اترتے ہیں؟ ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں۔

مگر ضرور ہے کہ انہیں جھوٹ اور شرع کی مخالفت موجود ہو، جس قدر یہ امر و نبی الہی سے دور ہونگے اُسی قدر انہیں گناہ اور خبیث کی کثرت ہوگی۔ یہ شیطانی احوال و تصرفات اسکے سوا کچھ نہیں کہ انکی گمراہی، شرک، بدعت، جہالت اور کفر کے نتائج بلکہ بد باطنی اور خبیث نفس کے دلائل و علامات ہیں۔ مگر اہل یقین کرتا ہے کہ یہ انکے ایمان و ولایت کے نتائج

تصرفات دیکھ کر ولی سمجھ لینے والوں کا حشر

اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان

ہیں، اُنکے تقدس و علو درجات کی علامات ہیں، حالانکہ یہ یقین سراسر لاعلمی پر مبنی ہے اس طرح کی غلطی کا شکار وہی شخص ہو سکتا ہے جو اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان کے اوصاف سے ناواقف ہے کہ جنکی تشریح ہم ایک مستقل رسالہ میں کر چکے ہیں، ورنہ معلوم ہوتا کہ یہ احوال و تصرفات جنہیں اُس نے جمالت کی وجہ سے ولایت کی دلیل قرار دیدیا ہے، مسلمانوں سے کہیں زیادہ مشرکین و کفار اہل کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر ولایت کی دلیل ہوتے تو اسکے بغیر کسی طرح نہ پائے جاتے کیونکہ دلیل وہی ہے جو مدلول کے ساتھ پائی جائے ورنہ دلیل نہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تصرفات مشرکین و کفار میں بھی پائے جاتے ہیں، پس معلوم ہوا وہ ولایت کیا ایمان کو بھی مستلزم نہیں اور اسلئے کسی حال میں بھی ولایت کی دلیل نہیں ہو سکتے۔

اولیاء اللہ صرت ”مؤمنون متقون“ ہی ہو سکتے ہیں، اُنکی کرامتیں اُن کے ایمان و تقویٰ کے ثمرات ہوتی ہیں نہ کہ شرک و بدعت و فسق کے کڑے پھل۔ اکابر اولیاء اپنی کرامات کا استعمال صرف دین و امت کی بھلائی کیلئے کرتے ہیں، اور بعض مباحات میں بھی کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اپنی کرامت، عصیان و کفران میں صرف کرتا ہے وہ ظالم ہے، اپنے رب کا نافرمان ہے، اگرچہ اُسکی کرامت کا حشر شہہ ایمان و تقویٰ ہی کیوں نہ ہو۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہے کہ مجاہد اللہ کی راہ میں جہاد شروع کرتا ہے، مگر حبیب غالب ہوتا اور مال غنیمت پاتا ہے تو شیطان۔ کچھ نہیں بڑھ کر اس حلال مال کو حرام میں صرف کرتا ہے، ظاہر ہے اُسکا یہ مال اُس پر وبال ہوگا حالانکہ اُسکا حصول ایک نہایت حلال و مقدس راہ سے ہوا تھا۔ جب یہ حکم اُن کرامات کا ہے جنکی بنیاد ایمان و تقویٰ پر اور استعمال ناجائز امور میں ہے تو اُن تصرفات و خوارق کا کیا حکم ہوگا جو کفر و فسق و عصیان کے گندے چشموں سے نکلتے اور اپنے ہی جیسے کفر و فسق و عصیان کے گندے چشموں میں بہ کر جاتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اس راہ کے اکثر راہرو جاوہ اسلام سے بھٹک کر کفر و شرک کے تاریک غاروں میں گر جاتے

ہیں اور برصیبی و حرمان کی موت مرتے ہیں۔ اس بحث کیلئے یہاں اس سے زیادہ گنجائش نہیں۔

مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ مشرکین کی گمراہی کا ایک سب سے بڑا سبب مشابہات و سموات ہیں جو انھیں بتوں کے پاس سے حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ جب کبھی دیکھتے ہیں کہ قبر بھٹی اور ایک پیر بزرگ باہر نکل آیا، معافہ کیا یا گفتگو کی تو یقین کر لیتے ہیں کہ خود صاحب قبر ہے جو اپنی کرامت سے اس طرح باہر آ گیا ہے۔ حالانکہ نہ قبر شرق ہوئی نہ صاحب قبر نکلا، بلکہ جو کچھ ہوا صرف یہ تھا کہ شیطان آیا اور اپنا شعبہ دکھا کے گمراہ کر گیا۔ اسی طرح کبھی دکھائی دیتا ہے کہ دیوار بھٹی اور ایک آدمی نکل کے سامنے آ گیا۔ یہ بھی محض شیطان کی بازیگری ہوتی ہے اور فی نفسہ کوئی اصلیت نہیں رکھتی۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قبر سے نکلنے والا شخص دیکھنے والے سے کہتا ہے کہ ہم اپنی قبروں میں نہیں رہتے بلکہ دفن کے بعد ہی باہر نکلتے ہیں اور زندوں کے ساتھ رہتے رہتے ہیں۔ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ مردہ خود اپنے جنازہ کے ساتھ چلنا اور کا ندھا دیتا نظر آتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ مشابہات جو گمراہوں اور دوسرے لوگوں میں مشہور ہیں۔ سننے والے اس طرح کی باتوں کی یا تو قطعی تکذیب کر دیتے ہیں اور یا انھیں اولیاء اللہ کی کرامات تصور کر لیتے ہیں کہ دکھائی دینے والا شخص خود صاحب قبر بنی یا ولی تھا یا فرشتہ اسکی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ یا یہ توجیہ کرتے ہیں کہ یہ اسکی روحانیت ہے یا ہمزاد ہے جو مجسم ہو کر ظاہر ہوا ہے۔ اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ شخص واحد و جگہ دکھائی دیتا ہے جس سے لوگ یقین کر لیتے ہیں کہ ایک ہی جسم بیک وقت دو جگہ ہوتا ہے۔ حالانکہ جاہل یہ نہیں جانتے کہ یہ شخص وہ مردہ نہیں ہے جسکی شکل میں دکھائی دے رہا ہے بلکہ شیطان ہے جو روپ بدل کر گمراہ کرنے آیا ہے۔

۱۵ شیخ الاسلام نے جنوں اور شیطانوں کی بحث کو بہت طول دیا ہے۔ اس طرح کے واقعات و خیالات

شکوک کے خوار کی حقیقت

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ انبیاء و صالحین کو انکی قبروں پر سے یا انکی غیر حاضری میں پکارنے والے لوگ اُن مشرکین کے زمرہ میں داخل ہیں جو غیر اللہ سے رجوع کرتے ہیں ستاروں کو یا انبیاء و ملائکہ کو اربابا من دون اللہ بناتے ہیں، حالانکہ خدا نے فرما دیا ہے :

مَا كَانَ لِيَشْرَ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُتَّخَذُوا أُمَلًا بُكَّةً	کسی بشر کی شان سے نہیں کہ خدا اسے کتاب و حکمت و نبوت بخشے اور وہ لوگوں سے کہے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ، لیکن (یہ کہیں گے کہ) ربانی بنو اس لئے کہ تم کتاب (توراة) سکھاتے اور پڑھتے ہو، اور نہ اس بات کا تمہیں حکم دیا گیا کہ فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لو، کیا تمہیں مسلمان ہو چکنے کے بعد کفر کا حکم
---	--

نوٹ بقیہ صفحہ ۴۶۔ اسی زمانہ میں زیادہ رواج پاتے ہیں جب قوم پست اور عملی زندگی سست ہو کر اداہم و خرافات کا شکار ہو جاتی ہے۔ مسلمان جتنا کتاب جہان بینی و حکمرانی کی مشغولی زندگی بسر کرتے رہے، انہ جن دیکھتے تھے نہ شیطان، صدر اول میں اس قسم کے چرچے ہی نہ تھے، کیونکہ قوم اولوالعزم تھی اور اندرونی و بیرونی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھی، لیکن جب نازل ہوا، عملی زندگی کا خاتمہ ہوا، تو اداہم و خرافات نے بھی سر اٹھایا اور بتدریج پوری امت کو گھیر لیا۔ ہم جنوں اور شیطانوں کے آدمیوں کی صورت میں ظاہر ہو چکے ممکن سمجھ سکتے ہیں، شاید کبھی ایسا ہوا ہو اور اب بھی ہوتا ہو، مگر امتنا یقین سے جانتے ہیں کہ کبھی آدمیوں کا کبھی جنوں اور شیطانوں سے ایسا سابقہ نہیں پڑتا جیسا ان انسانوں میں بیان کیا گیا ہے۔ باز سست بیکار غلط دامنی ریاضت کرنا سلسلے مراتب میں پیچھے والے عمل پڑھنے والے، چاہے کچھ نیچے والے اس طرح کی باتیں دیکھتے اور بیان کرتے ہیں۔ کیونکہ بے اعتدالی سے دامنی محنت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ دماغ بیمار اور جنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جنوں کی بہت سی قسمیں ہیں، اس طرح کی چیزیں دیکھنا بھی جنوں کی ایک قسم ہے، جس سے بچنے کی سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ جسم و دماغ ہمیشہ عملی کاموں میں مصروف رکھے جائیں اور سستی و بیکاری کو قریب نہ پھٹکنے دیا جائے۔

انبیاء و صالحین کو پکارنے والے مشرک ہیں

دے گا۔

وَالَّذِينَ آذَٰبًا بَٰءًا يَأْتِيهِمْ مِّنْكُمْ بِالْكَفْرِ
بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ - (۱۶: ۳)

اور نہ مایا :

کہدے انہیں پکارو جنہیں تم خدا کے سوا خیال کئے
بیٹھے ہو، وہ نہ تم سے مصیبت اٹھا سکتے ہیں نہ بدل
سکتے ہیں، جنہیں یہ پکارتے ہیں (خود ہی) اپنے رب
کی طرف وسیلہ و معاونڈھتے ہیں، کونسا ان میں زیادہ
نزدیک ہے اور اسکی رحمت کے امیدوار اور اسکے
عذاب سے خائف ہیں -

قُلْ اَدْعُوا الَّذِيْنَ رَحِمْتُمْ مِنْ دُوْنِهٖ
فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفُ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا
تَحْوِيْلًا، اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَحِيْمٍ اِلٰوْسِيْلَةٍ اَيُّهُمْ
اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهُ دِيْخًا تُؤْنُوْنَ
عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ
مَحْدُوْرًا - (۱۶: ۱۵)

اور نہ مایا :

کہدے کہ ان لوگوں کو پکارو جو خدا کے علاوہ تمہارے
خیال میں ہیں، وہ آسمانوں میں نہ زمین میں ایک ذرہ
کی بھی ملکیت نہیں رکھتے اور نہ شرکت رکھتے ہیں اور
نہ انہیں سے کوئی خدا کا مددگار ہے، اسکے حضور اُسی
کی شفاعت مفید ہوگی جسے وہ اجازت دیدے۔

قُلْ اَدْعُوا الَّذِيْنَ رَحِمْتُمْ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِى
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ
فِيْهَا مِنْ شِرْكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ
مِّنْ ظٰهِرٍ، وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗ اِلَّا
لِاُولٰٓئِكَ اِذْنًا لَهُ - (۹: ۲۲)

اس قسم کی آیتیں قرآن میں بکثرت موجود ہیں جنہیں ماسوی اللہ سے رجوع کرنے کی
قطعاً ممانعت کی ہے عام اس سے کہ ملائکہ ہوں یا انبیاء ہوں یا کوئی اور۔ کیونکہ یہ یا تو
شرک ہے یا شرک کا ذریعہ ہے۔ بخلاف اسکے انبیاء و صالحین سے کئی زندگی میں دعا
یا شفاعت کی درخواست کرنا مباح ہے کیونکہ شرک کی طرف نہیں لے جاتا۔ کسی نبی یا

انبیاء و صالحین کی زندگی میں دعا کرنا شرک نہیں ہے

دلی کی اُسکی زندگی میں پرتش نہیں کی گئی، اسلئے کہ اُنھوں نے اسے جائز نہیں رکھا اور ہمیشہ اسکا ستراب کرتے رہے۔ اسطرح اُنکی عدم موجودگی میں اُنھیں پکارنا بھی ذریعہ شرک ہے جیسا کہ واقع بھی ہو چکا ہے، اور یہ اسلئے کہ مردہ یا غیر موجود کسی کو شرک سے منع نہیں کر سکتا جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس سے قلبی وابستگی بڑھتے بڑھتے شرک تک پہنچا دیتی ہے، اُس سے عاقل ہونے لگتی ہیں، اُسکی قبر یا بت یا تصویر، دعاؤں اور منتوں کے پورا ہونے کی جگہ خیال کر لیا جاتی ہے اور لوگ اُسکی زیارت کو موجب ثواب و برکت سمجھنے لگتے ہیں جیسا کہ مشرک اور اُن کے ہم مشرب کتابی کفار اور مبتدع مسلمانوں کا حال ہے۔

پھر ملائکہ سے دعا کی التجا کرنا تحصیل حاصل ہے، کیونکہ وہ بنیاد کے بھی مومنین کے لئے دعا و استغفار کرتے رہتے ہیں :

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ
يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ
وَكَيْفَ تَعْفُوهُمْ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا
وَسِعَتْ كُلُّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ
لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ
عَذَابَ الْجَحِيمِ رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ
جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَ لَهُمْ وَفِي
صُلْحٍ مِنْ بَارئِهِمْ وَأَدْخِلْهُمْ
دَرَجَاتٍ مِمَّنْ تَرْضَاهُ إِنَّكَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ
وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ يَفْعَلْ
السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْنَا
وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ - (۶: ۲۳)

جو عرض اٹھائے ہیں اور جو اس کے گرد ہیں اپنے رب کی ستائش کی تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں کہ اے رب تیری رحمت و علم ہر چیز کے لئے وسیع ہے، پس اُنھیں معاف کر جنھوں نے توبہ کی اور تیری راہ اختیار کی، اُنھیں جہنم کے عذاب سے بچا، اے رب اُنھیں جنت عدن میں داخل کر کہ جن کا وعدہ تو نے ان سے کیا ہے اور اُن کے آباء و اجداد اور اُن کی بیویوں سے جو صلح ہوں (اُنھیں بھی داخل کر) اور اُنھیں برائیوں سے بچا اور جسے تو نے آج برائیوں سے بچا لیا اُس پر تیری رحمت ہو گئی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

لاکھ سے دعا کی التجا تحصیل حاصل ہے

اور سہرا یا :

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَتَقَطَّرُونَ مِنْ فَوْقِهِمْ
وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَلَا
إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ (۲: ۲۵)

اسی طرح مردی ہے کہ نبی صلعم اور دوسرے انبیاء و صالحین بھی بغیر کسی کی التجا کے اپنے اُن خیارِ امت کیلئے دعا و شفاعت کریں گے جسکے بارے میں خدا اجازت دیدیگا۔

اگر ملائکہ کا پکارتا روا نہیں تو مرے ہوئے انبیاء و اولیاء کا پکارتا اور اُن سے دعا و شفاعت کی التجا کرنا بھی روا نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ خدا کے ہاں دعا و شفاعت کریں گے۔ اور یہ اسلئے کہ (۱) جسکے بارے میں خدا انھیں دعا و شفاعت کا حکم دیدیگا، وہ لامحالہ کریں گے چاہے درخواست کی جلتے یا نہ کی جائے، اور جسکے بارے میں حکم نہ ہوگا کتنی ہی ناکہ رگڑی جائے ہرگز زبان نہ کھولیں گے۔ بنا بریں اُن سے درخواست کرنا فضول ہے۔ (۲) اور اسلئے کہ موت کے بعد انھیں پکارتا اور التجا کرنا، شرک تک لجا جاتا ہے، لہذا اگر اسمیں کوئی مصلحت ہوتی بھی تو یہ شرک کی مضرت ایسی موجود ہے کہ اسکی وجہ سے ہر مصلحت چھوڑ دی جائیگی۔ لیکن یہاں تو سرے سے کوئی مصلحت موجود ہی نہیں کہ جہیں بحث کی جائے۔ بنا بریں اُن سے درخواست کرنا روا نہیں۔ رہا انکی زندگی اور وجودگی میں التجا کرنا تو مرد اسے کیونکہ کوئی مضرت موجود نہیں بلکہ منفعت ہے، اور وہ یہ کہ خود انھیں اس دارالعمل میں مخلوق کی خدمت و فائدہ رسانی کا ثواب حاصل ہوگا۔

رہی آخرت تو وہاں اُن کی شفاعت اُن کے لئے طرہ امتیاز اور باعثِ مدد و عزت و انتخار ہوگی۔

مخلوق سے سوال اصل میں حرام، ضرورتاً مباح، اور توکل کی راہ سے اُسکا ترک

انبیاء و صالحین کی دعا و شفاعت کی اجازت دیدیگا۔

افضل ہے۔ قرآن میں ہے :

فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ
فَإِذَا رُغِبَ - (۱۹: ۳۰)

جب فارغ ہو جاؤ تو مست کرو اور اپنے رب ہی کی طرف
رغبت کرو۔

یعنی اللہ ہی کی طرف رجوع ہو، کسی اور کی طرف نہ ہو۔ اور فرمایا :

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ
وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ يَمُوتُنَا
اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا لِلَّهِ
رَاغِبُونَ (۱۳: ۱۰)

اگر وہ خدا اور اس کے رسول کے دئے ہوئے پر راضی ہو
جالتے اور کہتے خدا ہمارے لئے کافی ہے، خدا اپنے فضل
سے اور اس کا رسول ہمیں (اور) دیکھ ہم اللہ ہی کی طرف
رغبت کرتے ہیں۔

اسمیں عطا و بخشش کو اللہ اور رسول دونوں سے منسوب کیا ہے، مگر کفایت کی نسبت صرف
اپنے ہی لئے رکھی ہے اور ہم دیانت کہیں : حَسْبُنَا اللَّهُ (خدا ہمارے لئے کافی ہے)
نہ یہ کہ : حَسْبُنَا اللَّهُ ورسوله (خدا اور اس کا رسول ہمارے لئے کافی ہیں)۔ پس رغبت
در رجوع صرف اللہ ہی کی طرف ہونا چاہئے۔ دوسری آیت میں ہے :

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ
وَيَتَّقْهُ، فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ -
(۱۳: ۱۸)

جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور اللہ
سے ڈرا اور پرہیز کیا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

اسمیں بھی اطاعت کو اللہ اور رسول دونوں میں عام رکھا ہے، مگر خشیت و تقویٰ کو بلا شرکت
رسول صرف خدا کیلئے مخصوص کیا ہے۔ مشہور و معروف حدیث میں ہے کہ نبی صلعم نے ابن

عباس سے فرمایا : ”يَا غلامُ اِنِّي مَعْلَمُكَ كَلَامَاتٍ : احفظ الله يحفظك“ احفظ الله

تحمه تجامك : تعرف الى الله في الرخاء يعرفك في الشدة ، اذا سألته فاسأل الله

وانا استعنت فاستعن بالله جفت القلوب بامانت لاق ذلوجمدات الخليفة على

ان يضررك لم يضررك الا بشئ كتب الله عليك فان استطعت ان تعمل الله

بالرضا مع اليقين فان لم تستطع فان الصبر على ما تكو خيرا كثيرا» (۱) لے
 لڑکے، میں تجھے چند بول سکھاتا ہوں: اللہ کو یاد رکھ وہ تجھے محفوظ رکھیں گا، اللہ کو یاد رکھ اسے
 اپنے سامنے پائیکا، فراخی میں اپنے تئیں خدا کے سامنے پیش کرو، سختی میں تجھے پہچانیکا، جب
 سوال کر تو خدا سے سوال کر، جب مدد طلب کر تو خدا سے طلب کر، جو کچھ تجھ پر بتیئے والی ہے
 اُسے لکھ کر قلم خشک ہو گیا ہے، پس اگر تمام مخلوق کو شش کرے کہ تجھے نقصان پہنچائے
 تو نہیں پہنچا سکتی بجز اسکے جو خدا نے تجھ پر لکھ دیا ہے، پس اگر تجھ سے ہوسکے کہ یقین کے
 ساتھ خوشی خوشی خدا ہی کیلئے عمل کرے تو کر اور اگر نہ ہوسکے تو شدت میں ثابت قدم رہنے
 میں بہت بہتری ہے)۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اگر چاہا کہ
 جاتا تو کسی سے نہ کہتے کہ اٹھا دو، اور فرماتے ”میرے یار نے منع کر دیا ہے کہ لوگوں سے کچھ
 بھی سوال کروں“ صحیح مسلم میں عوف بن مالکؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے صحابہؓ کی ایک
 جماعت سے بیعت لی اور اُنکے کان میں کہا کہ لوگوں سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ عوفؓ کہتے ہیں انہیں
 سے بعض کو میں نے دیکھا کہ ہاتھ سے چاہا کہ گر جاتا تھا مگر کسی سے نہ کہتے تھے ذرا اٹھا

سوال کی حالت

دو۔ صحیحین میں ہے کہ فرمایا: يدخل من امتي الجنة سبعون الفا بغير حساب

(د قال) هم الذين لا يستر قون ولا يكتون ولا ينطرون وعلى رءسهم يتوكلون“
 میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کتاب جنت میں داخل ہونگے، وہ وہ ہیں جو جھاڑ
 پھونک نہیں کراتے، اپنے کو درخواستے نہیں، شگون بے قائل نہیں اور اپنے رب پر
 بھروسہ کرتے ہیں) اس حدیث میں اُن لوگوں کی تعریف کی ہے جو پھونک نہیں ڈلاتے،
 جھاڑ پھونک بھی دعا کی ایک قسم ہے، یعنی دعا کی کسی سے خواہش نہیں کرتے۔ اس حدیث
 میں بعض راوی ”یستر قون“ کی جگہ ”یرقون“ (پھونک ڈالتے ہیں) روایت کر گئے ہیں
 جو بالکل غلط ہے۔ کیونکہ خود اپنے لئے اور دوسروں کیلئے دعا کرنا نیکی ہے۔ خود نبی صلعم
 اپنے اور دوسروں کے حق میں دعا کیا کرتے تھے مگر کسی اور سے دعا یا پھونک کی خواہش

جھاڑ پھونک کرنا کی حالت

نہ کرتے تھے۔ صرف آپ ہی نہیں بلکہ تمام انبیاء کا یہی حال تھا کہ صرف اللہ سے سوال دعا کرتے تھے جیسا کہ خدا نے آدم و ابراہیم و موسیٰ و غیرہم (علیہم السلام) کے قصوں میں بیان فرمایا ہے۔ اور یہ جو روایت کیا جاتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جب آگ میں ڈالنے کے لئے منجنیق میں رکھے گئے تو جبرئیلؑ نے کہا: سوال کرو، اور انھوں نے جواب دیا: ”حسبی من سواہی علمہ بحالی“ (مجھے سوال کی کیا ضرورت ہے جیکہ وہ میرا حال جانتا ہے) تو بالکل بے بنیاد ہے، بلکہ برعکس اسکے صحیح بخاری میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا: ”حسبی اللہ ونعم الوکیل“ (مجھے اللہ ہی بس ہے اور وہی سب سے اچھا ساتھی ہے) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ابراہیمؑ نے یہ اُس وقت کہا جب آگ میں ڈالے گئے اور محمدؐ نے اُس وقت کہا جب لوگوں نے ڈرایا کہ: ”إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكَ فَاخْشَوْهُمْ“ (۹:۷) (لوگوں نے تمہارے لئے جमा کر دیا ہے اُن سے ڈرو) البتہ امام احمدؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ سے جبرئیلؑ نے کہا آپ کچھ چاہتے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا: ”تم سے نہیں“، را خدا سے اُنکا التجا کرنا تو قرآن میں متعدد جگہ مذکور ہے جس کے بعد کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے کہا ہو: ”حسبی من سواہی علمہ بحالی“

اللہ سب کچھ جانتا ہے مگر باوجود اسکے اُس نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس سے سوال و دعا کریں، اُسی پر بھروسہ رکھیں، اُسی کی عبادت کریں، کیونکہ اُس نے ان چیزوں کو دعا و نکی اجابت اور عبادتوں کی منظوری کا سبب بنا دیا ہے۔ علم الہی کا ازلی اور محیط ہونا، محتاجوں اور گنہگاروں کی حالت سے اُسکا بخوبی واقف ہونا اسکے منافی نہیں کہ وہ ذاتاً برتر گنہگاروں کو توبہ و استغفار، حاجت مندوں کو دعا و التجا اور سب بندوں کو عبادت و انابت کا حکم دے تاکہ ان ذرائع سے گناہ دُھل جائیں، مرادیں پوری ہو جائیں، درجہ بلند ہو جائیں۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بندہ کو اُس بات کا حکم دیا جاتا ہے جو دعا سے

بھی افضل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ”مَنْ شَغَلَ ذِكْرِي عَنْ مَسْأَلَتِي اعْطَيْتَهُ اَفْضَلَ مَا عَطَى السَّائِلِينَ“ (جسے میرے ذکر کرنے مجھ سے سوال کرنے سے غافل کر دیا اُسے میں وہ بہتر سے بہتر دینا ہوں جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں) ترمذی میں ہے: ”مَنْ شَغَلَ قِرَاءَةَ الْقُرْآنِ عَنْ ذِكْرِي مَسْأَلَتِي اعْطَيْتَهُ اَفْضَلَ مَا اعْطَى السَّائِلِينَ“ (جسے قرآن کی تلاوت نے میرے ذکر و سوال سے مشغول کر دیا اُسے وہ بہتر سے بہتر دیتا ہوں جو سوال کرنے والوں کو دیتا ہوں)۔

عبادتِ بندہ میں سب سے افضل عبادتِ نماز ہے کہ جمیں قراءۃ، ذکر، دعا سب کچھ موجود اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر ضروری ہے۔ چنانچہ قیام میں قراءۃ قرآن کا حکم ہے لیکن کوع و سجود میں قرات کی ممانعت ہے۔ نماز میں دعا کا حکم ہے جیسا کہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگتے اور اس کا حکم دیتے تھے۔ سجدہ میں بھی دعا مستحسن بلکہ اس کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز قیام و رکوع میں بھی دعا جائز ہے۔ اگرچہ قیام میں قراءۃ و ذکر دعا سے افضل ہے۔ غرض بندہ کا اپنے رب سے سوال کرنا مستحسن و مشروع ہے خود حضرت ابراہیم خلیلؑ اور دوسرے انبیاء نے بھی سوال کیا ہے چنانچہ قرآن میں ہے :

اے رب میں نے اپنی کچھ اولاد بے کھیتی کے مقام میں تیرے مندر گھر کے پاس آباد کی ہے تاکہ اے رب وہ نماز قائم کریں، سولگوں کے دل انکی طرف پھیر دے اور انھیں پیداوار سے روزی دے تاکہ شکر کریں، اے رب تو جانتا ہے جو ہم ظاہر کرتے اور جو چھپاتے ہیں، خدا سے کچھ بھی مخفی نہیں نہ زمین میں نہ آسمان میں، ستائش اُس خدا کے لئے جس نے بڑھا پے میں مجھے اسمیں واسعتی بخشے، میرا رب دعا سننے والا ہے

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْأَلُكَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ یٰوَا حِ
غَیْرِ ذِیْ ذُرِّعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْحَرَمِ رَبَّنَا
لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاَجْعَلْ اَفْئِدَةً مِنْ
النَّاسِ تَهْوٰی اِلَیْهِمْ وَاذْذُرْهُمْ مِنْ
الْاَمْرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ رَبَّنَا اِنَّکَ
تَعْلَمُ مَا نَخْفِیْهِ وَ مَا نُعْلِنُ وَ مَا یَخْفٰی عَلَی
اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ
الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَصَّیْ بِیْ عَلَی الْحَکِیْمِ

اے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا
بنادے، اے رب میری دعا قبول کر، اے رب
قیامت کے دن مجھے میرے والدین کو اور مومنین
کو بخش دے۔

اَسْمِعِلْ دَاخِلِي اِنْ رَّبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَا،
رَبِّ اجْعَلْنِي مَقِيْمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي
رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاؤَنَا رَبَّنَا اغْفِرْ لِدَا
وَالِدِنَا الَّذِيْنَ اٰلٰهُمُوْا مِنْ يَوْمِ يُقُوْمُ الْحِسَابُ

(۱۸: ۱۳)

جب ابراہیم و اسمعیلؑ نے کعبہ کی بنیاد اٹھائی (تو دعا
کی) اے رب (اسے) قبول کر اے رب
ہم دونوں کو اپنا مطیع کر دے اور ہماری نسل سے اپنے
لئے ایک مطیع جماعت بنالے، ہماری عبادتیں ہمیں
دکھا، ہماری توبہ قبول کر اے رب اُن
میں ایک رسول اُنھیں میں سے بھیج جو تیری آیتیں اُن
پر تلاوت کرے، اُنھیں کتاب و حکمت سکھائے اور
پاک کرے -

اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ
وَاسْمَعِيْلُ يُرَبِّيْنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ
وَآرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ
اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ رَبَّنَا وَابْعَثْ
فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلٰیهِمْ
آيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ
يُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

(۱۵: ۱)

مسلمانوں کی مسلمان کیلئے دعا

اسی طرح مسلمان کا اپنے بھائی مسلمان کیلئے دعا کرنا بھی مستحسن اور شرعی حکم کے مطابق
ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ابوالدرداء رضی عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: مَا مِنْ
رَجُلٍ يَدْعُو لَاحِيَةٍ يَظْهَرُ الْغَيْبُ اِلَّا وَكَلَّ اللهُ بِهِ مَلَكًا كَلَّمَ دَعَا لَاحِيَةٍ بِدَعْوَةِ قَتْلِ
الْمَلِكِ الْمَوْكَلِ اَمِيْنٍ وَلَكَ بِمَثَلِهِ (جو آدمی بھی اپنے بھائی کیلئے دعا کرتا ہے تو اُس کے لئے
ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے، جب وہ اپنے بھائی کیلئے دعا کرتا ہے فرشتہ کہتا ہے آمین اور
تیرے لئے بھی اسی کی مانند)۔

یہ تو خود خدا سے سوال و دعا کا معاملہ تھا، برخلاف اس کے مخلوق سے سوال و دعا کرنا ہے۔

جسکی اجازت نہیں دی گئی۔ البتہ علم کے لئے سوال و التجا جائز بلکہ اسکا حکم دیا گیا ہے چنانچہ فرمایا:

فَاَسْأَلُوا أَهْلَ الدِّارِ لَئِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ اہل ذکر و علم سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے۔

(۱۱: ۱۵)

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا آتَيْنَا آلَكَ
فَسْأَلِ الَّذِينَ يَفْرُدُونَ أَكُتِبَ مِنْ
قَبْلِكَ۔ (۱۵: ۱۱)

اگر ہاری اماری ہوئی ہوں میں سے کسی میں تجھے شک
ہو تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کتاب
پڑھتے ہیں۔
اپنے پہلے کے رسولوں سے پوچھ کیا ہم نے رحمن کے
علاوہ اور معبود ٹھہرائے جسکی پوجا کی جائے؟
أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً
يُعْبَدُونَ۔ (۱۰: ۲۵)

اور یہ اسلئے کہ علم کی اشاعت و تبیین واجب ہے، اور جو کوئی سوال ہونے پر یہی اپنا علم
پھپھائے، قیامت کے دن اس کے منہ میں آتشیں لگام دی جائیگی۔ کیونکہ وہ ایک ایسی دولت
میں بخل کرتا ہے جو خرچ کر نیسے کم نہیں ہوتی، بڑھتی ہے۔ نیز حقوق کا طلب کرنا، مال فیئ وغیرہ
مشترک اموال میں اپنا حصہ طلب کرنا، وقف، میراث، وصیت میں حق مانگنا، ضیافت لینا،
قرض کا مطالبہ کرنا ایسے سوال ہیں جو مباح ہیں۔ بعض سوال ایسے بھی ہوتے ہیں جسکی سائل کے
لئے اجازت نہیں ہوتی مگر مسئول کو انکے پورا کر نیک حکم ہوتا ہے: وَأَتِمُّوا الصَّلَاةَ فَلَا تُنْفِرُوا

(۱۸: ۳۰) (سائل کو نہ بھڑک) حدیث میں ہے کہ: ان احدكم ليسألني المسألة لتر فيخرج

بہايتا بطها نادا۱۱ تم مجھ سے سوال کرتے ہو، پھر تم سے لیکر آگ بغل میں داہنے نکلتے ہو)

بعض سوال مکروہ اور حرام ہوتے ہیں مگر مسئول کیلئے انکے پورا کر نیک حکم ہوتا ہے۔ نبی صلعم
اپنے کمال اخلاق کی وجہ سے کسی سائل کو بھی مایوس نہ لوٹاتے تھے اگرچہ خود سائل کے لئے

سوال جائز بھی نہ ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صدیقؓ اور دوسرے اکابر صحابہؓ کبھی اپنے لئے آپ سے کوئی سوال حتیٰ کہ دعا کی بھی درخواست نہ کرتے تھے۔ البتہ مسلمانوں کے حق میں دعا کی التجا کرتے تھے، جیسا کہ ایک جنگ کے موقع پر جب لوگوں نے سوار یوں کو ذبح کرنے کی اجازت چاہی تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہؐ، کل دشمن کے مقابلہ میں ہمارا کیا حال ہوگا جب ہم بھوکے اور پیدل ہونگے؟ لیکن اگر آپ مناسب سمجھیں تو باقی ماندہ رسد جمع کریں اور خدا سے برکت کی دعا کریں، خدا آپ کی دعا سے ہیں برکت دیگا“ البتہ عام مسلمان اپنے حق میں بھی دعا کی درخواست کرتے تھے جیسا کہ اندھے نے مینائی کے لئے درخواست کی اور اُمّ سلیمؓ نے آپ کے خادم انسؓ کیلئے دعا چاہی اور ابو ہریرہؓ نے دعا کی التجا کی کہ انھیں اور انکی ماں کو خدا مومنوں کی نظروں میں محبوب بنا دے۔

حضرت صدیقؓ کے توکل و استغنا کا یہ حال تھا کہ خدا نے انکی اور ان جیسے لوگوں کی شان میں فرمایا ہے :

وَسَيَجْعَلُنَا اللَّهُ مِمَّنْ يَسْتَعِينُونَ (دورنخ) سے بچایا جائیگا زیادہ پرہیزگار جو اپنا مال پاک ہونے کو دیتا ہے، اسپر کسی کا احسان نہیں جسکا بدلہ دیا جائے، مگر (وہ احسان کرتا ہے) صرف اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی کے خیال سے اور عقیقہ وہ راضی ہوگا۔ (۱۷: ۳۰)

صحاح میں ہے کہ نبی صلمؐ نے فرمایا: ”ان امن الناس علينا في صحبته وذات

يد لا ابو بكر ولو كنت متخذًا من اهل الارض خليلاً لا اتخذت اباً بكر خليلاً“
 (اپنی دوستی اور مال میں ہم پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا ابو بکرؓ ہے، اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابو بکرؓ کو خلیل بناتا) پس حضرت صدیقؓ سے زیادہ اپنے مال و جان سے احسان کرنے والا صحابہؓ میں کوئی نہ تھا۔ حضرت صدیقؓ، نہ یہ کسی دنیاوی

حضرت صدیقؓ کا استغنا و توکل

اکابر صحابہؓ سوال نہ کر سکتے تھے

مقتصد یا کسی مخلوق سے معاوضہ کی امید پر نہ کرتے تھے بلکہ محض اپنے رب اعلیٰ کی خوشنودی کے لئے کرتے تھے خود حضرت صدیقِ نبیؐ پر کسی کا احسان نہ تھا جس کا بدلہ اتارتے، وہ اپنے مال و تجارت کی وجہ سے سب سے مستغنی تھے، صرف ایک رسول اللہ کا احسان تھا کہ ایمانِ علم کی دولتِ رضیٰ مقدس ہاتھوں سے پہنچی تھی، مگر یہ ایک ایسا احسان تھا جس کا معاوضہ کسی طرح بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ انبیاء کے احسانات کا معاوضہ خدا پر ہے، بندے نہ اسے ادا کر سکتے ہیں نہ ان سے اس کا مطالبہ ہی ہوتا ہے، جیسا کہ فرمایا :

قُلْ لَا أَشْكُرُكُمْ عَلَيْهِمْ مِنْ أَجْرِ إِيَّانِ | کدے میں تم سے کچھ بھی معاوضہ نہیں مانگتا میرا
أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ (۱۴:۲۳) | معاوضہ صرف خدا پر ہے۔

لیکن برخلاف حضرت صدیقِ نبیؐ کے زید و علیؑ کا معاملہ ہے جنہر رسول اللہ کا ایسا احسان تھا جس کا دنیا میں معاوضہ داکیا جاسکتا ہے، زید غلام تھے، آپ نے آزاد کیا، علیؑ کی پرورش آپ کے گھر میں ہوئی، کیونکہ قحط پڑ گیا تھا اور ابوطالب کا بار ہلکا کرنے کیلئے علیؑ کو رسول اللہ نے اور جعفرؑ کو عباسؑ نے لے لیا تھا۔ غرض کہ حضرت صدیقِ نبیؐ اپنی دولت و دوستی میں سرور کائنات کے ساتھ سب سے اچھے تھے اور پینا مال و اخلاص میں ہمیشہ پانی کی طرح بہا یا کرتے تھے۔ خود رسول اللہ کو اپنی ذاتِ خاص کیلئے کسی کی بھی محتاجی نہ تھی، نہ ابوبکرؓ کی نہ کسی اور فرد بشر کی، چنانچہ جب ہجرت کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں، ایک آپ لے لیں تو صاف فرما دیا، لیکن قیمتاً غرض حضرت ابوبکرؓ صدیقِ سید الانبیاء کے سب سے بہتر دوست اور کمالِ ایمان و کمالِ استغنا و کمالِ توکل کی وجہ سے اپنے تمام کامِ خلافت کو جوہر اللہ کرتے اور کسی مخلوق سے بھی عام اس سے کہ ملائکہ ہوں یا انبیاء ہوں کسی معاوضہ کی خواہش نہ رکھتے تھے۔

معاوضہ و بدلہ کی ایک صورت دعا بھی ہے، حدیث میں ہے: ”مَنْ سَأَلَ الْبَيْتَ

دعا بھی دعا و صلوٰۃ کی ایک صورت ہے

معروفاً فکا فتوہ فان لم تجدوا ما اتکا فتوتہ بہ فادعوا لہ حتی تعلموا ان قد
کا فاقتموہ (جو کوئی تم پر کچھ احسان کرے تو اسے معاوضہ دو، اگر معاوضہ نہ رکھتے ہو تو
اُس کیلئے دعا کرو یہاں تک کہ سمجھو معاوضہ کر چکے) حضرت عائشہؓ کا دستور تھا کہ جب کسی کو
صدقہ یا عقیقہ تو خادم سے کہہ دیتیں ”سُئنا وہ ہمارے لئے کیا دعا کرتا ہے تاکہ ہم بھی اُس
کے لئے ویسی ہی دعا کر دیں اور صدقہ کا ثواب اللہ پر باقی رہے“ اسی لئے بعض علماء
سلف نے کہا ہے اگر سائل تم سے کہے ”بارک اللہ فیک“ تو تم بھی اُس سے کہہ دو
”و فیک بارک اللہ“ غرض کہ جو کسی بھی کسی مخلوق سے کی جا۔ئے عام اس سے کہ وہ مخلوق
نبی ہو یا دلی، بادشاہ ہو یا غنی، خالصۃً لوجہ اللہ ہو یا چاہئے اور اس کا معاوضہ کسی مخلوق
سے بھی نہ طلب کرنا چاہئے اگرچہ وہ مخلوق نبی یا فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ اس لئے
کہ خدا نے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اُسی کی عبادت کریں اور عبادت کو اُسی کے لئے
جے میں خالص رکھیں۔

خصوص عبادت اسلام ہے

یہی وہ دین ”اسلام“ ہے جسے دیکر اللہ نے اپنے تمام اگلے پچھلے رسول بھیجے۔ جس کے
علاوہ کوئی اور دین وہ کسی سے قبول نہیں کریگا :
وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (۳ : ۱۷)
جو کوئی ”اسلام“ کے علاوہ کسی دین کی پیروی کریگا تو
اس سے یہ برگزیدہ مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں نقصان
اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

نوح و ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے پیروست کے
سب اسی اسلام پر تھے۔ نوح نے اعلان کیا تھا :
وَإِذْ يَرْثُ أَنَّ أَكُونُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (۱۱ : ۱۳)
مجموعہ علم ماسک کہ مسلمان ہوں۔
ابراہیمؑ کی بابت فرمایا :
وَمَنْ يَرْغَبْ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ فَلَا

ابراہیمؑ کی مِلّت سے وہی منہ پھیرتا ہے جو بیوقوف

ہے، ہم نے اُسے دنیا میں امتیاز دیا اور وہ آخرت میں
صالحین میں سے ہے، جب اُسکے رب نے اُس سے
کہا فرما نبردوار ہو اُس نے کہا میں۔ رب العالمین کا
فرما نبردوار ہو گیا۔

مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاكَ
فِي الدُّنْيَا وَدَلَّاهُ فِي الْآخِرَةِ لَمَنِ
الصَّالِحِينَ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ
قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ - (۱۶: ۱)

پھر ابراہیم و یعقوب نے اپنی نسلوں کو اسی دین کی وصیت کی :

ابراہیم اور یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ اے
میرے بچو خدا نے تمہارے لئے دین کو چن دیا ہے
پس تم اسلام کی حالت ہی میں مرنا۔

وَوَضَّيْنا بِحَبْرٍ اِبْرٰهٖمَ بَنِيْهِ وَ
يَعْقُوْبَ يَا بَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمْ
الدِّينَ فَلَا تَمُوْنُ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ -

(۱۶: ۱)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا :

اے قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اُسی پر بھروسہ
کرو اگر تم فرما نبردوار ہو۔

يَا قَوْمِ اِنَّ لَكُمْ اٰمَنًا بِاللّٰهِ تَعْلِيْمٌ
تَوَكَّلُوْا اِنَّ لَكُمْ مِّنْهُ مَسٰلِيْنَ - (۱۷: ۱۱)

ساحروں نے ایمان لانے کے بعد دعا کی تھی :

اے رب ہم پر صبر عطا کر اور ہمیں فرما نبرداری میں وفات
دے۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَ تَوَفَّنَا
مُسْلِمِيْنَ - (۱۷: ۹)

یوسف کی مناجات ہے :

مجھے اطاعت کی حالت میں وفات دے اور صالحین
میں سے کر دے۔

تَوَفَّنِيْ مُّسْلِمًا وَ الْحَقِّقْ بِيَ الصَّالِحِيْنَ -
(۱۸: ۱۳)

خواریں کے بارے میں فرمایا :

جب میں نے خواریوں پر وحی کی کہ مجھ پر اور میرے
رسولوں پر ایمان لاؤ تو انھوں نے کہا ہم ایمان لائے

وَ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلَى الْخَوَارِیِّیْنَ اَنْ
اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَ

اور گواہ محمد کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

اَشْهَدُ بَاکِنًا مُسْلِمُونَ - (۵: ۷)

اسلام دو بنیادوں پر ہے

دینِ فطرۃ اسلام کی بنیاد دو چیزوں پر ہے : اللہ واحد کی بلا شرکت غیر عبادت کرنا اور اُن طریقوں پر کرنا جو خود اُس نے مقرر کر دئے ہیں۔ یعنی جن طریقوں کو انبیاءؑ نے واجب یا مستحب ٹھہرایا ہے انھیں پر خدا کی پرستش کرنا چاہئے۔ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاءؑ آئے اور عبادت کے مختلف طریقے لائے، جو سب اپنے اپنے زمانوں میں اسلام تھے، جب توراة قائم تھی، انجیل نافذ تھی تو اس وقت اُنکی پابندی کرنے والے مسلمان تھے اسی طرح جب ادائل اسلام میں نبی صلعم بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو یہی اسلام تھا، پھر جب کعبہ کی طرف رخ کر نیکا حکم ہوا تو یہ اسلام ہو گیا اور اسکے بعد بیت المقدس کی طرف منہ کرنا اسلام سے خروج قرار پایا۔

پس نبی صلعم کی بعثت کے بعد جو کوئی شریعت محمدیہ کے واجبات و مستحبات کے بموجب خدا کی عبادت نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں ہے۔ پھر تمام واجبات و مستحبات میں ضروری ہے کہ خاص رب العالمین ہی کیلئے ہوں، فرمایا :

انھیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں غاص کر کے عبادت (سب سے) پھرے ہوئے اور زکوٰۃ دیں اور یہی قائم رہنے والوں کا دین ہے۔

وَمَا أَمْرُوآ إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ - (۲۳: ۳۰)

اور سہ رمایا :

ہم نے تم پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے پس اللہ کی عبادت کر غاص کر کے اسی کیلئے عبادت، خبردار اسی کیلئے غاص عبادت ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْخَالِقِ قَاعِبِدِ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ' أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ -

پس مسلمان جو بھی واجب یا مستحب عبادتیں کرتا ہے مثلاً ایمان، عباداتِ بدنیہ والیہ، محبتِ خدا و رسول، بندوں سے نیکی، تو ان سب میں اُسے یہی حکم ہے کہ صرف رضا، الہی پیش نظر رکھے اور کسی مخلوق سے بھی کسی طرح کے معاوضہ کی خواہش نہ کرے چاہے وہ معاوضہ مادی نفع کی صورت میں ہو یا دعا وغیرہ ہو، کیونکہ یہ خدا کو پسند نہیں۔

راہِ مخلوق سے اسکے سوا سوال کرنا تو نہ واجب ہے نہ مستحب، بجز بعض موقعوں کے اور مسئلہ کو حکم ہے کہ سوال سے پہلے ہی دیدے۔ اگر مومنین کو مخلوق سے سوال کرنا حکم نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدرجہ اولیٰ اس سے دور ہو گئے جو کہ افضل خلق اور غیر اللہ سے سب سے زیادہ مستغنی ہیں، کیونکہ مخلوق سے سوال کرنے میں تین خرابیاں ہیں: غیر اللہ کی طرف احتیاج جو شرک کی قسم ہے، مسئلہ کی ایذا دہی جو ظلم خلق کی قسم سے ہر، غیر اللہ کے سامنے عاجزی اور یہ ظلم نفس کی قسم سے ہے۔ پس سوال میں تینوں قسم کے ظلم موجود ہیں اور خدا نے اپنے رسول کو اس سے پاک رکھا ہے۔

راہِ امت کو خدا کا حکم کہ رسول کے لئے دعا کریں تو یہ بھی منجملہ ان حکموں کے ہیں جن سے خود امت کو نفع ہوتا ہے، مثلاً تمام واجبات و مستحب عبادات و احکام کہ چو امت ہی کے نفع کیلئے ہیں، خدا کو ان سے کوئی فائدہ نہیں۔ بلاشبہ مسلمانوں کی دعا سے رسول اللہ کو فائدہ ہوتا ہے مگر یہ ویسا ہی فائدہ ہے جیسا آپ کی بتائی ہوئی دوسری عبادات و اعمال صالحہ پر مسلمانوں کے عمل سے آپ کو ہوتا ہے، کیونکہ راہِ راست دکھانے والے کو اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا اُس راہ پر چلنے والے کو۔ صحیح بخاری میں ہے کہ فرما: من دعى الى هدى

كان له من الاجر مثل اجور من اتبعه من غير ان ينقص من اجورهم شيئاً (جس نے کسی ہدایت کی طرف دعوت دی تو اُسے ان لوگوں کے برابر ثواب ملتا ہے جو اُس پر چلتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے ثواب میں کچھ بھی کم ہو)۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اپنی امت کو راہِ راست دکھائی ہے اس لئے امت کی تمام نیکیوں کا ثواب آپ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

بکچھ خدا کیلئے ہونا چاہیے

سوال کی ضرورتیں

امت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا

یہی وجہ ہے کہ سلف صالح اپنے اعمال کا ثواب آپکو ہدیہ نہیں کرتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ
غیر ہدیہ کے بھی آپ کو انھیں کے برابر ثواب مل جاتا ہے۔ لیکن والدین کی حالت یہ نہیں ہے
انھیں اولاد کے تمام اعمال کا ثواب نہیں ملتا بلکہ ان کی دعا و غصیہ سے نفع حاصل ہوتا ہے
جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے: اذا مات ابن آدم انقطع عمله الا من ثلاث: صدقة جارية
وعلم ينتفع به وولد صالح يدعو له، جب ابن آدم مر جاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے
بجز (اُسکی) تین چیزوں کے: جاری رہنے والا صدقہ، نفع بخش علم، اولاد صالح جو اُس کے
لئے دعا کرے۔

پھر نبی صلم نے امت سے دعا کی جو طلب کی ہے وہ حکم و ترغیب ہے، سوال نہیں
ہے۔ چنانچہ ہمیں حکم دیا ہے کہ آپ پر صلوٰۃ و سلام بھیجا کریں اور خود خدا نے بھی ہمیں حکم
دیا ہے: صَلُّوا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (۲۲: ۴) اُس پر درود پڑھو اور خوب سلام
بھیجو۔ اسی طرح آپ نے حکم دیا ہے کہ آپ کے لئے ”وسیلہ“ و ”مفضیلہ“ و ”مقام محمود“
کی دعا کریں جیسا کہ صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ نبی صلم نے فرمایا: اِذَا
مَعَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَیْهِ فَاِنَّهُ مِنْ صَلَی عَنَّا مَرَّةً صَلَّی اللّٰهُ
عَلِیْهِ عَشْرًا ثُمَّ صَلُّوا اللّٰهُ لَی الْوَسِیْلَةِ فَاِنَّهَا دَرَجَةٌ فِی الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِیْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ
عِبَادِ اللّٰهِ وَادْعُوْهُ اِنْ اَنْذَرَ لَكَ الْعَبْدُ فَمَنْ سَأَلَ اللّٰهُ لَی الْوَسِیْلَةِ حَلَّتْ عَلَیْهِ
شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ، جب مؤذن کو سنو تو دیر سا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے پھر مجھ
پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے خدا اُس پر دس دفعہ درود
بھیجتا ہے پھر میرے لئے ”وسیلہ“ طلب کرو، اور وہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ
کے بندوں میں سے ایک ہی بندے کے لئے سزاوار ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ
بندہ میں ہی ہوں، جس نے میرے لئے ”وسیلہ“ طلب کیا اُس کے لئے قیامت میں میری
شفاعت حلال ہو گئی (صحیح بخاری میں جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

من قال حين سمع النداء: اللهم رب هذا الدعوة النامة والصلوة القائمة،
أت محمد الوسيلة والفضيلة والدرجة الرفيعة وابعثه مقاماً محموداً
الذي وعدته انك لا تخلف الميعاد حلت له شفاعتي يوم القيامة“
(جس نے اذان سن کر کہا: اے خدا رب اس دعوت تامہ اور صلوة قائمہ کے، محمد کو
وسیلہ و فضیلہ و درجہ رفیعہ دے اور اُسے مقام محمود میں اٹھا کہ جس کا تو نے اُس سے
وعدہ کیا ہے، تو وعدہ خلاف نہیں کرتا، تو اُس کے لئے قیامت میں میری شفاعت
حلال ہو گئی)۔

اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جو احمد و ابو داؤد و ترمذی و ابن ماجہ نے
روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے نبی صلعم سے عمرہ کی اجازت چاہی تو اجازت دی اور
فرمایا: لا تنسنا یا اخی من دعا ُکَ (بھائی! اپنی دعا سے ہمیں فراموش نہ کرنا)
اس میں رسول اللہ صلعم نے حضرت عمرؓ سے دعا کی اسی طرح خواہش کی ہے جس طرح
باقی امت سے اپنے لئے صلوة و سلام اور وسیلہ و فضیلہ و درجہ رفیعہ کی طلب اور
خود جملہ اعمال صالحہ کرنے کی خواہش کی ہے، جس سے مقصود خود دعا کرنے والے کا
نفع اور اس پر احسان ہے اور خود آپ کو بھی امت کو نیکی کی تعلیم و حکم سے اور مسلمانوں کے
اعمال صالحہ و دعا سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اسی قبیل سے ایک شخص کا آپ سے یہ سوال
بھی ہے کہ میں آپ پر بہت زیادہ درود پڑھتا ہوں، بتلائیے اس میں سے کس قدر آپ کو
بخشا کروں؟ فرمایا ”جتنا بھی چاہو“ عرض کیا چوتھائی؟ فرمایا ”جتنا چاہو اور اگر
زیادہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے“ عرض کیا تو نصف؟ فرمایا ”جتنا چاہو“
اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے“ عرض کیا اچھا دوثلث؟ فرمایا
”جتنا چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے“ اسی قبیل سے ایک شخص کا
یہ سوال بھی ہے کہ میں آپ کے لئے بہت دعا کرتا ہوں، بتلائیے کتنے درود پڑھا کروں؟

رسول اللہ ﷺ کا کہنا ہے خود امت کو نفع ہوتا ہے

فرمایا "جتنے چاہو" کہا ایک چوتھائی ؟ فرمایا "جتنے چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے" عرض کی تو نصف ؟ فرمایا "جتنے چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے" عرض کی اچھا دو ثلث ؟ فرمایا "جتنے بھی چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے لئے بہتر ہے" کہا تو میں آپ کے لئے اپنی پوری دعا کئے دیتا ہوں۔ فرمایا "تو تیری پریشانی دور اور گناہ معاف ہو گئے" (احمد و ترمذی)۔ شیخ نے دعا کیا کرتا تھا، جب اُس نے دعا کی جگہ درود کو دیدی تو اللہ نے اس کی دنیا و آخرت کی پریشانیاں دور کر دیں۔ کیونکہ جو کوئی نبی صلعم پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے خدا اُس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے۔ اگر کسی ایک مسلمان کے حق میں دعا کر نیکی یہ فضیلت ہے کہ فرشتے کہنے لگتے ہیں: "آمین والک بمثلہ" (آمین! اور تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو) تو نبی صلعم کے لئے دعا کا جو درجہ ہو گا، ظاہر ہے۔

اگر کوئی کسی سے کہے میرے لئے دعا کرو، اور نیت یہ ہو کہ خود دعا کرنے والے کو اپنی دعا سے نفع و ثواب ہو، نیز کہنے والے کو بھی اپنی اس نیک تعلیم کا اجر ملے، تو ایسا شخص بلا شک نبی صلعم کے نقش قدم پر چلنے والا ہے اور اُس کا یہ سوال کسی طرح بھی قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن اگر نیت یہ نہ ہو، خود دعا کر نیوالے کے نفع کا خیال نہ ہو، محض اپنی غرض پیش نظر ہو، تو ایسا شخص اس بارے میں نبی صلعم کے نقش قدم پر چلنے والا نہیں اور اُس کا یہ سوال ناپسندیدہ اور قابلِ اعتراض ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول ص کی طرف رغبت کی وجہ سے ترک سوال اس سے کہیں افضل ہے کہ مخلوق کی طرف رجوع و رغبت و حاجت ہو۔ لیکن زندوں سے اس طرح کا سوال ممنوع نہیں جائز ہے۔

برخلاف اسکے میت سے سوال نہ مشروع ہے نہ واجب نہ مستحب بلکہ مباح بھی نہیں اسے صحابہ و تابعین میں سے کسی نے بھی اختیار نہیں کیا نہ سلف صالح میں سے کسی نے مستحب بتایا کیونکہ اس میں مضرت زیادہ ہے اور کوئی بڑی مصلحت نہیں۔ شریعت کا یہ عام

اس طرح دعا چاہنا مطابقت سنت ہے:

سوال کوئی ممنوع ہے:

اصل ہے کہ وہ خالص یا رائج مصالح ہی کا حکم دیتی ہے، سوال میں کوئی بھی رائج مصلحت نہیں بلکہ وہ یا تو خالص مضرت ہے یا رائج مضرت، اور یہ دونوں غیر مشروع ہیں۔

یہ واضح ہو چکا کہ نبی صلعم کا دوسروں سے اپنے لئے دعا چاہنا، اُنہیں احسان کیلئے تھا جو واجب ہے یا مستحب۔ اسی طرح جنازہ پر نماز اور قبورِ مومنین کی زیارت، اُن پر سلام اور اُن کیلئے دعا، مردوں پر احسان کیلئے ہے جو واجب ہے یا مستحب۔

خدا نے مسلمانوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ نماز دنیا و آخرت میں خدا کا حق ہے اور زکوٰۃ مخلوق کا حق ہے۔ رسولؐ نے لوگوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی بجا آوری کا حکم دیا ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کریں اور اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں۔ اور اللہ کی عبادتوں میں ایک عبادت مخلوق پر احسان بھی ہے کیونکہ خدا نے اس کا حکم دیا ہے مثلاً نماز جنازہ اور زیارتِ قبور۔ لیکن شیطان نے اپنے پیروں کو گمراہ کر دیا ہے اور اس نیکی کو خالق کے ساتھ شرک اور مخلوق کی ایذا ہی میں تبدیل کر دیا ہے کیونکہ جب وہ انبیاء اور صالحین کی قبروں کی زیارت محض اسلئے کرتے ہیں کہ اُن سے سوال کریں یا اُن کے پاس سوال کریں یا یہ کہ اس زیارت سے اُن کا مقصود نماز جنازہ کی طرح مردہ پر سلام و دعا نہیں ہوتا، تو اپنے اس عمل میں مشرک ہوتے ہیں، جن سے سوال کرتے ہیں، انھیں تکلیف دیتے ہیں اور خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ اس طرح تینوں قسموں کے ظلم جمع کر لیتے ہیں۔

اللہ اور اُسکے رسولؐ نے جو مقرر کیا ہے وہ توحید ہے، عدل ہے، احسان ہے، اخلاص ہے، بندوں کیلئے دنیا و عقبیٰ میں صلاح و فلاح ہے۔ اور اللہ اور اُسکے رسولؐ نے من گھڑت عبادتوں میں سے جو مقرر نہیں کیا، ایسے شرک ہے، ظلم ہے، ایذا ہے، بندوں کیلئے دنیا و عقبیٰ میں فساد و خسران ہے۔ چنانچہ خدا نے مومنین کو اپنی عبادت اور اپنے بندوں سے نیک سلوک کا حکم دیا ہے۔ فرمایا :

زیارتِ قبور مردوں پر احسان کیلئے ہے

خدا نے کس چیز کا حکم دیا ہے :

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا
وَيَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا قُرْبَىٰ
خدا کی پرستش کرو، اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی
شریک نہ بناؤ، والدین اور رشتہ داروں سے
ایچھا برتاؤ کرو۔ (۳۰: ۵)

یہی مکارمِ اخلاق ہیں کیونکہ خدا مکارمِ اخلاق پسند کرتا ہے اور بُرے اخلاق
ناپسند کرتا ہے۔ نبی صلعم نے فرمایا: بعثت لاتمّم مکارمِ الاخلاق، (میں اسلئے
بھیجا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق پورے کروں) صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: الید العلیا
خیر من الید السفلی، (بلند ہاتھ پست ہاتھ سے بہتر ہے) اور فرمایا: الید العلیا
هی المعطیة والید السفلی السائلة، (بلند ہاتھ دینے والا ہاتھ ہے اور پست ہاتھ
مانگنے والا ہے)۔ کہاں یہ طریقہ محمدی، بندوں پر احسان، اور کہاں سوال کر کے مخلوق
کی ایذا دہی اور دریوزہ گری؟ کہاں صرف ایک اکیلے خدا کی طرف رجوع، رغبت،
امید، توکل کے ذریعہ سے توحیدِ خالص کا نمونہ بننا، اور کہاں مخلوق کی طرف رجوع،
رغبت، امید، اعتماد، اور غیر اللہ سے خدا کی سی محبت کر کے خالق کے ساتھ شرک کرنا؟

کہاں اللہ کی غلامی، اُسی کے آگے زاری، اُسی کی محتاجی، اور کہاں مخلوق کی غلامی،
اُس کے آگے زاری، اُسی کی محتاجی؟ دونوں کب برابر ہو سکتے ہیں؟ رسول اللہ صلعم نے
ان تینوں محمود و مستحسن باتوں کا حکم دیا ہے جو دنیا و آخرت میں انسان کی بھلائی اور
بہتری کی ذمہ دار ہیں اور ان تینوں ذلیل و فاسد باتوں سے منع کیا ہے جو انسان کو
پستی و خواری کی طرف دھکیلتی ہیں۔ لیکن شیطان، رسول کی راہ سے بھٹکتا اور
کجروی کا حکم دیتا ہے۔ فرمایا:

اَلَمْ اَعْمَدْ لَكُمْ يَابْنِي اَدَمَ
اَنْ لَا تَعْبُدَ الشَّيْطَانَ اِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ
کیا میں نے تمہیں حکم نہ دیا تھا کہ شیطان
کو نہ پوجو (کیونکہ) وہ تمہارا علانیہ دشمن ہے

اور یہ کہ میری عبادت کرو! یہی سیدھی راہ ہے،
البتہ شیطان نے تم میں سے ایک بڑی خلقت کو
گمراہ کیا، کیا تم نہیں سمجھتے۔

مُسَبِّحٌ ۖ وَآيِنَ اَعْبُدُ ذِي هٰذَا صِرَاطٌ
مُسْتَقِيمٌ ۚ وَلَقَدْ اَصْلَحْنَا مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيرًا
اَ فَلَمَّا تَكَوَّنُوا تَعْوَلُونَ - (۲۳: ۳۰)

اور سہرا یا :

میرے بندوں پر تجھے کچھ بھی اختیار نہیں، بجز اُن
کے جو گمراہ ہوں میں سے تیری پیروی کریں۔

اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ
اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِيْنَ - (۱۴: ۳)

اور سہرا یا :

جب قرآن پڑھو تو مرد و دشیطان سے خدا کی پناہ
مانگو، اُسے اُن پر ذرا بھی قدرت نہیں جو ایمان
لائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، اسکا
اختیار صرف اُن لوگوں پر ہے جو اُس دوستی
رکھتے اور اس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۚ اِنَّهُ لَيْسَ لَهُ
سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ
يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ اِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِيْنَ
يَتَوَكَّلُوْهُ ۚ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِمُشْرِكُوْنَ -

(۱۴: ۱۳)

اور سہرا یا :

جو کوئی رحمن کی یاد سے اعراض اختیار کرتا ہے
ہم اُس کیلئے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں
جو اسکا ہمنشین ہوتا ہے، البتہ وہ انھیں سیدھی
راہ سے ہنکرتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ وہ
راہ راست پر ہیں۔

وَمَنْ يَّعِشْ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ تُفْقِتْ
لَهُ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهُ قَرِيْنٌ ۚ وَاِنَّهُمْ
لَيَصُدُّوْهُمْ عَنْ السَّبِيْلِ وَيَكْثِبُوْنَ
اَنَّهُمْ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ -

(۲۵: ۱۰)

رحمن کا ذکر دہی ہے جو اللہ نے اپنے رسول پر اُتارا ہے۔ فرمایا :

اِنَّا نَعْنُوْا نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَآ

ہیں۔

تمہارے پاس سیری طرف سے ہدایت آئے گی
جو اس ہدایت پر چلیگا وہ نہ گمراہ ہوگا نہ بدبختی
میں پڑیگا، اور جو میرے ذکر سے نہ پھیرے
اسکی معیشت ضرور تنگ ہوگی اور ہم اُسے
قیامت میں اندھا اٹھائینگے، وہ کہیگا اے
رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا حالانکہ
میں آنکھوں والا تھا؟ جواب ملیگا ہاں جس
طرح تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں اور تو
انہیں بھول گیا اُسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائیگا

لَحَافُظُونَ - (۱۰۱۳)

فَاِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رَتْنٌ هُدًى فَمَنْ تَبَعَ
هُدًى فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى، وَمَنْ
اَعْوَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهُ مَعِيشَةً
ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَعْمًى،
قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمًى وَقَدْ كُنْتُ
بَصِيْرًا، قَالَ كُنْ لَكَ اَيَاتُنَا
فَنَسِيْتَهَا وَكُنْ لَكَ الْيَوْمَ تُنْفَى -
(۱۶ : ۱۶)

اور فرمایا :

کتاب کہ تیری طرف اتاری گئی ہے تیرے دل
میں اس سے شکی نہ ہو تاکہ تو اُس سے ڈرائے (اور
تاکہ وہ ہو نصیحت مومنین کیلئے، اسکی پیروی کرو
جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے اتارا
گیاہے اور اسکے اسوا اور مددگاروں کی پیروی
نہ کرو۔

الْمَقْرَأَ، كِتَابٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ كَلَامَ كُنْ
فِيْ صَدْرِكَ خَرَجَ مِنْهُ لِيُنْذِرَ بِهِ
وَذِكْرًا لِّلْمُؤْمِنِيْنَ، اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ
اِلَيْكُمْ مِنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ
دُوْنِهِ اَوْ لِيَاْءَ قَدِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ -
(۸ : ۸)

کتاب جسے ہم نے تیری طرف اتارا ہے تاکہ تو
لوگوں کو تار کیوں سے روشنی میں، ان کے رب
کے حکم سے عزیز حمید کی سیدھی راہ کی طرف نکال
لائے، اللہ وہی ہے جسکا وہ سب کچھ ہے جو

كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِيُخْرِجَ النَّاسَ
مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ
اِلَى صِرَاطٍ مُّعْزِزٍ الْحَمِيدِ، اللّٰهُ الَّذِي
لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

وَذِيلُ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ - (۱۳: ۱۳)

آسمانوں اور زمین میں ہے، اور کافروں کے لئے سخت عذاب سے ہلاکت ہے۔

وَكَذَٰلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا لَمَّا كُنْتَ خَدِيْعًا مَّا الْكَتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ وَلَٰكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنِ مَّشَاءَ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّا لَنَهْدِيهِ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنَّا إِلَى اللَّهِ نَصِيرُ الْاُمُورُ - (۶: ۲۵)

اسی طرح ہم نے تیری جانب اپنے معاملہ میں سے ایک روح پوشیدہ بھیجی، تو نے جانتا تھا کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے، لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا ہے تاکہ اسکے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جسکی چاہیں ہدایت کریں، تو البتہ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے یعنی اللہ کی راہ کی طرف کہ جبکہ وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں اور جو زمین میں ہیں، اُن اُسی کی طرف سب کچھ پھر جاتا ہے۔

صراطِ مستقیم وہی ہے جسپر خدا نے اپنے رسولؐ کو بھیجا۔ پس وہی کیا جائے جسکا اُس نے حکم دیا ہے اور اُسے چھوڑا جائے جس سے اُس نے منع کیا ہے، اُسکے رسولؐ کی جملہ باتوں میں تصدیق کی جائے۔ یہی صراطِ مستقیم ہے، یہی اولیا، اللہ المتقون کا راستہ ہے، یہی حزب اللہ المفلمون کا طریقہ ہے، یہی جُند اللہ الغالبون کا دستور العمل ہے۔ جو اس کے خلاف ہے گمراہی ہے، ضلالت ہے، گمراہوں کا راستہ ہے، غاسروں کی راہ ہے، جس سے اللہ نے اپنے نبیؐ کو الگ رکھا ہے :

وَالْجَبْمُ إِذَا هَوَىٰ مَا عَنَلْ مَا جَبْمُكَوْ مَا عَوِيْءٌ وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ - (۵: ۲۴)

قسم تارے کی جب ڈوبے، تمہارا ساتھی نہ ہو کہ گمراہی اور نہ راہ سے پھرے، وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتا، (وہ جو کچھ بولتا ہے) وہ صرف وحیؐ ہے جو اُس پر آتی ہے۔

خدا نے میں تکم دیا ہے کہ اپنی نمازوں میں کہیں :

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ
أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ
وَلَا الضَّالِّينَ « (سورہ فاتحہ)

گمراہ -

ہمیں سیدھی راہ دکھا، اُن کی راہ جن پر تو نے
احسان کیا نہ وہ جن پر غضب ہوا ہے اور نہ

ترمذی وغیرہ نے عدی بن حاتم سے روایت کیا ہے کہ نبی صلم نے فرمایا یہود،
مغضوب علیہم ہیں اور نصاریٰ ضالون ہیں۔ سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ سلف کہتے
تھے ہمارے عالموں میں سے جو بگڑ جائے اُس میں یہودیوں کی نحو بُہ ہے اور ہمارے عابدوں
میں سے جو بہک جائے اُس میں عیسائیوں کی نحو بُہ ہے! علماء سلف امت کو ڈرایا کرتے
تھے کہ ”فاجر عالم اور جاہل عابد کے فتنے سے بچو کیونکہ ان کا فتنہ ہر کمزور کیلئے فتنہ ہے!“
جس نے حق جانا اور جاننے کے بعد اُس پر عمل نہ کیا وہ یہود کے مشابہ ہے جنکے بارے
میں خدا نے فرمایا :

أَتَا مُرُودَنَ النَّاسِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَتَّبِعُونَ الْفِتْنَةَ
وَأَنْتُمْ تَنْتَهُنَّ أَلَيْسَ الْكُفَّارُ بِالْمُؤْمِنِينَ (۵: ۱)

اور جس نے بغیر علم، مگر غلو و شرک کے ساتھ عبادت کی وہ نصاریٰ کے مشابہ ہے جن
کے بارے میں خدا نے فرمایا :

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ
قَبْلُ وَآخِذُوا بِكَيْدٍ وَصَلُّوا عَنِ
سُورَةِ السَّبِيلِ - (۱۵: ۶)

پہلے اصحاب غی ہیں اور دوسرے اصحاب ضلالت - غی، نفس کی پیروی ہے

اور ضلالت عدم ہوتی - فرمایا

اصل میں سبط ہے، عبارت میں تحریر ہو گئی ہے، قرینہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید ”ہدی“ ہو۔

یہود و نصاریٰ کی مشابہت

فاجر عالم اور جاہل عابد

ان پر اس شخص کا قصہ پڑھ جسے ہم نے اپنی نشانیاں
 دیں مگر وہ ان سے بھل گیا پس شیطان اُس کے
 پیچھے لگا اور وہ گمراہوں میں سے ہو گیا، اور اگر
 ہم چاہتے تو اُسے نشانیوں کے ساتھ بلند کرتے
 لیکن وہ زمین کی طرف لگ گیا اور اپنی خواہش
 کا پیرو ہوا، پس اسکی مثال کئے کی مثال ہے
 جسپر اگر بوجھ رکھو تو زبان اُٹھ جائے اور اگر
 اسے چھوڑ دو تو زبان ٹکادے، یہ مثال اُس قوم
 کی ہے جسے ہماری نشانیاں جھٹلا دیں، پس
 انھیں قصے سننا شایذ وہ ہو چیں۔

وَأَنشَأْنَا عَلَيْهِمُ نَبَأَ الَّذِي أُتْبِعْنَاهُ
 أَيَاتِنَا فَاسْتَحْمَلَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ
 فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ، وَتَوَّضَعْنَا لَكَ فَتَنَاهُ
 بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ
 هَوَاهُ، فَمَثَلُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ، إِنِ
 تَحْمِلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَضْرِبْكُمُ
 يَلْهَثُ، ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ
 كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصُصِ
 الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ۔

(۱۲ : ۹)

اور نہ فرمایا :

میں اپنی نشانیاں سے عنقریب ان کو گونگو پھیر
 دوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، وہ اگر
 نشانیاں دیکھیں جب بھی ایمان نہ لائیں، اور
 اگر بھلائی کی راہ دیکھیں تو اُسے اپنی راہ نہ بنائیں
 اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اُسے راہ بنالیں، یہ
 اسلئے کہ انھوں نے ہماری نشانیاں جھٹلا دیں اور
 اُن سے غافل رہے۔

سَاَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ
 فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ، وَإِنْ يَسِيرُوا
 كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا كَأَن يَرَوْا
 سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُونَ سَبِيلًا، وَ
 إِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُونَ سَبِيلًا،
 ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا
 غَافِلِينَ۔ (۱۲ : ۹)

پس جس میں غی و ضلالت دونوں جمع ہو گئے وہ ہود و نصاریٰ دونوں کے مشابہ ہو گیا۔
 خدا سے دعا ہے کہ ہمیں اور ہمارے سب بھائیوں کو اُس راہ کی طرف لیجاوے جو انبیاء و صدیقین
 شہداء اور صالحین کی راہ ہے ! (آمین)۔

باب (۲)

لفظ ”وسیلہ“ کے مختلف افعال

اس تفصیل سے واضح ہوا کہ لفظ ”وسیلہ“ میں اجمال و اشتباہ ہے، اُسکے معانی کا سمجھنا اور ہر معنی کو اُسکی جگہ میں رکھنا ضروری ہے۔ کتاب و سنت میں اُسکا استعمال ہوا ہے تو کن معانی میں ہوا ہے؟ صحابہؓ نے اُسے بولا ہے، اُسپر عمل کیا ہے تو کون سے معنی مراد لئے ہیں؟ بعد کے لوگوں نے اُسے اپنی زبانوں سے نکالا ہے تو کیا معنی مراد لئے ہیں؟ ان سب کا فرق جاننا بسا ضروری ہے۔ اس باب میں لوگوں کو زیادہ تر بدحواسی صرف الفاظ کے اجمال و اشتراک اور معانی کے عدم ضبط کی وجہ سے ہوئی ہے اور حق گم ہو کر رہ گیا ہے۔

قرآن میں لفظ ”وسیلہ“ دو آیتوں میں وارد ہے :

”وسیلہ“ قرآن میں

اے وہ جو ایمان لائے خدا سے درو اور اس کی طرف ”وسیلہ“ ڈھونڈو۔

(۱) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (۱۰: ۶)

کدے انہیں پکار رہیں تم خدا کے علاوہ خیال کئے بیٹھے ہو، تم سے نہ مصیبت اٹھا سکتے ہیں نہ بدل سکتے ہیں جنہیں یہ پکارتے ہیں (خود ہی) اپنے رب کی طرف ”وسیلہ“ ڈھونڈتے ہیں کونسا انہیں سے زیادہ نزدیک ہے اور اُسکی رحمت کی امید کرتے اور انکے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک میرے رب کا

(۲) كَلِمَ ادْعُوا الَّذِينَ رَعَيْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَلِمَتَ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْزِنُوا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا

(۶ : ۱۵) | عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔

پس اللہ کی طرف جس وسیلہ کا حکم دیا گیا ہے اور جسکے متعلق خبر آرہی ہے کہ ملائکہ و انبیاء و چاہتے ہیں، وہ وہی واجبات و مستحبات کے ذریعہ سے اُس ذات برتر سے تقرب ہے۔ پس یہ وسیلہ کی جسکی جستجو کا خدا نے مومنین کو حکم دیا ہے تمام واجبات و مستحبات کو شامل ہے، اور جو واجب و مستحب نہیں وہ ایمین داخل بھی نہیں عام اس سے کہ حرام ہو، مکروہ ہو یا مباح ہو، کیونکہ واجبات و مستحبات ہی وہ چیزیں ہیں جنکا رسولؐ نے جو ب یا استیجاب کے ساتھ حکم دیا ہے اور ان سب کی بنیاد اُس شریعت پر ایمان کو قرار دیا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لائے۔ بنا بریں وہ وسیلہ جسکے چاہنے کا خدا نے حکم دیا ہے تا مگر یہی ہے کہ رسولؐ کی پیروی کے ذریعہ سے تقرب حاصل کیا جائے، اسکے سوا خدا تک کسی کیلئے کوئی اور وسیلہ نہیں۔

لفظ ”وسیلہ“ احادیث میں آیا ہے مثلاً فرمایا : سَلُوا اللَّهَ لِي الْوَسِيلَةَ فَأَخَذَ

درجۃ فی الجنة لا تنبغي الا لعبد من عباد الله وارجو ان اكون انا ذلك العبد
فمن سأل الله لِي ”الوسيلة“ حلت عليه شفاعتي يوم القيامة، (میرے لئے
”وسیلہ“ طلب کرو اور وہ جنت میں ایک درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک
ہی بندے کیلئے سزاوار ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، جس نے
میرے لئے ”وسیلہ“ طلب کیا، اسکے لئے قیامت میں میری شفاعت حلال ہو گئی۔)

اور فرمایا : من قال حين يسمع النداء اللهم رب هذا الدعوة التامة والصلوة

القائمة آت محمدًا ”الوسيلة“ والفضيلة وابعثه مقاماً محموداً الذي وعدته

انك لا تخلف الميعاد، حلت له الشفاعة، (جس نے اذانِ شکر کہا : اے خدا

اِس دعوتِ تامہ و صلوة قائمہ کے رب! محمدؐ کو ”وسیلہ“ فضیلہ دے اور اُس مقامِ محمود میں اُسے

اٹھا جسکا تو نے اُس سے وعدہ کیا ہے، تو وعدہ خلاف نہیں کرتا، تو اُس کیلئے میری شفاعت

”وسیلہ“

روا ہو گئی) یہ وسیلہ خاص نبی صلم کیلئے ہے اور آپ نے ہمیں علم دیا ہے کہ ہم آپ کیلئے اُسکی دعا کریں اور خبر دی ہے کہ وسیلہ اللہ کے بندوں میں صرف ایک ہی بندہ کیلئے ہے اور امید ظاہر کی ہے کہ وہ بندہ آپ ہی ہوں۔ نیز بشارت دی ہے کہ جو کوئی آپ کیلئے یہ وسیلہ طلب کرے گا قیامت کے دن اُس کیلئے آپ کی شفاعت ہوگی، کیونکہ ثواب عمل کی جس سے ہوتا ہے، ہم رسول اللہ کیلئے دعا کریں گے تو آپ بھی ہمارے لئے دعا کریں گے، شفاعت بھی دعا کی قسم سے ہے، جیسا کہ فرمایا جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا خدا اُس پر دس دفعہ درود بھیجے گا۔

صحابہ کے کلام میں لفظ ”وسیلہ“ آیا ہے تو اس سے انکی مراد نبی صلم کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چلا رہا ہے۔

رہے بعد کے لوگ تو انہیں سے اکثر کی غرض یہ ہوتی ہے کہ خدا کو رسول اللہ کی قسم دلائیں یا آپ کی ذات سے وسیلہ چاہیں جیسا کہ دوسرے انبیاء و صالحین کے ساتھ کرتے ہیں۔

بنابرین لفظ وسیلہ کے تین مفہوم ہو گئے جنہیں سے دو باتفاق اہل اسلام صحیح ہیں اور تیسرا سنت میں کہیں وارد نہیں۔ پہلے دو صحیح معنی میں اول تو ایمان اسلام کی بنیاد ہے، یعنی نبی صلم کے ایمان و اطاعت کے ذریعہ سے وسیلہ چاہنا۔ اور دوسرا معنی آپ کی دعا و شفاعت ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ وسیلہ کی یہ دونوں صورتیں بلا نزاع جائز ہیں، اور اسی قبیل سے حضرت عمرؓ کا استسقا کے موقع پر یہ قول ہے: اللّٰھم

اِنَّا كُنَّا اِذَا اَجِدْنَا بَنًا تَوَسَّلْنَا بِكَ بِنَبِيِّنَا فَتَسْقِينَا وَاِنَّا تَوَسَّلْنَا بِكَ بَعْدَ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا (اے خدا واجب ہم قحط میں پڑتے تھے تو تیرے پاس اپنے نبی کا وسیلہ لاتے تھے، اب ہم تیرے پاس اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں ہمیں سیراب کر) یعنی عباسؓ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہتے ہیں۔ رہی آیت: وَابْتَغُوا

وسیلہ کا صحیح معنی
وسیلہ اللہ کے بندوں کے لئے

”وسیلہ“ کے کون کون سے معنی ہیں

اَلَيْهِ الْوَسِيْلَةُ“ (اُسکی طرف وسیلہ چاہو) تو اُس سے مراد یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کے ذریعہ سے تقرب چاہو، نیز اللہ کے رسول کی اطاعت کو وسیلہ بناؤ کیونکہ رسول کی اطاعت خود اللہ کی اطاعت ہے۔ فرمایا:

وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اطَاعَ اللّٰهَ | جس نے رسول کی اطاعت کی، اُس نے خدا کی
(۵ : ۸) | اطاعت کی۔

پس وسیلہ کی پہلی صورت دین کی جڑ ہے اور کوئی ایک مسلمان بھی اُسکا انکار نہیں کر سکتا۔ رہا آپ کی دعا و شفاعت کے ذریعہ سے وسیلہ جیسا کہ حضرت عمرؓ سے مروی ہے۔ تو یاد رہے وہ آپ کی دعا سے وسیلہ ہے نہ آپ کی ذات سے۔ اسی لئے وفات کے بعد آپ سے وسیلہ چاہنے کے بجائے آپ کے چچا عباسؓ کا وسیلہ چاہا گیا، ورنہ اگر آپ کی ذات سے وسیلہ جائز ہوتا تو ظاہر ہے آپ عباسؓ کے وسیلہ سے کہیں اولیٰ تھے۔ لیکن جب صحابہؓ نے وفات کے بعد آپ کا نہیں، عباسؓ کا وسیلہ چاہا تو معلوم ہوا کہ یہ چیز (دعا) جو آپ کی زندگی میں ہوتی تھی وصال کے بعد ناممکن ہو گئی، بخلاف اُس وسیلہ کے جو آپ کے ایمان و اطاعت کے ذریعہ سے ہے تو وہ ہمیشہ مشروع و موجود و مطلوب ہے۔

پس ”وسیلہ“ سے تین معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ پہلا یعنی آپ کی اطاعت سے وسیلہ، تو وہ فرض ہے اور اُسکے بغیر ایمان پورا نہیں ہو سکتا۔ دوسرا وسیلہ آپ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ ہے جو آپ کی زندگی میں تھا اور قیامت کے دن ہوگا۔ اور تیسرا وسیلہ خدا کو آپ کی قسم دلانا اور آپ کی ذات بیچ میں رکھ کر سوال کرنا ہے، تو اسے صحابہؓ نے کبھی نہیں کیا، نہ استسقا میں نہ کسی اور موقع پر، نہ آپ کی زندگی میں نہ وفات کے بعد نہ آپ کی قبر پر نہ کسی اور کی قبر پر، اور نہ انکی مشہور دعاؤں میں یہ کہیں وارد ہے۔ البتہ ضعیف، مرفوع و موقوف حدیثوں میں یا ایسے لوگوں سے یہ منقول ہے جو کسی طرح بھی حجت نہیں جیسا

”وسیلہ“ کے دو تین درجے ہیں

کہ انشاء اللہ آئندہ مذکور ہو گا۔

امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب

یہی امام ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے کہ اس طرح کا وسیلہ بنانا جائز نہیں، بلکہ اس سے منع کیا ہے اور کہا ہے کہ کسی مخلوق کی بھی ذات کو درمیان میں ڈال کر سوال کرنا یا کہنا ”اے خدا میں تیرے انبیاء کے حق کا تجھے واسطہ دیتا ہوں....“ جائز نہیں جیسا کہ ابو الحسینؒ قدوری نے اپنی کتاب شرح الکفری میں ذکر کیا ہے۔ بشر الولید نے ابو یوسفؒ سے روایت کی ہے کہ ابو حنیفہؒ ہم سے کہا کرتے ”کسی کیلئے خدا سے بجز اسکی ذات کے حوالہ سے دعا روا نہیں“ میں دعائیں ”بحق خلقک“ کہنا ناپسند کرتا ہوں“ اور یہی قول ابو یوسفؒ کا بھی ہے، وہ کہتے ہیں ”میں دعائیں ”بحق فلان“ اور ”بحق انبیاءک ورسلاک و بحق المبدیت الحرام و بمشعر الحرام“ رفاں کے حق سے یا تیرے نبیوں اور رسولوں کے حق سے اور خانہ کعبہ اور مشعر حرام کے حق سے کہنا ناپسند کرتا ہوں۔“ قدوری کا قول ہے ”خدا سے اسکی مخلوق کا واسطہ دیکر سوال کرنا جائز نہیں کیونکہ کسی مخلوق کا بھی خالق پر کوئی حق نہیں“ ابو حنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے اس قول (یعنی مخلوق کے ذریعہ دعا جائز نہیں) کے دو معنی ہیں جنہیں سے ایک پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ کسی کیلئے جائز نہیں کہ مخلوق کی قسم کھائے یا دلاے، پس اگر کسی مخلوق کیلئے یہ روا نہیں تو خالق کو مخلوق کی قسم دلانا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہو گا۔ لیکن خود خدا کا اپنی مخلوق کی قسم کھانا اس سے مختلف ہے جیسا کہ قرآن میں متعدد جگہ خدا نے رات، دن، آفتاب، ستاروں وغیرہ کی قسم کھائی ہے کیونکہ اس سے مقصود ان نشانیوں کی یاد دہانی ہے جو اسکی قدرت و حکمت و وحدانیت پر دلالت کرتی ہیں۔ برخلاف اسکے مخلوق کا مخلوق کی قسم کھانا خالق کے ساتھ شرک ہے جیسا کہ کتب سنن میں مروی ہے کہ فرمایا: ”من حلف بغیر اللہ فقد اشرک“ (جس نے غیر اللہ کی قسم

کھائی، اُسے شرک کیا) ایک روایت میں ”فقد اشرك“ کے بجائے ”فقد كفر“ ہے۔
 صحیحین میں ہے کہ فرمایا: ”من كان حالفًا فليحلف بالله“ (جسے قسم کھانا ہے خدا کی قسم کھائے) اور فرمایا: ”لا تخلفوا بآبائكم فان الله ينهاكم ان تخلفوا بآبائكم“
 (اپنے آباؤ اجداد کی قسم نہ کھاؤ کیونکہ خدا تمہیں اپنے آباؤ اجداد کی قسم کھانیسے منع کرتا ہے)
 اور فرمایا: ”من حلف باللات والعزى فليقل لا اله الا الله“ (جس نے لات عزیٰ
 ربت ہیں) کی قسم کھائی تو لا الہ الا اللہ کہے) تمام مسلمان متفق ہیں کہ جسے محرم مخلوقات
 (حقیقت میں بازم خود) مثلاً عرش، کرسی، کعبہ، مسجد حرام، مسجد اقصیٰ، مسجد نبویؐ،
 ملائکہ، صالحین، بادشاہوں، مجاہدین کی تلواروں، انبیاء و صالحین کی قبروں.....
 کی قسم کھائی، نہ اُسکی قسم واقع ہوئی نہ اُسپر کوئی کفارہ ہے۔

مخلوقات کی قسم کھانا جمہور علماء کے نزدیک حرام ہے۔ یہی ابو حنیفہؒ کا مذہب
 ہے اور یہی مذہب شافعیؒ و احمدیؒ میں ایک قول ہے اور اسی پر صحابہؓ کا اجماع بیان کیا
 جاتا ہے۔ بعضوں نے کہا ہے یہ مکروہ تنزیہی ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے،
 حتیٰ کہ عبد اللہ بن مسعودؓ، عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا ہے:

”ان احلف بالله كاذباً احب الى ان احلف بغير الله صادقاً“ (خدا کی جھوٹی قسم
 کھانا میں اپنے لئے غیر اللہ کی سچی قسم کھانے سے بہتر سمجھتا ہوں) اور یہ اس لئے کہ
 غیر اللہ کی قسم شرک ہے اور شرک جھوٹ سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہاں انبیاء و کی قسم کھانے
 میں نزاع ضرور ہے، چنانچہ امام احمدؒ سے اس باب میں دو قول مروی ہیں: ایک یہ
 لا صحیح الحکم۔

۷۸ نزاع اس میں نہیں ہے کہ انبیاء کی قسم کھانا جائز ہے یا ناجائز کیونکہ اس کے عدم جواز پر سب متفق
 ہیں بلکہ نزاع اس میں ہے کہ اگر کسی نے قسم کھالی تو اُسپر کفارہ ہے یا نہیں؟ شیخ الاسلام کا مسلک یہ ہے
 کہ کفارہ نہیں ہے، اور یہی حق ہے کیونکہ جب قسم ہی نہ ہوئی تو کفارہ کیونکر واجب ہوگا؟

مخلوق کی قسم

اللہ کے سوا کسی اور کا مذہب

کہ سرے سے قسم کا وقوع ہی نہ ہو گا جیسا کہ جمہور علماء : مالکؒ وابو حنیفہؒ و شافعیؒ کا مسلک ہے۔ اور دوسرا یہ کہ قسم واقع ہو جائیگی، اصحاب احمدؒ میں سے ایک گروہ مثل قاضی اور ان کے اتباع کا یہی مسلک ہے اور ابن المنذرؒ نے بھی انکی موافقت کی ہے۔ پھر انہیں بھی زیادہ تر اختلاف خاص نبی صلم کی قسم کے بارے میں ہے اور ابن عقیلؒ نے اُسے تمام انبیاء میں عام کر دیا ہے۔ مخلوق کی قسم میں کفارہ واجب بتانا اگرچہ وہ مخلوق نبی ہی کیوں نہ ہو ایک نہایت ہی کمزور اور اصول و نصوص کے مخالفت قولی ہے۔ پس خدا کو رسول کی قسم دلانا اور قسم دلانے کے معنی میں آپکے ذریعہ سے اُس سے سوال کرنا اسی جنس سے ہے۔

نبوی بخش

ربا مخلوق سے سوال تو دیکھنا چاہئے جملہ میں (ب) کس قسم کی ہے : سبب کی ہے یا قسم کی ؟ اور دونوں میں فرق ہے، کیونکہ نبی صلم نے قسم پوری کر نیک حکم دیا ہے، اور صحیحین میں آپ سے مروی ہے کہ فرمایا : ”ان من عباد الله من لوا قسم على الله لا برة“ (خدا کے ایسے بھی بندے ہیں جو اگر اُسے قسم دلائیں تو وہ اُسے پوری کر دیتا ہے) یہ اُس وقت فرمایا تھا جب انسؓ بن النضر کی ایک رشتہ دار عورت کا دانت توڑا جانے لگا، انسؓ نے کہا ”کیا رنج کا دانت توڑا جائیگا ؟ نہیں قسم ہے اُسکی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا اُس کا دانت نہیں توڑا جائیگا !“ آپ نے جواب دیا : ”انس ! کتاب اللہ اقتصاص ہے“ مگر خدا نے ایسا کیا کہ دانت توڑنے کی نوبت نہ آئی اور مدعی نے سمجھو کر لیا۔

خدا کو قسم دلانا

اس پر آپ نے فرمایا : ”ان من عباد الله من لوا قسم على الله لا برة“ اور فرمایا : رب اشعث اخبر مد فوج بالا بواب لوا قسم على الله لا برة“ (کہتے ہی اُبھکھٹے ہوئے بالوں والے، غبار آلود، در بدر ٹھو کریں کھانے والے ایسے ہیں کہ اگر خدا کو قسم دلائیں تو خدا انکی قسم پوری کر دے) اور فرمایا : ”الا اخبرکم باهل الجنة“ اکل ضعيف متضعف

۱۷ عربی میں (ب) کئی معانی کے اظہار کیلئے آتی ہے۔ لفظ سوال کے ساتھ جب (ب) کا ہتھمال ہوتا ہے تو اس سے بھی کئی معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً قسم اور سبب اقربہ معنی کو متین کرتا ہے۔ (منزح)

لوا قسم علی اللہ لا برہ الا خبرکم باہل لنار، کل عتق جواز مستغیر، (کیا تمہیں جنتیوں کی خبر دوں؟ ہرگز دشمن سر جو اگر خدا کو قسم دلائے تو خدا اسکی قسم پوری کر دے، کیا تمہیں دوزخیوں کی خبر دوں؟ ہر پٹو، اگر نہ دلا متکبر) حدیث لوا قسم علی اللہ کے آخر میں اتنا اور روایت کیا جاتا ہے : ومنہ صبرا بن مالک (انہیں سے برابر بن مالک ہے) برابر انس بن مالک کے بھائی تھے، انکی حالت یہ تھی کہ جب جنگ سخت ہو جاتی تو مسلمان ان سے کہتے برابر اپنے رب کو قسم دلاؤ چنانچہ وہ قسم دلاتے اور کفار کے پاؤں اکھڑ جاتے۔ سوس میں یہی ہوا، لڑائی سخت تھی، مسلمانوں نے قسم کی فرمائش کی، انھوں نے خدا کو پکارا : یا رب اقسمت علیک لما منحتنا اکنافہم وجعلتہی اول شہید (اے رب، میں تجھے قسم دلاتا ہوں کہ ہمیں ان پر قابو دیدے اور مجھے پیدا شہید کر دے) چنانچہ یہی ہوا، دشمن کو شکست ہوئی اور انھیں شہادت ملی! برابر وہ شخص میں جنھوں نے تن تنہا بلا شرکت غیرے گن کے سو کا فر قتل کئے تھے۔ جنگ مسیلہ میں انھیں ڈھال پر رکھ کر نلعہ میں اچھال دیا گیا تھا اور انھوں نے رستمانہ جاکر پھانگ کھول دئے تھے!

کسی کو قسم دلانا یہ ہے کہ جسے تمہیں قسم ہے ایسا کرو۔ لیکن اگر وہ نہ کرنے تو عاقبت نکار کے نزدیک کفارہ قسم دلانے والے پر سے نہ جسے قسم دلائی گئی، بالکل اسی طرح جس طرح اپنے غلام یا لڑکے یا دوست کے بارے میں خود قسم کھا کے کہے کہ اُسے یہ کرنا ہوگا، اور وہ نہ کرے تو کفارہ خود اسی پر ہے۔ لیکن اس طرح کہنا کہ خدا کیلئے یہ کرو، تو یہ سوال ہے قسم نہیں۔ حدیث میں ہے : من سألکم باللہ فاعطوہ (جو خدا کا حوالہ دیکر تم سے مانگے اُسے دیدو) اور اگر سوال پورا نہ کیا جائے تو کفارہ نہیں، کیونکہ جملہ مخلوق مومن و کافر سبھی خدا سے سوال کرتے ہیں جسے وہ کبھی منظور بھی کر لیتا ہے۔ کبھی کفار کا سوال پورا کر دیتا ہے اور مومن کا نہیں کرتا، وہ رزق مانگتے ہیں تو دیتا

نکاح

ہے، پانی مانگتے ہیں تو برساتا ہے، مصیبت سے چبختے ہیں تو اٹھالیتا ہے۔ مگر جو لوگ اُسے قسم دلاتے اور وہ انکی قسم پوری کر دیتا ہے تو وہ خاص لوگ ہوتے ہیں، ہر کس و نا کس کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔

وہ ہے سوال کے مطابق

پس خدا سے ایسا سوال جیسے کوئی کہے : اسألك بان لك الحمد، انت الله المنان، بديع السموات والارض، يا ذا الجلال والاكرام، واسألك بانك انت الله الاحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد، واسألك بكل اسم هو لك سميت به نفسك او انزلته في كتابك او علمته احد من خلقك او استاثرت به في علم الغيب عندك (چونکہ اے ذوالجلال والاكرام تیرے لئے تمام ستائش ہے، تو احسان کر، کیونکہ خدا ہے، آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے، اسلئے تجھ سے سوال کرتا ہوں، چونکہ تو ہی اللہ احد صمد ہے جس نے نہ جناب ہے اور نہ نہ جناب کیا اور جس کی کوئی برابر ہی نہیں کر سکتا، اسلئے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ میں تیرے ہر اُس نام کے حوالہ سے سوال کرتا ہوں جو تیرا ہے جسے تو نے اپنا نام قرار دیا ہے یا جسے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی مخلوق کو سکھایا ہے یا اپنے پاس علم غیب میں محفوظ رکھا ہے) تو یہ خدا سے اُسکے اسماء و صفات کے حوالہ سے سوال ہے، قسم دلانا نہیں۔ کیونکہ اُسکے افعال اُس کے اسماء و صفات کے مقتضیات ہیں، مثلاً اُسکی بخشش اور رحم، اُسکے غفور اور رحیم نام کا مقتضی ہے، اور عفو اُسکے نام عفو کا مقتضی ہے۔ اسلئے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر لیلة القدر پا جاؤں تو کیا دعا کروں؟ فرمایا کہیو: ”اللهم انك عفو عفو عفو فاعف عني“ (اے خدا تیرا نام ”عفو“ ہے، تو عفو کو پسند کرتا ہے، پس مجھے معاف کر) اسی طرح اُسکی ہدایت اُسکے نام ”ہادی“ کا مقتضی ہے، چنانچہ احمد بن حنبلؒ سے منقول ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو یہ دعا بتائی : يا دليل الحياي، دلتی علی طریق الصادقين واجعلنی من عبادك الصالحين

پس جب کسی سے سوال کیا جاتا ہے اور ”ب“ سبب کی ہوتی ہے تو سوال ایسے سبب کے ساتھ ہوتا ہے جو وجود مسئل کو تقضی ہے۔ مثلاً اگر سائل کہتا ہے: اسألک بان لك الحمد انت الله المنان الخ“ (اس بنا پر تجھ سے مانگتا ہوں کہ تیرے لئے ہر

طرح کی ستائش ہے اور تو ہی اللہ احسان کرنا والا ہے) تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ ”منان“ (احسان کرنا والا) ہونے کی وجہ سے اُسے اپنے سائل بنہ پر احسان کرنا اور ”محمود“ ہونے کی بنا پر اُسے دہی کرنا چاہئے جیسے اسکی حمد و ثنا کی جائے۔ اور یہ معلوم ہے کہ بندہ کی حمد و ثنا اُسکی دعا کے مستجاب ہونے کا سبب ہے، اسی لئے مصلیٰ کو یہ کہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ: سمع الله لمن حمده ”جسکے منیٰ ہیں خدا نے اُسکی دعا قبول کر لی جسے اُسکی حمد کی۔ یہاں ”سمع“ اجابت و قبول کے معنی میں ہے جیسا کہ حدیث میں

دارد ہے: اعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشيع ومن دعاء لا يسمع ”تیری پناہ اُس علم سے جو نفع نہ پہنچائے، اُس قلب سے جس میں خشوع نہ ہو، اُس نفس سے جو سیر نہ ہو، اُس دعا سے جو قبول نہ ہو“ اور جیسا کہ قرآن میں ہے:

(۱) إِنِّي دَعِيٌّ تَسْمِيْعُ الدُّعَاءِ (۱۸: ۱۳) میرا رب دعا قبول کرنے والا ہے۔

(۲) وَفِيكُمْ تَتَاعَوْنَ لَهُمْ (۱۳: ۱۰) تم میں انکی ماننے والے ہیں۔

اسی لئے مصلیٰ کو حکم دیا گیا ہے کہ حمد و ثنا کے بعد دعا کرے۔ نبی صلیم نے ایک شخص کو نماز پڑھتے اور بغیر اللہ کی حمد اور اُسکے رسول پر درود کے دعا کرتے دیکھا تو فرمایا اس نے جلدی کی، پھر اُسے بلا کر فرمایا: اذا صلى احدكم فليهدأ بحمد الله

الثناء عليه وليصل على النبي صلى الله عليه وسلم وليدع بما شاء ”جب نماز پڑھو تو اللہ کی حمد و ثنا سے شروع کرو، اُسکے نبی پر درود بھیجو، پھر جو چاہو دعا کرو“ عبد اللہ بن مسعود رضی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں نماز پڑھ رہا تھا، رسول اللہ صلیم

تشریف فرما تھے، ابو بکرؓ و عمرؓ ساتھ تھے، جب میں بیٹھا تو پہلے اللہ کی حمد کی پھر اُسکے نبیؐ پر درود بھیجا پھر اپنے حق میں دعا مانگی، اس پر نبی صلعم نے فرمایا: سَلِّ تَعْقِلْ (مانگ دیا جائیگا) پس لفظ سمح کے معنی ادراک صوت اور معرفت معنی بھی ہیں، اور فہم کے ساتھ قبول و اجابت بھی۔ قرآن میں ہے:

وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِينَهُمْ خَيْرًا لَّاسَمِعَهُمْ | اگر خدا ان میں کچھ بھی بھلائی جانتا تو انھیں
(۹: ۱۷۰) | سناتا۔

پھر سنایا: لَوْ اَسْمَعْتُمْ یعنی اگر انکی اس موجودہ حالت میں انھیں سنائے بھی تو وہ حق کو قبول نہ کرینگے بلکہ لَتَوَلَّوْا وَهْتُمْ مُتْعِزُونَ (روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر دیتے) پس انکی مذمت کی ہے کہ قرآن نہیں سمجھتے اور اگر سمجھیں تو عمل نہیں کرتے۔

اگر سائل کہے: اَسْأَلُكَ بِاللَّهِ تو معنی ہونگے کہ مسئل کے ایمان باللہ کے حوالہ سے سوال کرتا ہے جو سوال کے پورا ہونے کا ایک سبب ہے۔ اس لئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ مخلوق پر احسان کو پسند کرتا ہے خصوصاً اگر سوال ظلم روکنے کیلئے ہو تو اُسکی نظر میں اور بھی زیادہ مستحسن ہے کیونکہ وہ عدل کا حکم دیتا اور ظلم سے منع کرتا ہے، اور اُسکا حکم وہ سب سے بڑی چیز ہے جسے یاد دلا کر فاعل کو فعل پر آمادہ کیا جاسکتا ہے، اس لئے کہ حکم الہی سے بڑھکر اور کونسا سبب ہوگا جو مسبب کا موجود کر نیوالا ہو؟
ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ نبی صلعم نے نماز کیلئے جانے والوں کو یہ دعا تعلیم

فرمائی تھی: اَسْأَلُكَ بِحَقِّ السَّالِثِينَ عَلَيْكَ وَبِحَقِّ مَشَايِ هَذَا خَانِي لِمَا خَرَجَ اسْتِرَا وَلَا بَطَرًا وَلَا دِيَاعًا وَلَا سَمْعَةً وَلَكِنْ خَرَجْتَ اتِّقَاءَ سَخَطِكَ وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِكَؑ

۱۵ أخرجه الترمذی وحسنہ - ۵۷ (۹: ۱۷۰)

۱۵ رواہ احمد وابن ماجہ۔

خدا پر سائلوں کا حق

رتجھ پر سائلوں کے حق اور اپنی اس چال کے حق کے حوالہ سے میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں غرور گھمنڈ، ریا کاری اور دکھاوے کی غرض سے نہیں بلکہ تیرے غصہ سے بچنے اور تیری خوشی حاصل کرنے کی غرض سے نکلا ہوں) اس سے معلوم ہوا کہ خود خدا اپنے سائلوں کے حق کی وجہ سے اُن کا سوال پورا کرتا اور اپنے پرستاروں کی عبادت کے سبب انھیں ثواب دیتا ہے اور یہ ایک ایسا حق ہے جو اُس نے خود اپنے ذمہ لیا ہے۔ اسی طرح ایمان و عمل صالح کے واسطے سے سوال ہوتا ہے جسے اُس نے اجابت دعا کا سبب بنا دیا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے :

وَيَسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُمْ مِّن فَضْلِهِ (۲۵: ۴۰) قبول کرتا اور اپنا مزید فضل دیتا ہے۔

اسی طرح اُس کے وعدہ کے حوالہ سے سوال ہوتا ہے کیونکہ اسکے وعدہ کا تقاضا یہی ہے کہ پورا ہو۔ مومنین کی دعا میں ہے :

رَبَّنَا آتِنَا سَمْعًا مَّنَادًا يَا أَيُّهَا الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ إِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَٰذَا وَمِنْ هَٰذَا عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوْفَّنَا مَعَ الْآبِرَارِ (۱۱: ۴)

اے ہمارے رب! ہم نے پکارنے والے کی پکار سنی جو ہمیں ایمان کیلئے پکارتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، اے رب! ہم ایمان لائے، پس ہمارے گناہ بخش دے، ہماری برائیاں معاف کر دے، اور ہمیں اچھوں کے ساتھ وفات دے۔

اور فرمایا :

إِنَّهُ كَانَ قَرِيْبٌ مِّنْ عِبَادِي يَفْقَهُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِيْنَ - (۱۸: ۶)

میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، پس ہمیں معاف کر، رحم کر، تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

اسی سے مشابہہ یوم بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے : اللھم اغفر لی ما

وعدت تھی، (اے خدا اپنا وہ وعدہ پورا کر جو تو نے مجھ سے کیا ہے) اسی طرح توراۃ میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل پر خفا ہو گیا تو حضرت موسیٰ اپنے رب کو براہیمؑ کے وعدے یاد دلایا کہ دعا کرنے لگے۔

اعمالِ صالحہ کے واسطے سے سوال کی ایک مثال اُن تینوں شخصوں کا سوال ہے جنہوں نے غار میں پناہ لی تھی۔ چنانچہ اُنہیں سے ہر ایک نے اپنے اُس عملِ عظیم کے حوالہ سے دعا کی جو خالصۃً لوجه اللہ کیا تھا: ایک نے والدین کی اطاعت کا حوالہ دیا، دوسرے نے اپنی کامل غفلت کا ذکر کیا، تیسرے نے اپنی امانت و احسان کا واسطہ دیا۔ اور یہ اُنہوں نے ٹھیک کیا کیونکہ خدا اس قسم کے اعمال سے محبت اور ایسی محبت کرتا ہے جس کا مقتضی یہی ہے کہ سائل کا سوال پورا ہو۔ اسی طرح عبد اللہ بن مسعودؓ سحر کے وقت دعا کیا کرتے تھے: ”اللھم اموتنی فاطعتک و دعوتنی فاجبتک و هذا سحر فاغفر لی“ (اے الہی! تیرے علم کی میں نے اطاعت کی، تیری دعوت پر لبیک کہی، یہ سحر کا وقت ہے، مجھے بخش دے) اسی طرح عبد اللہ بن عمرؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ صفا پر دعا کرتے تھے: ”اللھم انک قلت و قولک الحق و ادعونی استجب لکم و انک لا تختلف المیعاد“ (خدا! یا تو نے کہا اور تیرا کہنا حق ہے کہ مجھے پکارا، سنو گا اور تو اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا)۔

اس سے واضح ہوا کہ سائل کا کہنا: ”اسألک بكذا“ دو معنی رکھتا ہے، کبھی ”ب“ قسم کیلئے ہوتی ہے اور کبھی ”سبب کیلئے“، کبھی اُس سے خدا کو قسم دلائی جاتی ہے اور کبھی اُس کے حوالہ سے سوال کیا جاتا ہے۔ ان دونوں معنی میں پہلا معنی ”یعنی مخلوقات کی قسم دانا“ تو جب وہ خود مخلوق کے حق میں جائز نہیں تو خدا کے حق میں کیونکر جائز ہو سکتا ہے؟ راویوں سے (یعنی کسی محترم چیز کے حوالہ سے سوال) مثلاً انبیاء و کسے حق کا واسطہ

یعنی سورہ کہف میں قصہ موجود ہے۔

اعمالِ صالحہ کے واسطے سے دعا

دیکر سوال، تو اسکے جواز و عدم جواز میں اختلاف ہے اور ابوحنیفہؒ اور اُنکے اصحاب کی رائے اور پرگزری چکی کہ جائز نہیں۔

کسی کی جاہ و عزت کے حوالہ سے سوال

نبائیں اگر خدا سے اس طرح سوال کیا جائے کہ اے خدا تیرے ملائکہ و انبیاء و صالحین میں سے فلاں فلاں کے حق عزت، حرمت کا تجھے واسطہ دیتا ہوں، تو معنی یہ ہونگے کہ ان لوگوں کی خدا کے اُن عزت و حرمت ہے، اور یہ صحیح ہے کہ خدا نے انہیں جو عزت و حرمت دی ہے وہ اُنکے رفع درجات و علو مقام اور اُنکی شفاعت مقبول ہونے کا ذریعہ ہے۔ حالانکہ خدا نے اسکے ساتھ یہ بھی فرما دیا ہے :

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَآلَايَاذِظَرْ ۚ اُسکے حضور نبیر اسکی اجازت کے کون سفارش کریگا۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ ایسے اختیار کی اُن امور میں سپردی کرینگے جنہیں پروردی مشرف ہے تو وہ بھی سعادت یاب ہونگے۔ مگر خیال رہے کہ محض اُنکی قدر و منزلت اور عزت و حرمت کے حوالہ سے لازم نہیں کہ سائل کی دعا پوری ہو جائے البتہ یہ چیز اس وقت مفید ہوگی جب اُنکی لائی ہوئی ہدایت کی اطاعت و اتباع کیا جائے، نیز اُنکی دعا و شفاعت بھی مفید ہوگی اگر وہ دعا و شفاعت کریں۔ لیکن اگر خدا انخواستہ اطاعت و اتباع موجود نہ ہو تو اُنکی عزت و حرمت کے حوالہ سے دعا کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں یہ چیز ایک اجنبی اور غیر متعلق چیز ہوگی اجابت دعا کا سبب نہ ہوگی۔ اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کسی بادشاہ سے کہا جائے کہ ”فلاں شخص تیرا درجہ مطیع ہے، تو اسکی اطاعت کی وجہ سے اُس سے محبت کرتا ہے، اُسکی اطاعت کی وجہ سے تیری نظر میں جو اُسکی عزت ہے، میں تجھے اُسکا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ سوال پورا کر دے“ تو یہ ایک ایسا سوال ہوگا جو ایک غیر متعلق چیز کے حوالہ سے کیا گیا ہے۔ یہی طرح خدا کا اپنے مقربین پر احسان، اُن سے اُسکی محبت، اُنکی اطاعت و عبادت، انہیں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جسکا حوالہ سوال کے پورا

ہونے کا سبب بن سکے، کیونکہ دعایا تو خود سائل کی طرف سے کسی سبب کی وجہ سے پوری ہوگی مثلاً یہ کہ ان مقربین کا مطیع ہو، یا خود ان مقربوں کی طرف سے کوئی سبب موجود ہو مثلاً یہ کہ اُسکے حق میں سفارش کریں۔ اور جب نہ یہ نہ وہ کوئی سبب بھی موجود نہ ہو تو پھر دعا کیسے قبول ہوگی؟

ہاں اگر سائل محمد صلیم پر اپنے ایمان، آپ کی محبت و اطاعت و اتباع کا حوالہ دے کر سوال کرے تو بلاشبہ یہ دعا ایک بڑے سبب پر مبنی ہوگی جو اجابت دعا کا ذریعہ ہے بلکہ یہ سب سے بڑا سبب اور سب سے بڑا وسیلہ ہے جو دعا کے قبول ہونے کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ مگر نبی صلیم نے صاف فرمادیا ہے کہ آخرت میں آپ کی شفاعت صرف مومنین کیلئے ہوگی مشرکین کیلئے نہ ہوگی۔ نیز خاص طور پر ان لوگوں کیلئے ہوگی جو آپ کیلئے ”وسیلہ“ کی دعا کرینگے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: اذ اسمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول

ثم صلوا على فانهم من صلى على مرة صلى الله عليه عشرًا ثم صلوا الله لي

”الوسيلة“ فانها درجة في الجنة لا تنبغي الا لعبد من عباد الله وارجو ان

اكون انا هو ذلك العبد، فمن سأل الله لي الوسيلة حلت عليه شفاعتي يوم

القيامة“ (جب مؤذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو،

کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجیگا خدا اُس پر دس مرتبہ درود بھیجیگا، پھر میرے

لئے ”وسیلہ“ طلب کرو، کیونکہ وہ جنت میں ایک درجہ ہے اور خدا کے بندوں میں

سے صرف ایک ہی کیلئے سزاوار ہے، میں امید کرتا ہوں کہ وہ بندہ میں ہوں، جس نے

میرے لئے وسیلہ کی دعا کی قیامت میں اُس کیلئے میری شفاعت جلال ہو گئی) نیز صحیح بخاری

میں ہے کہ ابو ہریرہؓ نے سوال کیا ”قیامت میں آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ

شاد کام کون ہوگا؟ فرمایا: من قال لا اله الا الله خالصا من قلبه“ (جس نے

لا اله الا الله خلوص قلب سے کہا) اسمیں آپ نے پوری طرح واضح کر دیا کہ آپ کی شفاعت

دعا قبول ہونے کا سبب

کے سب سے زیادہ حقدار وہ ہونگے جو سب سے زیادہ توحید و اخلاص کے مالک ہونگے۔ کیونکہ یہی دین کی بنیاد ہے خدا شرک کو معاف نہیں کرنے کا اور جو کچھ اس سے کم ہے اُسے جسکے حق میں چاہیگا معاف کر دیگا، اُسکے حضور میں بغیر اُسکی اجازت کے کوئی شفاعت نہ کر سکیگا، جب محمد صلیم شفاعت کیلئے بڑھینگے تو خدا آپ کے لئے ایک حد مقرر کر دیگا اور اُس حد کے اندر کے سب لوگوں کو جنت میں داخل کر دیگا، اور یہ اُنکے قلوب کی توحید و ایمان کے اعتبار سے ہوگا۔ نبی صلیم نے صاف کر دیا ہے کہ جو کوئی آپ کے لئے ”وسیلہ“ کی دعا کرے گی قیامت میں آپ کی شفاعت اُس کیلئے ہوگی۔ یعنی آپ کی شفاعت آپ کی لائی ہوئی توحید و ایمان کے اتباع اور آپ کے لئے اُس دعا کی بنا پر شامل حال ہوگی جسکا آپ نے ہمیں حکم دیا ہے۔

کسی کے حق کے حوالہ سے سوال دو مسئلوں پر مبنی ہے: ایک یہ کہ کیا خدا پر کسی کا کوئی حق ہے؟ اور دوسرے یہ کہ کیا جاہ و حرمت کی طرح اس حق کی بنا پر بھی سوال درست ہے؟ پہلے مسئلہ میں معتزلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ ہاں جس طرح خالق کا مخلوق پر حق ہے اُسی طرح مخلوق کا بھی خالق پر حق ہے۔ برخلاف اُنکے جہتہ و اشعرتہ وغیرہ فرتے جو اہل سنت ہونیکے مدعی ہیں کہتے ہیں کہ مخلوق کا خالق پر کسی حال میں بھی کوئی حق نہیں لیکن وہ اپنے وعدہ اور فرمان کے بموجب عمل ضرور کرتا ہے۔ ایک تیسری جماعت بھی ہے جسکی راہ بین بین ہے، وہ کہتی ہے ”خدا نے جس طرح اپنے لئے مظلوم حرام کر لیا ہے ٹھیک اُسی طرح اپنے اوپر رحمت فرض کر لی اور اپنے مومن بندوں کا حق واجب کر لیا ہے۔ اُسپر یہ پابندیاں کسی مخلوق نے عائد نہیں کی ہیں اور نہ اُسے مخلوقات پر قیاس کرنا چاہئے بلکہ اُس نے محض اپنی رحمت و حکمت و عدالت کے بموجب اپنے اوپر رحم و کرم لازم لاؤ۔ ظلم و جور حرام کیا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: یا عبادی! انی حرمت الظلم عن نفسی وجعلتہ بینکم و محرمًا فلا تظالموا“ (اے میرے بند! میں نے اپنے اوپر

کیا خدا پر مخلوق کا حق ہے؟

ظلم حرام کر لیا ہے اور تمہارے مابین بھی اُسے حرام قرار دیا ہے پس باہم ظلم نہ کرو (قرآن میں ہے :

كُتِبَ عَلَيْكُمُ عَلَىٰ نَفْسِهِ التَّوْحَةُ (۴: ۱۱۲) | تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے۔

صحیحین میں معاذ بن جبلؓ سے مروی ہے کہ نبی صلم نے اُن سے فرمایا ”یا معاذ

اتدري ما حق الله على عباده؟ قلت الله ورسوله اعلم قال فحقه عليهم ان

يعبدوه ولا يشركوا به شيئاً، يا معاذ اتدري ما حق العباد على الله اذا فعلوا

ذلك؟ قال حقهم عليه ان لا يعذبهم“ (اے معاذ، تجھے معلوم ہے خدا کا حق

اُسکے بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کی خدا اور اسکا رسول بہتر جانتے ہیں، فرمایا:

اُن پر اسکا حق یہ ہے کہ اُسکی عبادت کریں اور اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کریں۔

اے معاذ، تجھے معلوم ہے کہ بندوں کا خدا پر کیا حق ہے اگر وہ ایسا کریں؟ اسپر اُن کا

حق یہ ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے) پس اس آخری قول کے مطابق انبیاء و صالحین

کا خداوند عالم پر حق ہے جو اُس نے اپنے اوپر فرض کر لیا ہے اور جسکی خبر بھی دیدی ہے۔

اور دوسرے قول کے مطابق صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ جو وعدے خدا نے انبیاء و صالحین

سے کئے ہیں وہ قطعاً پورے ہونگے، اگرچہ وہ اسپر مجبور نہیں۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ مخلوق کا خالق پر کوئی ایسا حق نہیں جسکی بنیاد پر سوال

کیا جاسکے، جیسا کہ روایت کیا جاتا ہے کہ خدائے حضرت داؤدؑ سے کہا: بھلا ابابیل کا

مجھ پر کیا حق ہے؟ تو یہ خیال صحیح ہے اگر اس سے مقصود یہ ہو کہ خدا پر کسی مخلوق کا

ویسا حق نہیں جیسا مخلوق کا مخلوق پر ہوتا ہے، جیسا کہ بہت سے جاہل عابد خیال کر

بیٹھتے ہیں کہ عبادت دریا صفت کی وجہ سے خدا پر اُن کا حق ہو گیا ہے۔ ان سادہ

لوحوں کو یہ خیال اس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ جہالت و بلا دت کی موجودگی میں انسان

اس دہم میں پڑ جاتا ہے کہ عبادت و علم کے سبب فانی انسان کا خدا پر ویسا ہی حق ہو

اگر شک کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دوزخا اور اگر
ناشکری کرو گے تو میرا عذاب سخت ہے، موسیٰ نے
کہا اگر تم اور زمین کے سب لوگ ناشکری کریں
تو بھی خدای تعالیٰ وحید ہے۔

لَا اِنْ شَكَرْتُمْ اَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ
كُفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ وَقَالَ
مُوسٰى اِنْ تَكْفُرُوْا اَسْتَعِدَّ مَنۢ فِي
الْاَرْضِ جَمِيعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ
(۱۴: ۱۳)

اور سرمایا :

جو لوگ کفر کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں تجھے بخیرہ
نہ کریں، وہ خدا کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا
سکتے۔

وَلَا يَخْزِيكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي
الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَنْ يَصُرُوْا اِلّٰهَ شَيْئًا
(۹: ۴)

اور سرمایا :

تجھ پر احسان جتنا ہے کہ اسلام لے آئے، کہہ
دے مجھ پر اپنے اسلام کا احسان نہ جتاؤ، بلکہ خدا
تم پر احسان جتنا ہے کہ ایمان کی طرف تمہاری
رہنمائی کی اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْأَلُوْا قُلَّ لَا
تَمْنُوْا عَلٰى اِسْلَامِكُمْ بِلِ اللّٰهِ يَمُنُّ
عَلَيْكُمْ اَنْ هٰذَا كُمْ يَلٰٓئِمٰنِ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ - (۱۴: ۲۶)

اور سرمایا :

اور جان لو کہ تمہارے بیچ میں رسول اللہ ہیں اگر
بہت سی باتوں میں تمہارا کہا جائے تو البتہ تم
تکلیف میں پڑو، لیکن اللہ نے تمہارے لئے
ایمان محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں
میں خوبصورت کر دیا ہے اور کفر و فسق اور نافرمانی
سے تمہیں متنفر کر دیا ہے، یہی بھلائی یا نبی اللہ

وَاَعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ
يُطِيعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبِيْبٌ اِلَيْكُمْ اِلَّا نِيْمَانٌ وَ
رَيْبَةً فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكُوْهًا اِلَيْكُمْ اَلْكَفَرُ
وَالْفُسُوْقُ وَالْغِيصٰىنَ اُوْلٰئِكَ هُمُ
الْوٰثِقُوْنَ فَصَلّٰٓى مِنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةُ

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ - (۲۶ : ۱۳) | لوگ ہیں اللہ کے فضل و نعمت سے نغم

حدیث قدسی

حدیث قدسی میں ہے: ”یا عبادی لو ان اذ لکم و آخرکم و انسکم و جنکم

کا نواعلیٰ انجر قلب رجل واحد منکم ما نقص ذلک من ملکي شیئا، یا عبادی لو

ان اذ لکم و آخرکم و انسکم و جنکم کا نواعلیٰ اتقی قلب رجل واحد منکم ما زاد

ذلک فی ملکي شیئا، یا عبادی لو ان اذ لکم و آخرکم و انسکم و جنکم قاموا فی

صعید واحد فسألونی فاعطیت کل انسان منهم مسألتہ ما نقص ذلک مما عندک

الا کما ینقص المخیط اذا دخل البحر“ (اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے،

انس و جن تم میں سے فاجر ترین شخص کی طرح ہو جائیں تو بھی میری بادشاہی میں سے

کوئی کمی نہ ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، انس و جن تم میں زیادہ

سے زیادہ پرہیزگار کی طرح ہو جائیں تو بھی اس سے میری بادشاہی میں کوئی اضافہ نہ

ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے، انس و جن سب کے سب ایک ہی

زمین پر کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں انہیں سے ہر ایک کا سوال پورا کر دوں،

تو بھی اس سے میرے خزانہ میں ذرا بھی کمی نہیں ہو سکتی بجز اتنی کمی کے جتنی سمندر

میں سوئی ڈال کر نکالنے سے ہوتی ہے)۔

اللہ اور مخلوق میں فرق

کہاں وہ ذات یتکنا جو ما سوا سے ہر طرح بے نیاز ہے اور کہاں یہ گوشت پوست والے فانی

ہو گا اور بادشاہ جو دوسروں کے قطعاً محتاج ہیں؟ خالق و مخلوق کے مابین ادنیٰ مشابہت کا بھی

تصور نہیں کیا جاسکتا، دونوں میں بیشمار فرق ہیں مثلاً یہ کہ اگرچہ اعمال صالحہ کو پسند کرتا اور توبہ کرنے

والوں کی توبہ سے خوش ہوتا ہے، لیکن اصل میں وہی اعمال صالحہ اور توبہ کو خلق

کرتا ہے اور آسان بناتا ہے۔ پس اسکی محبوبات بھی خود اُسی کی قدرت و شہیت

سے وقوع پذیر ہوتی ہیں جیسا کہ ظاہر اور اہل سنت کا مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ

خدا ہی اپنے بند کو ایمان کی توفیق دیتا ہے، بخلاف قدریہ کے جو دوسرا خیال

رکھتے ہیں۔ لیکن مخلوق کی یہ حالت نہیں، اُسکی جملہ محبوبات و مشتملیات ہمیشہ اُس کے اپنے افعال نہیں ہوتیں بلکہ کبھی دوسروں کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو وہی حکم دیا ہے جس میں اُنکی بھلائی ہے اور اُسی سے منع کیا ہے جس میں اُن کیلئے بُرائی ہے جیسا کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ”خدا نے بندوں کو جو حکم دیا ہے اپنی کسی احتیاج کی وجہ سے نہیں دیا اور جو ممانعت کی ہے کسی بخل کی وجہ سے نہیں کی، بلکہ جو کچھ بھی امر و نہی ہے بندوں ہی کے نفع و نقصان کے لحاظ سے ہے۔“ برخلات مخلوق کے جو اُسی بات کا حکم دیتی ہے جسکی اُسے ضرورت ہو اور اُسی سے منع کرتی ہے جس میں اُسے بخل ہے۔ یہ بھی ظاہر اور سلف صالح اور اہل سنت کا مذہب ہے جو اللہ کی حکمت و رحمت کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے بندوں کو وہی حکم دیا ہے جو اُن کیلئے مفید ہے، اور اُسی سے منع کیا ہے جو اُن کیلئے مضر ہے۔ برخلات جبریہ کے جو کہتے ہیں وہ کبھی ایسی بات کا بھی حکم کرتا ہے جو بندوں کیلئے مضر اور ایسی بات سے منع کرتا ہے جس میں اُن کا نفع ہوتا ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے مخلوق پر احسان کیا ہے، اُسی نے قدرت و عقل و حواس بخشے ہیں جنکے ذریعہ سے علم و عمل صالح کا حصول ہوتا ہے، وہی اپنے بندوں کا رہبر ہے اور اُسی سے مامور قوت قدرت حاصل ہوتی ہے، اسی لئے اہل جنت کہیں گے :

سأشُکُ خُدا کیلئے جس نے ہمیں اسکی ہدایت کی ورنہ اگر خدا ہماری ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت پاتے، بلا شک ہمارے رب کے رسول حق لائے	الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنَّ هَدَانَا اللّٰهُ لَعَلَّآ جَاءَتْ رُسُلٌ دِينًا بِالْحَقِّ -
تھے۔	(۸ : ۱۲)

برخلات مخلوق کے جو اس طرح کی کسی چیز پر بھی قادر نہیں۔ اور یہ کہ خدا کے اپنے بندوں پر احسان اتنے ہیں کہ شمار نہیں ہو سکتے۔ اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عبادت

احسان کا بدلہ ہے تو بڑی سے بڑی عبادت بھی اُسکے ادنیٰ احسان کا شکر یہ نہیں بن سکتی، پھر اُس منعم کا شکر کیونکر ادا ہو جبکہ عبادت بھی اُسی کی بخشی ہوئی ایک نعمت ہے۔ اور یہ کہ بندے ہمیشہ اُسکی جناب میں قاصر اور اُسکے عفو و مغفرت کے محتاج ہیں، کوئی بھی اپنے غل کے زور سے جنت نہیں پاسکتا، کوئی نہیں جو قصور وار اور مغفرت کیلئے اسکی رحمت کا محتاج نہ ہو۔ فرمایا :

وَلَوْ يَدْرِي أَخَذَ اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا | اگر خدا لوگوں سے اُنکے گناہوں کی مواخذہ کرتا تو مَا تَوَلَّى عَلَى ظَهْرِهِمْ مِنْ دَابَّةٍ (۱۴:۲۲) | زمین پر ایک بھی ذی روح نہ چھوڑتا۔

حدیث میں ہے : لَنْ يَدْخُلَ أَحَدٌ مِنْكُمْ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ (تم میں سے کوئی اپنے عمل کے زور سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا) اسیر آیت : حَزَّاءُ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۱۵: ۲۱) (نہارے اعمال کا بدلہ) سے اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ حدیث میں جو نفی ہے وہ ”بائے مقابلہ و معاوضہ“ کے ساتھ ہے یعنی جنت کسی کے عمل کا معاوضہ نہیں ہو سکتی، اور آیت میں جو اثبات ہے وہ ”بائے سبب“ کے ساتھ ہے، یعنی جنت اُنکے اعمالِ حسنہ کے سبب اُنھیں ملیگی۔ دونوں صورتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، عملِ ثواب کا بدلہ و معاوضہ نہیں ہو سکتا بلکہ ثواب کا سبب ہوتا ہے۔ اسی لئے جو کوئی خیال کرے کہ اُس نے وہ سب انجام دیدیا جو اُس پر فرض ہے اور یہ کہ وہ خدا کی مغفرت و عفو کا محتاج نہیں تو وہ جاہل و گمراہ ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ منہرمایا :

لَنْ يَدْخُلَ أَحَدٌ الْجَنَّةَ بِعَمَلِهِ قَالُوا وَلَا أَنْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَ فِي اللَّهِ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ (کوئی بھی اپنے عمل کے زور سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا، صحابہؓ نے عرض کی اور نہ آپ اے رسول اللہؐ؟ فرمایا اور نہ میں، الا یہ کہ

لے (ب) کا استعمال جب کسی لفظ کے ساتھ ہوتا ہے تو کبھی متقابلہ و معاوضہ کے معنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً کہتے ہیں : بعتہ بكذا (اُسے اسکے متقابلہ یا معاوضہ میں فروخت کر ڈالا۔) (مترجم)

اللہ کی رحمت و فضل میرے شامل حل ہو) اسی قبیل سے سنن والی حدیث ہے کہ: ”اِنَّ
 اللّٰهَ لَوْ عَذَّبَ اَهْلَ سَمَآوَاتِهٖ وَ اَهْلَ اَرْضِهٖ لَعَذَّبَهُمْ وَ هُوَ غَيْرُ ظَالِمٍ لَّوَدُحِمُّهُ لَكَآنَتْ
 رَحْمَتُهُ لَهُمْ خَيْرًا مِّنْ اَعْمَالِهِمْ“ (اگر خدا اپنے آسمانوں اور اپنی زمین کے سب رہنے
 والوں کو عذاب میں ڈال دے تو بھی وہ ظالم نہیں، اور اگر اُن پر رحم کرے تو اسکی
 رحمت اُنکے اعمال سے بہتر ہوگی)۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ خالق پر مخلوق کا حق ہے، تو یہ بھی درست ہے اگر
 اِس سے مراد وہ حق ہے جسکے وقوع کی خود اُس نے خبر دی ہے، کیونکہ وہ صادق ہے
 اور اُسی نے اپنی حکمت و فضل و رحمت کی بنا پر اپنے اوپر یہ حق واجب کیا ہے۔ پس
 اِس حق کا مستحق اگر اسکا حوالہ دیکر سوال کرے تو گویا اُسکے وعدہ کا ایفا چاہتا ہے۔
 یا یہ کہ اُن اسباب کے ساتھ سوال کرے جن پر خدا نے مسببات کو مطلق کیا ہے، مثلاً
 اعمالِ صالحہ، اور یہ سوال مستحسن ہے۔ لیکن اگر غیر مستحق، مستحق کے حق کا حوالہ دیکر مانگتا
 ہے تو یہ ایسا مانگتا ہے جیسا اُسکی عزت و حرمت کے حوالہ سے مانگا جائے جو سائل
 سے ایک اجنبی چیز اور کسی ایسے سبب پر مبنی نہیں ہے جو اجابت و عاسے مناسبت
 رکھتا ہو۔ لیکن خدا سے اُسکے اُن اسماء و صفات سے سوال کرنا جو بندوں کے لئے
 اُسکی ہدایت رُزق، نصرت و غیرہ افعال کے مقتضیات ہیں تو یہ سوال کا بہترین طریقہ
 ہے۔ بنا بریں یہ کہنا کہ انبیاء کے حق کے ساتھ سوال جائز نہیں، کیونکہ خالق پر کسی مخلوق
 کا حق نہیں، صحیح نہیں۔ اسلئے کہ صحیحین کی مذکورہ بالا حدیث معاذ رب سے ثابت ہے
 کہ بندوں کا خدا پر حق ہے۔ اور قرآن میں ہے :

(۱) كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔ (۱۲: ۴) | تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے۔

(۲) وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ۔ | ہم پر مومنین کی نصرت ضروری ہے۔

مخالف کو سمجھ لینا چاہئے کہ یہاں بحث دو مسئلوں میں ہے : خدا پر بندوں کا حق - اور اس حق کی بنا پر سوال - پہلے مسئلہ کی بابت کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ خدا نے اپنے فرمانبرداروں سے وعدہ کیا ہے کہ انھیں ثواب دیگا، اور سائلوں سے وعدہ کیا ہے کہ انکی دعا قبول کرے گا، اور معلوم ہے خدا اپنا وعدہ خلاف نہیں کرتا۔ فرمایا :

وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا - (۱۵: ۵۱)

خدا کا وعدہ سچا ہے، خدا سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی۔

وَعَدَ اللَّهُ لَا يَخْلِفُ اللَّهُ وَعْدًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ - (۴: ۲۱)

خدا کا وعدہ اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فَلَا تَخْشَوْا اللَّهَ خُلْفًا وَخُذُوا رُسُلَهُ - (۱۹: ۱۳)

یہ نہ سمجھنا کہ خدا رسولوں سے اپنا وعدہ خلاف کرے گا۔

پس خدا کا اپنے وعدے کے بموجب عمل کرنا، باتفاق جملہ علماء اسلام ضروری ہے۔ رہی یہ بات کہ وعدے کے علاوہ بھی خدا پر کسی مخلوق کا کوئی حق ہے تو ہمیں علماء کا اختلاف ہے جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا۔ بعض کہتے ہیں کہ وعدہ کے سوا خدا پر کچھ بھی واجب نہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مخلوق کی طرح اس پر بھی واجبات و محرمات ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ خود اس نے اپنے اوپر بعض چیزیں واجب کر لی ہیں اور بعض حرام، اس پر وہی واجب ہے جو خود اس نے واجب کیا ہے اور وہی حرام ہے جو خود اس نے حرام کیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی مذکورہ الصدر حدیث ابو ذر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ رہا ظلم تو باتفاق جملہ علماء خدا کے حق میں محال ہے۔ لیکن اس ظلم میں اختلاف ہے جو واقع نہیں ہوتا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ وہ بھی محال ہے کیونکہ ہر ممکن جو خدا سے صادر ہو، عدل ہے ظلم نہیں کیونکہ ظلم کے معنی یہ ہیں کہ غیر کی ملکیت میں تصرف کیا جائے یا اس حکم سے سزا کی جائے جس کی پابندی ضروری ہے، اور یہ دونوں صورتیں خدا کے حق میں محال ہیں۔ ایک اور

گروہ کا خیال ہے کہ بندوں کا ظلم خود خدا کا ظلم ہے۔ بعض کہتے ہیں ظلم، وضع الشیء فی غیر موضعه (چیز کا اسکی جگہ پر نہ رکھنا) کا نام ہے اور اسکا تصور بھی خدا کی نسبت نہیں ہو سکتا۔ وہ عادل حقیقی، عدل کرتا ہے، کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا۔ فرمایا:

وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ | جو ایمان کی حالت میں اعمال صالحہ کرے تو اُس کے
فَلَا يَحِثُّ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا - (۱۵: ۱۶) | لئے نہ ظلم کا کھٹکا ہے نہ حق تلفی کا۔

مفسرین نے آیت میں ”ظلم“ و ”ہضم“ کی تفسیر یہ کی ہے کہ ظلم، ایک کے گناہ دوسرے پر رکھنا اور سزا دینا ہے اور ہضم، یہ ہے کہ کسی کی نیکیاں ضبط کر لی جائیں۔ فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَلَا يَنْ | اللہ ذرا بھی ظلم نہیں کرتا، اگر نیکی ہو تو اُسے دونا
تِلْكَ حَسَنَةً يَّمْضَاهَا وَيُؤْتِ مِنْ | کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بڑا عوض
لَهُ أَجْرًا عَظِيمًا - (۳: ۵) | دیتا ہے۔

ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن انھوں نے خود اپنے
وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ -
اور پر ظلم کیا۔ (۹: ۱۲)

دوسری بحث یہ ہے کہ خدا اور اُسکے رسولؐ نے جسکے بارے میں فرما دیا ہے کہ وہ خدا پر بندوں کا حق ہے تو تسلیم کیا جائیگا کہ وہ حق ہے۔ لیکن گفتگو اس حق کی بنیاد پر سوال کرنے میں ہے کہ درست ہے یا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ جس حق سے سوال کیا گیا ہے اگر وہ قبولیت کا سبب ہے تو سوال مستحسن ہے مثلاً اُس حق کی بنیاد پر سوال کیا جائے جو اُس نے اپنے سائلوں اور عابدوں کا اپنے ذمہ عاید کر لیا ہے۔ یہ مسئلہ صاف ہے البتہ غور طلب یہ ہے کہ دوسروں کے حق کی بنیاد پر سوال کرنا کیسا ہے؟ تو اگرچہ اُن لوگوں کا خدا پر اُسکے وعدہ کے رُو سے حق ہے کہ انھیں عذاب نہ دے بلکہ ثواب دے اور درجے اونچے کرے، مگر کسی اور کو اُنکے حق کی بنا پر کیا استحقاق حاصل ہے کہ اُسکا بھی سوال پُورا ہو جائے؟ کیونکہ اِن بزرگوں کو جو کچھ بھی استحقاق حاصل ہوا

کسی کے حق سے سوال جائز ہے یا نہیں؟

ہے اُن کے ایمان و طاعت کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ بات سائل کو حاصل نہیں۔ اُنکی بزرگی اسکی قبولیت دعا کا سبب کیونکر بن سکتی ہے؟ اگر کہا جائے اُنکی شفاعت و دعا سبب ہے تو بلاشبہ یہ درست ہے بشرطیکہ وہ اس کیلئے شفاعت و دعا کریں لیکن اگر نہ کریں تو پھر وہاں کوئی سبب بھی باقی نہیں رہتا۔ اگر کوئی کہے رسول اللہ سے میری محبت و موالات اور آپ پر ایمان اجابت دعا کا سبب ہے تو یقیناً یہ ایک شرعی سبب ہے اور اسکے معنی یہ ہونگے کہ سائل اللہ سے سوال کرتا اور اُسکے حضور اپنے ایمان اور اُسکے رسول سے اپنی محبت و طاعت کو بطور وسیلہ پیش کرتا ہے۔ لیکن اللہ اور غیر اللہ کی محبت میں فرق کرنا چاہئے۔ کیونکہ جو کوئی مخلوق سے ویسی محبت کرتا ہے جیسی خالق سے کی جاتی ہے تو درحقیقت شرک کا مرتکب ہوتا ہے اُسکی محبت مفید ہونے کے بجائے اُسکے حق میں کانتا بنیگی۔ لیکن جس نے اپنے دل میں اللہ کی محبت کو سب سے زیادہ جگہ دی اور اُسکے نبیوں اور نیک بندوں سے اُسکی محبت کی وجہ سے محبت کی تو اُس کیلئے اللہ کی محبت سب سے زیادہ نفع بخش ہوگی۔ ان دونوں چیزوں میں فرق کرنا بہت بڑی بات ہے۔

ان اقسام میں سے ہے

ممكن ہے کہا جائے کہ اگر رسول اللہ پر ایمان اور آپ کی محبت و طاعت سے وسیلہ چاہنا کبھی خدا کے ثواب و جنت کیلئے ہوتا ہے، جو بقول تمہارے سب سے بڑا وسیلہ ہے اور کبھی اجابت دعا کیلئے ہوتا ہے جیسا تم مثالوں میں بتا چکے ہو، تو ”اسألک بنہیک محمد“ کو اس معنی پر کیوں نہ محمول کیا جائے کہ ”میں محمد (صلعم) کے ایمان و محبت کے ساتھ سوال کرتا اور اس ایمان و محبت کو وسیلہ بناتا ہوں“ وغیرہ معانی اور تم کہہ چکے ہو کہ یہ بلا نزاع جائز ہے؟ جواب یہ ہے کہ اگر سائل کی نیت میں یہ معنی ہوں تو اسکے درست ہونے میں کلام نہیں، اور اگر یہی معنی بعض صحابہؓ و تابعینؓ اور امام احمدؒ وغیرہ کے نبی صلعم کو وصال کے بعد بھی وسیلہ قرار دینے کے لئے جائیں تو ٹھیک ہے۔

اس صورت میں مسئلہ صاف اور ستم ہے۔ لیکن بہت سے عوام اس طرح کے الفاظ بول کر
 یہ معنی مراد نہیں لیتے، جو کچھ اعتراض و انکار ہے انھیں پر ہے۔

اسی طرح اگر اس لفظ سے نبی صلعم کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا مراد ہو جیسا کہ
 صحابہؓ کا دستور تھا تو یہ بھی بلا نزاع جائز ہے۔ مگر مصیبت یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں
 اکثر لوگ ان الفاظ سے یہی مراد نہیں لیتے۔

اگر کہا جائے رشتہ کا حوالہ دیکر سوال کرنا کیسا ہے؟ تو ہم کہیں گے درست ہے۔
 کیونکہ رشتہ سے انسان کا اپنے رشتہ دار پر حق ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے :

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ - (۴: ۱۲)

اُس خدا سے ڈرو جس کے اور رشتوں کے ذریعہ
 باہم مانگتے ہو۔

برس
 نہ

رشتہ کے حوالے سے سوال

اور حدیث میں ہے : الرحم شجنة من الرحمن من وصلها وصله الله و
 من قطعها قطعه الله « (رحم رشتہ) رحمٰن کی ایک شاخ ہے جس نے اُسے جوڑا،
 خدا بھی اُسے جوڑیگا، جس نے اُسے کاٹا خدا بھی اُسے کاٹے گا (ٹیکا) اور فرمایا : ولما خلق
 الله الرحم تعلقتم بحقوى الرحمن وقالت هذا مقام العائذ بك من القطيعة،

فقال الا ترضون ان اصل من وصلك واقطع من قطعك؟ قالت بلى قد رضيت
 (جب رحمٰن نے رحم (رشتہ) کو پیدا کیا تو وہ رحمٰن کی کمر سے لٹک گئی اور کہنے لگی یہ
 قطع رحم سے تیری پناہ مانگنے کی جگہ ہے۔ خدا نے فرمایا کیا تو اس پر خوش نہیں کہ اُسے
 میں جوڑوں گا جو تجھے جوڑے اور اُسے کاٹوں گا جو تجھے کاٹے؟ کہنے لگی ہاں میں

خوش ہو گئی) اور فرمایا : يقول الله تعالى انا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها

اسما من اسمي فمن وصلها وصلته ومن قطعها بقتته « (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں
 رحمٰن نے رحم (رشتہ) کو پیدا کیا اور اپنے نام سے اسکے لئے نام نکالا، پس جو اُسے
 جوڑیگا میں بھی اُسے جوڑوں گا اور جو اُسے کاٹے گا میں بھی اُسے کاٹوں گا۔) حضرت علیؓ

کے متعلق مروی ہے کہ آپ کے بھتیجے جب اپنے باپ جعفر کا حق یاد دلا کر آپ سے مانگتے تو دیریتے تھے کیونکہ جعفر آپ کے بھائی تھے اور حق رکھتے تھے۔ رشتہ دار کا حق اُس کی موت کے بعد بھی باقی رہتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا والدین کے مرنے کے بعد بھی مجھ پر اُن کا کوئی حق باقی رہ گیا ہے جسے ادا کروں؟ فرمایا: نعم، الدعاء لھما والاستغفار لھما والنفاد وعدھما من بعدھما وصلة رحمك التي لا رحم لك الا من قبلھما، (اُن اُن کیلئے دعا اور استغفار اور اُن کے بعد اُن کے وعدہ کا پورا کرنا اور اپنے رشتہ داروں کا پاس کرنا کہ جن کا رشتہ تیرے والدین کی وجہ سے قائم ہے)۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک رشتہ

ربا ابو حنیفہؒ، اُن کے اصحاب اور دوسرے علما کا یہ کہنا کہ خدا سے کسی مخلوق کے بھی واسطے سے سوال جائز نہیں، عام اس سے کہ انبیاء ہوں یا کوئی اور۔ تو اس کے دو مطلب ہیں جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ ایک یہ کہ خدا کو اُسکی مخلوق کی قسم دلانا اور یہ، جیسا کہ بیان ہو چکا، باتفاق جماعیہ علما، اسی طرح ممنوع ہے جس طرح باتفاق علما، کعبہ و مشاعر کی خدا کو قسم دلانا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ کسی مخلوق کے ذریعہ سے سوال دعا

اس باب میں جلیل القدر محدثین

تو اسے بعض لوگوں نے جائز بتایا ہے۔ اور بعض سلف سے بھی اس باب میں آثار منقول ہیں اور بہت سے اور لوگوں کی دعاؤں میں بھی اس طرح کے الفاظ آئے ہیں۔ لیکن نبی صلیم سے اس بارے میں جو کچھ مروی ہے، ضعیف بلکہ موضوع ہے، کوئی حدیث بھی ثابت نہیں کہ جس سے استدلال کیا جاسکے بجز ایک نا مبینا والی حدیث کے جس میں ہے کہ نبی صلیم نے اُسے تلقین کی کہ: اسألك واتوجه اليك بنبيك محمد بنی الرحمة، (تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تیرے نبی محمد بنی الرحمة کے ذریعہ)

حدیث شاہ

لیکن یہ حدیث بھی حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ صاف بتا رہی ہے کہ اندھے نے نبی صلیم کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہا تھا۔ واقعہ یہ ہے اُس نے آپ سے دعا کی درخواست

کی اور آپ نے اُسے تلقین کی کہ کہہ ”اے خدا، محمد کو میرا شفیع بنا دے“ اسی لئے جب آپ نے دعا کی تو خدا نے اُسکی بینائی لوٹا دی۔ یہ آپ کے معجزات کی قسم سے ہے، ورنہ اگر اور اندھے جنکے حق میں آپ نے دعائیں کی اسطرح کا وسیلہ چاہتے یا چاہیں تو انکا یہ حال نہ ہوگا۔

رہی امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ کی استقامت دعا جو مجاہدین و انصار میں مشہور ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ: اللھم انا کننا اذا اجدنا نتوسل الیک بنبتنا فسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبتنا“ (خدا یا، جب ہم قحط میں پڑتے تھے تو تیرے حضور اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، اب ہم اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں) تو صاف دلالت کرتا ہے کہ جس طرح کا وسیلہ چاہنا صحابہؓ میں مشہور و معروف تھا وہ آپکی دعا و شفاعت کا وسیلہ تھا نہ کہ آپکی ذات کو درمیان میں رکھ کر سوال کرنا۔ کیونکہ اگر یہ مشروع ہوتا تو حضرت عمرؓ اور ہما جبریں انصار آپکو چھوڑ کر دعا میں حضرت عباسؓ کا حوالہ نہ دیتے۔

انبیاء و صالحین کے حوالہ سے دعائیں نزاع ہو سکتی ہے برخلاف خدا کو قسم دلانے کے۔ کیونکہ سوال اور قسم میں فرق ہے۔ سوال عاجزی و خوشامد ہے اور ایک ایسا سبب ہے جو دعا کے مستجاب ہونے سے مناسبت رکھتا ہے۔ لیکن قسم اس سے مختلف ہے، اس میں سوال پورا کر دینے کی تاکید ہوتی ہے۔ قسم دینے والا اُسی کو قسم دلاتا ہے جسے سمجھتا ہے کہ اُسکی قسم پوری کر دیگا۔ خدا کی جناب میں ہر کر و مرہ اس خیال کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ اُسکی قسم پوری کر دیگا، کیونکہ اُس نے اس طرح کی قسمیں پوری کر دینے کا امتیاز اپنے خاص خاص بندوں ہی کو دیا ہے۔ البتہ سوال و دعا کو عام رکھا ہے، چنانچہ وہ سب کے سوال پورے کرتا ہے، سب کی دعائیں قبول کرتا ہے، محتاج کی بھی، مظلوم کی بھی، مومن کی بھی، کافر کی بھی۔ صحیح بخاری

حضرت عمرؓ کی دعا

سوال اور قسم

میں ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا : ما من داع يدعو الله بدعوة ليس فيها اثم ولا
 قطيعة رحم الا اعطاه الله بها احدى خصال ثلاثه ما ان يعجل له دعوته وما
 ان يدخر له من الخير مثلها وما ان يصرف عنه من الشر مثلها " قالوا يا رسول
 الله اذا نكثت قال " الله اكفر " (جو دعا کرے جو الہی سے ایسی دعا کرتا ہے جس میں
 نہ گناہ ہو نہ پاپ نہ رشتہ نہ کتاب ہے تو خدا اُسے تین باتوں میں سے ایک بات ضرور دیتا ہے
 یا تو اُسکی دعا قبول کر لیتا ہے یا اُس کیلئے ویسی ہی بھلائی جمع کر رکھتا ہے یا اُس سے
 ویسی ہی بُرائی ہٹا دیتا ہے)۔

انبیاء سے اس معنی میں وسیلہ چاہنا کہ اُنکے حوالہ سے سوال ہو جائے، تو اُسے حسیا
 کہ مذکور ہوا ابو حنیفہؒ اور اُن کے اصحابؒ وغیرہ نے ناجائز قرار دیا ہے اور مشہور
 مذہب مالکؒ میں اسکے مخالفت کوئی بات نہیں ملتی۔ جو کوئی مذہب مالکؒ سے ایسی
 بات پیش کرتا ہے جس میں قسم یا سوال کے معنی میں وسیلہ کو جائز بتایا گیا ہے تو وہ ایک
 بے بنیاد بات پیش کرتا ہے۔ کیونکہ مالکؒ اور اُنکے اصحابؒ سے اس بارے میں کوئی
 روایت منقول نہیں بلکہ مالکؒ سے تو یہاں تک مشہور ہے کہ اُنھوں نے دعائیں "یا سیتدی"
 "یا سیتدی" کہنے کو بھی مکروہ قرار دیا اور تاکید کی ہے کہ انبیاء کی طرح "یارب، یارب،
 یا کریم، کہا کرو۔ نیز "یا حنان، یا متان" کہنے کو بھی مکروہ بتایا ہے۔ کیونکہ نبی صلعم
 سے ماثور نہیں۔ پس اگر مالکؒ اس طرح کی دعا بھی ناپسند کرتے تھے جو اُنکے خیال
 میں مشروع نہیں، تو پھر کیونکر باور کیا جاسکتا ہے کہ اُنھوں نے خدا سے مخلوق کا حوالہ
 دیکر سوال کرنے کو جائز قرار دیا ہوگا عام اس سے کہ مخلوق انبیاء ہوں یا غیر انبیاء۔
 خصوصاً اسی حالت میں کہ اُنھیں خوب معلوم تھا کہ "عام الرمادہ" میں جب صحابہؓ سخت قحط
 میں مبتلا ہوئے تو اُنھوں نے نبیؐ اور غیر نبیؐ کسی مخلوق کی بھی ذات کے حوالہ سے دعا
 لے لیکن یہ بھل کے حنفی قبر پرستی اور اس طرح کی دعاؤں کو حقیقت کی علامت سمجھتے ہیں۔ فاعبروا یا اولی اللباب۔

نہیں مانگی بلکہ حضرت عمرؓ نے کہا: "اے خدا جب ہم قحط میں پڑتے تھے تو تیرے پاس اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے، اب ہم تیرے پاس اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں،" ہمیں سیراب کر۔" یہی صحیح بخاری میں ابن عمرؓ و انسؓ وغیرہ صحابہؓ سے ثابت ہے کہ جب کبھی قحط پڑتا تھا تو وہ نبیؐ کی دعا کو وسیلہ بناتے تھے۔ کہیں مذکور نہیں کہ صحابہؓ میں سے کسی ایک نے بھی خود آپؐ کی زندگی میں آپؐ کی ذات یا کسی اور مخلوق کی ذات کے واسطے سے استسقا یا کسی اور موقع پر سوال کیا ہو۔ رہی حدیث اعلیٰ تو اس پر عنقریب گفتگو کی جائیگی۔ اور اگر آپؐ کی ذات کے حوالہ سے سوال کرنا صحابہؓ میں رائج ہوتا تو وہ حضرت عمرؓ سے ضرور کہتے کہ رسول اللہؐ کی ذات سے سوال و وسیلہ، عباسؓ رحمہ اللہ کے ذریعہ سوال و وسیلہ سے کہیں افضل و ادلیٰ ہے، ہم اُس مشروع فعل پر رد گردانی نہیں کر سکتے جو آپؐ کی زندگی میں کیا کرتے تھے۔ ہم فضل خلق کا وسیلہ چھوڑ کر آپؐ کے بعض رشتہ داروں سے وسیلہ نہ چاہیں گے۔ کیونکہ اس سے سنت مشروعہ کا ترک، افضل و ادلیٰ سے رد گردانی اور اعلیٰ سبب کو چھوڑ کر ادنیٰ سبب سے سوال کرنا لازم آتا ہے، حالانکہ ہم نہایت سخت خشک سالی میں مبتلا ہیں اور فوراً اپنی مصیبت سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اُن میں سے کسی ایک نے بھی اس طرح کا کوئی اعتراض نہیں کیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا تھا وہی بہت صحابہؓ کی موجودگی میں معاویہؓ نے کیا کہ یزید بن الاسود الجرشىؓ کے ذریعہ سے دعا کی۔

اسی طرح شافعیؒ و احمدؒ کے اصحاب وغیرہ نے کہا ہے کہ استسقا میں اہل غیر و صلاح کی دعا کا وسیلہ ڈھونڈنا چاہئے، اگر رسول اللہؐ کے رشتہ دار موجود ہوں تو حضرت عمرؓ کی پیروی میں اُن کا وسیلہ افضل ہے۔ لیکن کسی اہل علم نے بھی نہیں کہا کہ نبیؐ یا غیر نبیؐ کسی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے استسقا میں دعا کرنا روا

امام مالکؒ پر تہمت

اسی طرح جو کوئی روایت کرے کہ امام مالکؒ نے رسول اللہ (صلعم) یا کسی اور سے اُسکی موت کے بعد سوال جائز بتایا، یا مالکؒ کے علاوہ کسی دوسرے امام مثلاً شافعیؒ احمدؒ وغیرہ کی طرف اُسے منسوب کرے تو وہ جھوٹا ہے اور ان ائمہ پر تہمت رکھتا ہے لیکن بد قسمتی سے بعض جاہل ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اِس طرح کی ایک بات امام مالکؒ کے سرخو پڑی ہے اور دلیل میں ایک جھوٹی حکایت اُنکی جانب منسوب کر دی ہے، جو اگر صحیح ثابت ہو جائے تو بھی اِس سے وسیلہ کی یہ مابہ النزاع صورت جائز نہیں ہوتی بلکہ قیامت میں آپ کی شفاعت سے وسیلہ ثابت ہوتا ہے۔ لیکن ہمیں اِس حکایت کے ماننے سے قطعی انکار ہے، کیونکہ بالکل بے بنیاد اور سرسریں گروہت ہے جیسا کہ ذیل میں مفصل مذکور ہے۔

نبی صلعم سے سلف کی محبت

قاضی عیاضؒ نے اپنی کتاب کے باب ”زیارة قبر النبی صلعم“ میں اِس حکایت کا ذکر نہیں کیا بلکہ صرف وہ روایتیں نقل کی ہیں جو مالکؒ و اصحاب مالکؒ سے مشہور ہیں۔ بلاشبہ اُنہوں نے اُسے اِس بحث کے ضمن میں نقل کیا ہے کہ نبی صلعم کی عزت و حرمت، وفات کے بعد بھی ویسی ہی ضروری ہے جیسی حیات میں تھی۔ چنانچہ امام مالکؒ کی بابت نقل کیا ہے کہ اُن سے ایوب سختیانی کی نسبت سوال کیا گیا تو کہا: ”جتنے لوگوں سے حدیث روایت کر کے میں تمہیں سناتا ہوں، اُن سب سے ایوبؓ افضل ہیں۔ اُنہوں نے دو حج کئے۔ میں اُنہیں بغور دیکھا کرتا تھا، میں نے ہمیشہ یہی دیکھا کہ جب کبھی نبی صلعم کا ذکر کرتے تو اِتنا روتے کہ مجھے ترس آ جاتا! جب میں نے یہ باتیں خصوصاً آنحضرتؐ کی استقدر تعظیم دیکھی تو اُن سے حدیث لکھی“ مصعب بن عبد اللہؓ کہتے ہیں کہ ”امام مالکؒ جب رسول اللہ صلعم کا ذکر کرتے تو اُنکا رنگ بدل جاتا اور جھک جاتے یہاں تک کہ اُنکے ہنشین پریشان ہو جاتے! ایک مرتبہ اُن سے اِس بارے میں کہا گیا، فرمانے لگے: ”اگر تم وہ دیکھتے جو میں نے

دیکھا ہے تو معترض نہ ہوتے۔ میں نے محمد بن المنکدرؒ کو دیکھا، جو سید القراء تھے، جب کبھی ہم اُن سے کسی حدیث کے متعلق سوال کرتے تو ضرور روتے اور اسقدر روتے کہ ہمیں ترس آ جاتا! میں نے جعفر بن محمدؒ کو دیکھا، جو بہت ہنس مکھ اور زندہ دل تھے، لیکن جوں ہی رسول اللہ کا ذکر آتا، زکارنگ زرد ہو جاتا، کبھی رسول اللہ کی حدیث بغیر طہارت روایت نہ کرتے۔ میں ان کے پاس ایک مدت تک آتا جاتا رہا اور ہمیشہ اسی حالت میں دیکھا کہ یانا ز پڑھتے ہوتے یا خاموش رہتے یا تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے، غیر ضروری گفتگو نہ کرتے تھے۔ وہ اُن علماء و خطباء میں سے تھے جو خدا سے ڈرتے ہیں! میں نے عبدالرحمن بن القاسمؒ کو دیکھا کہ جب نبی صلعم کا ذکر کرتے تو بہت سے اُنکی یہ حالت ہو جاتی کہ زرد پڑ جاتے گویا جسم میں خون سوکھ گیا ہے اور منہ میں زبان خشک ہو گئی ہے! میں عامر بن عبداللہ بن الزبیرؓ کے پاس بھی آتا جاتا تھا، جب کبھی رسول اللہ صلعم کا ذکر آ جاتا تو رونا شروع کر دیتے یہاں تک کہ آنکھیں سوکھ جاتیں! میں نے زہریؒ کو دیکھا ہے جو نہایت ہی خوش باش اور ملتسار تھے، مگر نبی صلعم کا ذکر آتے ہی ایسے ہو جاتے گویا نہ تمھیں جانتے ہیں نہ تم اُنھیں! میں صفوان بن سلیمؒ کے پاس بھی آتا جاتا تھا، نہایت عبادت گزار آدمی تھے، جب نبی صلعم کا ذکر سن لیتے تو روتے اور اسقدر روتے کہ لوگ اُکتا کر اُنھیں مجلس میں اکیلا چھوڑ کے اُٹھ جاتے! یہ تمام روایتیں درست اور قاضی عیاضؒ نے اصحاب مالکؒ کی مشہور کتابوں سے نقل کی ہیں۔ پھر غریب و منقطع اسناد کے ساتھ وہ حکایت درج کی ہے جو امام مالکؒ کی طرف منسوب ہے۔ لکھتے ہیں: حد ثنا ابو العباس احمد بن عمرو بن ذلھات قال حد ثنا ابو الحسن علی بن فھر، حد ثنا ابو بکر بن محمد بن احمد بن الفرج، حد ثنا ابو الحسن عبد اللہ بن المنتاب، حد ثنا یعقوب بن اسحاق بن ابی اسرائیل، حد ثنا ابن حمید قال: ”امیر المؤمنین ابو جعفرؑ نے امام مالکؒ سے مسجد نبویؐ میں مناظرہ کیا اور

طہر
میں
تکلیف

چلا کر لو۔ مالکؒ نے خلیفہ کو ٹوک دیا کہ ”اس مسجد میں غل نہ مچاؤ، کیونکہ خدا نے ایک گروہ کو یہ کلمہ ادب سکھایا ہے : لَا تَزْعُمُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“ (۲۶: ۱۳) (نبیؐ کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو) اور دوسرے کی تعریف میں فرمایا ہے : إِنَّ الَّذِينَ يَغْضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أَلَمْ يَأْكُلُوا لَحْمَ رَسُولٍ (جو رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں) اور تیسرے کی مذمت کی ہے : إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ فِي بُيُوتِهِمْ نِسَاءٌ (جو تجھے حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں) مرنے پر بھی آپؐ کی عزت وہی ہے جو جیتے میں تھی، یہ سُکر خلیفہ دھیمّا پڑ گیا اور کہنے لگا اے ابو عبد اللہ (مالکؒ) میں قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کروں یا رسول اللہ کی طرف؟ مالکؒ نے جواب دیا ”رسول اللہ سے کیوں روگردانی کرو جبکہ وہ نبیؐ میں خدا تک تمہارا وسیلہ اور تمہارے باپ آدم (علیہ السلام) کا وسیلہ ہیں بلکہ آپؐ کی طرف رُخ کرو اور آپؐ کی شفاعت طلب کرو خدا یہ شفاعت قبول کرے گا۔ کیونکہ وہ خود ہی فرماتا ہے : وَكَوَاكِبُهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا ذَحِيًّا“ (۶: ۵) (جب اپنے

اوپر اُنھوں نے ظلم کیا تھا تو اگر تیرے پاس آتے اور خدا سے مغفرت چاہتے اور رسول اُن کیلئے مغفرت چاہتا تو البتہ خدا کو توبہ قبول کر نیوالا اور رحم کر نیوالا پاتے)۔

یہ حکایت منقطع ہے کیونکہ محمد بن حمید الرازی نے مالک کو نہیں پایا، خصوصاً ابو جعفر منصور کے زمانہ میں۔ کیونکہ ابو جعفر نے ۱۵۸ھ میں مکہ میں وفات پائی، اور

مالک ۱۶۹ھ اور محمد بن حمید ۲۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ محمد بن حمید کبھی وطن سے باہر نہیں گئے اور جب طلب علم کیلئے نکلے تو اچھی عمر کے ہو چکے تھے۔ مزید برآں یہ کہ اکثر اہل حدیث کے نزدیک وہ ضعیف ہیں۔ ابو زرہ اور ابن دارہ نے انھیں جھوٹا بتایا ہے۔ صالح بن محمد الاسدی کہا کرتے تھے ”میں نے محمد بن حمید سے زیادہ کسی کو اللہ

پر جری اور دروغ بانی میں ماہر نہیں دیکھا " یعقوب بن شیبہ کی رائے ہے " سخت منکر روایتوں والا " نسائی کا قول ہے " ثقہ نہیں " ابن حبان کہتے ہیں " ثقات سے الگ ہو کر مقلوبات روایت کرتا ہے " امام مالک سے مؤطا کے سب سے آخری راوی ابو صعب ہیں جو ۲۲۷ھ میں فوت ہوئے اور سب سے آخری علی الاطلاق روایت کرنے والے احمد بن اسماعیل السہمی ہیں جو ۲۵۹ھ میں فوت ہوئے۔ ان میں سے کسی نے بھی چکایت روایت نہیں کی۔ پھر اسناد میں ایسے لوگ موجود ہیں جنکی حالت مجہول ہے۔

امام مالک کے مشہور اصحاب میں سے کسی نے بھی یہ حکایت ذکر نہیں کی۔ محمد بن حمید اگر اسناد سے روایت کریں تو بھی اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں؛ پھر اگر ارسال کریں تو ظاہر ہے انکی روایت کس درجہ کی ہوگی۔ اصحاب مالک متفق ہیں کہ ان کے امام سے اس طرح کی کوئی روایت کسی فقہی مسئلہ میں بھی معتبر نہیں۔ بلکہ اگر ان سے شامی مثل ولید بن مسلم اور مروان بن محمد الطاطری روایت کرتے ہیں تو انکی روایت بھی ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ان کے ہاں صرف مدنیوں اور مصریوں کی روایت معتبر ہے۔ جب حالت یہ ہے تو ایک ایسی حکایت پر کیا حکم لگایا جائیگا جو مالک کے مشہور مذہب کے بالکل خلاف پڑتی ہے اور صرف ایک ایسے خراسانی کی زبانی سنی گئی ہے جس نے مالک کو پایا نہیں اور جسکی محدثین نے تضعیف کی ہے؟

پھر اس حکایت سے وہ بات بھی ثابت نہیں ہوتی جسے لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ امام مالک کا یہ کہنا کہ رسول اللہ تیرے اور تیرے باپ آدم کا خدا کی پاس قیامت میں وسیلہ ہیں، صاف بتا رہا ہے کہ آدم اور اولاد آدم قیامت میں آپ کا وسیلہ چاہیں گے، یعنی آپ کی شفاعت کے خواستگار ہوں گے۔ اور یہ درست ہے، جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ جب قیامت میں لوگ آدم (علیہ السلام) کے پاس پہنچیں گے اور شفاعت چاہیں گے تو وہ انھیں نوح (علیہ السلام) کے پاس بھیج دیں گے

حکایت کی تصریح

پھر فرح، ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس اور ابراہیم، موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس اور موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس اور عیسیٰ حضرت محمد (صلعم) کے پاس۔ اور جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا: اناسید ولد آدم یوم القیامۃ ولا فخر، آدم مرے دونہ تخت لوائی یوم القیامۃ ولا فخر، (میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں، فخر نہیں۔ آدم اور جو اُنکے بعد ہیں قیامت میں سب میرے چھنڈے تلے ہونگے، فخر نہیں)۔

علاوہ ازیں یہ حکایت متعدد وجوہ سے مذہب مالک کے بالکل خلاف ہے۔

ایک یہ کہ جب امام مالک سے خلیفہ نے پوچھا کہ قبہ کی طرف مُرخ کروں یا رسول اللہ کی طرف؟ تو اُنہوں نے کہا ”رسول اللہ سے کیوں روگردانی کرو جبکہ وہ تمہارا اور تمہارے باپ آدم کا وسیلہ ہیں“ کیونکہ مالک اور دوسرے ائمہ اور جملہ صحابہ و تابعین و سلف صالح کا قول و عمل اسکے خلاف ثابت ہے۔ سب نے ہی کہا ہے کہ مسجد نبوی میں رسول اللہ پر سلام کے بعد اگر اپنے لئے دعا کا ارادہ ہو تو قبہ کی طرف مُرخ کرنا چاہئے نہ کہ آپ کی قبر کی طرف۔ ہاں سلام اور آپ کیلئے دعا کرتے وقت قبر شریف کی طرف مُرخ کرنا چاہئے۔ یہی قول اکثر علماء مثل مالک (فی احدی الروایتین) اور شافعی و احمد وغیرہم کا ہے، اور اصحاب ابو حنیفہ تو سلام کے وقت بھی قبر کی طرف مُرخ کرنے کو منع کرتے ہیں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ سلام کے وقت حجرہ کو بائیں ہاتھ کی طرف کرے جیسا کہ ابن وہب نے مالک سے روایت کیا ہے اور بعض نے کہا بلکہ حجرہ کو پشت پر کرنا چاہئے، اور اسی پر اُس زمانہ میں عمل تھا۔ لیکن ہر حال میں یہی ثابت ہے کہ امام مالک نے قبر کے پاس زیادہ دیر کھڑے ہونیکو مکروہ قرار دیا ہے، چنانچہ قاضی عیاضؒ نے مبسوط میں مالک سے نقل کیا ہے کہ ”میرے نزدیک قبر نبویؐ پر کھڑے ہو کر دعا نہ کرنا چاہئے بلکہ سلام کر کے ہٹ جانا چاہئے، کیونکہ نافعؓ کہتے تھے کہ ابن عمرؓ کو میں نے سینکڑوں مرتبہ دیکھا کہ قبر مبارک پر آتے اور کہتے ”نبیؐ

صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام، ابوبکرؓ پر سلام، میرے باپ پر سلام! پھر چلے جاتے۔“ نیز ابن عمرؓ کو دیکھا گیا کہ منبر پر نبی صلعم کی نشست پر ہاتھ رکھتے پھر اپنے چہرہ پر رکھتے۔ ابن ابی قحیفہؓ سے روایت ہے کہ تب مسجد خالی ہوتی تو صحابہؓ منبر کے اُس بازو میں جو قبر کے سامنے ہے جھکتے اور پھر قبلہ رخ ہوتے اور دعا کرتے۔ یحییٰ بن یحییٰ اللیثیؓ سے مروی ہے کہ ابن عمرؓ قبر نبویؐ پر کھڑے ہوتے اور نبی صلعم پر اور ابوبکرؓ و عمرؓ (رضی اللہ عنہما) پر صلوٰۃ بھیجتے۔ ابن القاسمؓ اور تعنبیؓ کی روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کیلئے دعا کرتے۔ روایت ابن دہبؓ میں مالکؓ کا قول ہے کہ کہتے ”السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اور مبسوط میں ہے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ پر سلام کرتے۔ ابو الولید الباجیؒ کہتے ہیں ”میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ نبی صلعم کیلئے لفظ صلوٰۃ سے دعا کی جائے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کیلئے لفظ رحمت سے کیونکہ ابن عمرؓ کی حدیث میں خلافت واقع ہو گیا ہے“ یہ دعا اُس دعا کی تفسیر کرتی ہے جو روایت ابن دہبؓ میں ہے کہ مالکؓ نے کہا ”جب نبی صلعم پر سلام کرے اور دعا کرے تو اس طرح کھڑا ہو کہ منہ قبر کی طرف ہو، قریب ہو کہ سلام کرے مگر قبر نہ چھوئے“ یہ آپ پر سلام ہو، رہی صلوٰۃ کے ساتھ دعا تو اُسکا بیان ہو چکا۔

اسی طرح ہر وہ دعا ہے جسے اصحاب مالکؓ نے نقل کیا ہے جیسا کہ ابن حبیبؒ نے واضح میں اور دوسرے لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ مالکؓ نے مبسوط میں کہا ”اہل مدینہ میں سے جو کوئی مسجد میں داخل ہو یا باہر نکلے، اُس کیلئے قبر پر کھڑا ہونا ضروری نہیں، یہ صرف پردیسیوں کیلئے ہے“ نیز مبسوط میں مالکؓ کا قول ہے کہ ”سفر پر جانے اور سفر سے لوٹنے والے کیلئے کوئی مضائقہ نہیں اگر قبر اطہر پر کھڑا ہو، رسول اللہؐ پر درود بھیجے اور ابوبکرؓ و عمرؓ کیلئے دعا کرے“ لوگوں نے کہا کہ مدینہ کے بعض لوگ ایسے ہیں جو بغیر کسی سفر کے بھی ایسا کرتے ہیں، کبھی دن میں ایک مرتبہ، کبھی اس سے بھی زیادہ

تشریح کی گئی ہے اور بہت سی باتیں لکھی ہیں

بعض جمعہ میں ایک مرتبہ، بعض اور دنوں میں ایک دو اور کئی کئی دفعہ قبر کے پاس کھڑے ہوتے ہیں، سلام کرتے ہیں اور دیر تک دعا کرتے رہتے ہیں۔ امام مالکؒ نے جواب دیا ”اپنے اس شہر کے اہل فقہ سے مجھے سطح کی کوئی بات نہیں پہنچی، اس کا ترک ہی بہتر ہے، اس امت کا آخر بھی اسی چیز سے درست ہو گا جس سے اُس کا اول درست ہوا ہے، مجھے اس امت کے اول سے نہیں پہنچا کہ کوئی ایسا کرتا ہو، یہ صرف سفر پر جانے اور سفر سے آنے والوں کیلئے مباح ہے اور مدینہ کے باشندوں کیلئے مکروہ“ ابن قاسمؒ کہتے ہیں کہ میں نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ جب سفر پر جانے لگتے یا سفر سے واپس آتے تو قبر پر جاتے اور سلام کرتے۔ ابو الولید الباجیؒ کہتے ہیں کہ اہل مدینہ اور پردیسیوں کے مابین فرق ہے، کیونکہ پردیسی اسی ارادہ سے آتے ہیں اور اہل مدینہ تو یہیں کے باشندے ہیں، قبر اور سلام کیلئے کہیں باہر سے نہیں آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اللھم لا تجعل قبری وثنای عبد، اشد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبورا نبیاً ثم مساجد“ (خدا یا میری قبر کو بت نہ کیجیو کہ پوجی جائے۔ غضب الہی اُن لوگوں پر سخت ہو گیا جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبر کو مسجد قرار دیا) اور فرمایا: ”لا یجعلوا قبری عیداً“ (میری قبر کو بار بار آنے جانے کی جگہ نہ بناؤ) احمد بن شعبہؒ کی کتاب میں ہے کہ جو کوئی قبر شریف پر جائے تو اُس سے ملے نہیں نہ اُسے چھوئے نہ دیر تک کھڑا رہے۔ عتبہ بن مالکؒ کا قول ہے ”سلام سے پہلے مسجد نبویؐ میں تحیۃ المسجد ادا کرے، نوافل کیلئے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصیٰ کو پسند کرتا ہوں، رہے فرائض تو اُن کیلئے اگلی صفیں بہتر ہیں، پردیسیوں کیلئے میں نفل نماز پر نسبت گھر کے مسجد میں پڑھنے کو ترجیح دیتا ہوں“۔

۱۔ اس جہیز حضرت امام مالکؒ نے اصلاح کا سب سے بڑا قاعدہ بیان کر دیا ہے کہ مسلمان خزانہ میں بھی اسی سے سدھریں گے جس سے اول زمانہ میں سدھریچکے ہیں۔ وہ چیز کیا تھی؟ کتاب و سنت! پس اگر مسلمان اپنی حالت درست کرنا چاہتے ہیں تو کتاب و سنت پر قائم ہو جائیں۔ (مترجم)

صلوات قبر نبویؐ کیسے جاتے تھے؟

یہ ہیں مالکؒ اور اصحاب مالکؒ کے اقوال اور صحابہؓ و تابعینؓ سے اُنکی روایت جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ سلف صالحؓ قبر شریف پر صرف نبی صلعم کے سلام اور خود آپ کیلئے دعا کرنے کو جاتے تھے۔ مالکؒ نے دہاں دیر تک کھڑے رہنے کو بھی مکروہ اور اہل مدینہ کیلئے ہر مرتبہ مسجد میں آتے اور جاتے وقت قبر پر جانے کو مکروہ قرار دیا ہے، یہ صرف پردیسیوں کیلئے ہے یا اہل مدینہ میں سے اُن لوگوں کیلئے جو سفر پر جا رہے ہوں یا واپس آئے ہوں، کیونکہ یہ نبی صلعم کیلئے سلام و تحیہ ہے۔ رہی انسان کی خود اپنے لئے دعا تو اُسکے لئے مسجد نبویؐ ہے جس میں قبلہ رخ ہو کر دعا مانگنا چاہئے جیسا کہ مالکیوں وغیرہ نے صحابہؓ سے روایت کیا ہے۔ کسی صحابیؓ سے بھی منقول نہیں کہ اُس نے اپنے لئے دعا قبر نبویؐ کے پاس کی ہو۔ اپنے لئے دعا کیا معنی خود نبی صلعم کیلئے بھی دعا قبر کے پاس دیر تک ٹھیر کر کی ہو۔

قبر نبویؐ کے پاس دعا

راہِ نبی صلعم سے آپکی قبر کے پاس یا آپکے وصال کے بعد دعا کرنا، مرادیں مانگنا، سفارش و شفاعت کا خواستگار ہونا تو یہ سلف میں سے کسی ایک شخص نے بھی نہیں کیا۔ خود آپ سے دعا و شفاعت تو بڑی چیز ہے، اگر قبر شریف کے پاس دعا کرنا یا آپکے حوالہ سے سوال کرنا بھی مشروع ہوتا تو ظاہر ہے صحابہؓ و تابعینؓ ضرور کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ بالا منقطع حکایت میں امام مالکؒ کی طرف یہ الفاظ منسوب کرنا کہ ”رسول اللہؐ کی طرف رخ کرو اور آپ سے شفاعت چاہو“ مالکؒ پر ہتھکنڈا رکھنا ہے، یہ قول خود اُن کے اپنے اور جملہ صحابہؓ و تابعینؓ کے اقوال و افعال کے خلاف ہے کہ جن پر خود امام مالکؒ اور اُنکے اصحاب کا عمل تھا اور جنہیں تمام علماء نے نقل کیا ہے۔ صحابہؓ میں سے کسی نے بھی قبر کی طرف رخ کر کے کبھی خدا سے اپنے لئے دعا نہیں مانگی، کجا قبر کی طرف منہ کر کے خود رسول اللہؐ سے عرض کرنا کہ ”اے آقا! میرے لئے شفاعت کیجئے، دعا کیجئے“ یہ بھی نہیں ہوا کہ آپ سے دنیاوی یا دینی

تکالیف و مصائب کا شکوہ کیا گیا ہو، یا آپ سے یا کسی اور مُردہ سے خواہ انبیاء میں سے ہو یا صالحین میں سے یا ملائکہ میں سے، خواہش کی ہو کہ وہ شفاعت کرے، مصائب دُور کرے۔ یہ باتیں مسلمانوں کی نہیں، نصاریٰ و غیرہ کفار و مشرکین اور اس امت میں سے اُن کے ہم مشرکوں کی ہیں۔ یہ افعال سابقین اولین من الہما جرین والا نصار کے نہیں، نہ تابعین لہم باحسان کے ہیں، نہ ائمہ میں سے کسی نے اُنکا حکم دیا ہے۔ نبی صلعم پر سلام درست ہے اور وہ سلام کرتے تھے، آپ قریب کا سلام خود سُنتے اور دُور کا سلام معلوم کر لیتے ہیں۔

قبر شریف کے پاس سلام کو امام احمدؒ اور دوسرے اماموں نے حیوۃ ابن شریح المصریؒ کی حدیث کی بنا پر جائز بتایا ہے اُس میں ہے: "ما من احد یسلو علی الاراد (اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام)" (جو کوئی بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے خدا اُسے میری روح تک پہنچا دیتا ہے تاکہ میں بھی اُسے سلام کا جواب دوں)۔

رہیں قبر انور کی زیارت کی حدیثیں تو سب کی سب ضعیف اور ناقابل التفات ہیں، اسی لئے اصحاب صحاح و سنن نے اُن میں سے کوئی ایک بھی روایت نہیں کی۔ اُن میں سب سے زیادہ قوی حدیث عبد اللہ بن عمر الحمیریؓ کی ہے، مگر فی نفسہ وہ بھی ضعیف اور جھوٹ کی سیما ہی سے کالی ہو رہی ہے۔ مثلاً بقول راوی فرمایا: "من زاد فی بعد حقایق فکانما زاد فی حیاتی"، (جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی، گویا

زندگی ہی میں میری زیارت کی) اسکا باطل اور مخالفت دین ہونا بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ جس نے ایمان کے ساتھ آپ کی زندگی میں زیارت کی، صحابی ہے، اور اگر آپ کی طرف ہجرت کی یا آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا تو اور بھی بڑے درجہ کا مستحق ہے۔ اور معلوم ہے کہ بعد کا کوئی مسلمان کتنا ہی بڑھ جائے صحابہؓ کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: "لا تسبوا اصحابی"

قبر نبوی کے پاس سلام

قبر نبوی کی زیارت کی حدیثیں

فوالذی نفسی بیدار لو انفق احدکم مثل اُحد ذهباً ما بلغ مداحدهم ولا نصيفه“
 امیرے اصحاب کو برا نہ کہو، کیونکہ قسم ہے اُسکی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم اُحد پہاڑ
 کے برابر بھی سونا خرچ کر دو تو بھی اُن کی ایک مٹھی کو نہ پہنچو گے۔ پس اگر بعد کا کوئی
 مسلمان فرض و واجب اعمال و عبادات مثلاً حج، جہاد، صوم، صلوٰۃ کے ذریعہ سے بھی
 صحابہؓ کے برابر نہیں ہو سکتا تو ایک ایسے فعل (زیارتِ قبرِ نبویؐ) کے ذریعہ سے کیونکر
 اُن کا ہم رتبہ یا اُنکے مانند ہو سکتا ہے جو با اتفاقِ جملہ اہل اسلام فرض و واجب نہیں
 بلکہ اُسکے ارادہ سے سفر کا بھی حکم نہیں دیا گیا، حکم کیا معنی، اس قسم کے سفر ہی سے
 منع کر دیا گیا ہے! اہل مسجدِ نبویؐ اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کیلئے سفر مستحب اور حج کیلئے
 کعبہ کا سفر فرض ہے، مگر اس مستحب و فرض سفر سے بھی کوئی شخص صحابہؓ کے درجہ کو
 نہیں پہنچ سکتا کیا ایسے سفر سے جسکی مانعت ثابت ہے؟ تمام ائمہ متفق ہیں کہ اگر
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء و صالحین کی قبروں کی زیارت کیلئے منت مانی گئی تو اُسے پورا
 کرنا روا نہیں، اسکے خلاف مسجدِ نبویؐ اور مسجدِ اقصیٰ میں نماز کی منت کا پورا کرنا ضروری
 ہے۔ اس بارے میں امام شافعیؒ سے دو قول مروی ہیں: ایک یہ کہ اس منت کا پورا
 کرنا واجب ہے اور یہی امام احمدؒ اور امام مالکؒ کا مذہب ہے اور دوسرا قول یہ
 ہے کہ واجب نہیں اور یہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے جن کا اصول ہی یہ ہے کہ
 نذر اُسی فعل کی واجب ہوگی جو شرعاً خود واجب ہے اور چونکہ ان دونوں مسجدوں کا
 سفر شرعاً واجب نہیں اسلئے اُنکے نزدیک اس سفر کی نذر بھی واجب نہیں۔ لیکن اکثر
 علماء کی یہ رائے ہے کہ عبادات و طاعات کی نذر پوری کرنی چاہئے کیونکہ صحیح بخاری میں
 ہے کہ فرمایا: ”من نذر ان یطعم اللہ فلیطعه ومن نذر ان یعصی اللہ فلا یعصه“
 (جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی چاہئے کہ اطاعت کرے اور جس نے نافرمانی کی نذر
 مانی چاہئے کہ نافرمانی نہ کرے)۔

رہا قبورِ انبیاء و صالحین کی زیارت کیلئے سفر تو وہ نذر ماننے کی وجہ سے کسی امام کے نزدیک بھی واجب نہیں ہوتا۔ پھر یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ جو ایسا کرے گا صحابہؓ کا ہم درجہ ہو جائیگا؟ خصوصاً ایسی حالت میں کہ امام مالکؒ اس قول تک کو برا اور مکروہ قرار دیتے ہیں کہ "میں نے قبرِ نبویؐ کی زیارت کی" اور یہ اس لئے کہ لفظ "زیارت" محفل ہے جس میں بدعی زیارت بھی داخل ہے جو شرک کی قسم سے ہے۔ کیونکہ قبورِ انبیاء و مؤمنین کی زیارت، جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا، دو قسم کی ہے: شرعی زیارت اور بدعی زیارت۔ شرعی زیارت سے مقصود نمازِ جنازہ کی طرح مُردہ پر سلام اور اُسکے حق میں دعا ہوتی ہے۔ بدعی زیارت مشرکین و مبتدعین کی زیارت ہے جو مُردوں سے دعائیں کرنے اور بتیں ماننے جلتے ہیں یا یہ سمجھتے ہیں کہ کسی بزرگ کی قبر کے پاس دعا مانگنا مسجدوں اور گھروں میں دُعا مانگنے سے افضل ہے، یا یہ کہ خدا کو اُنکی قسم دلانا یا اُنکی ذات کے حوالے سے سوال کرنا مشروع اور قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔ یہ بدعی زیارت ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے۔ پس چونکہ لفظ "زیارت" مشتبه و محفل اور حق و باطل دونوں کو محفل تھا اسلئے امام مالکؒ نے اُسے ناپسند کیا اور ایسے الفاظ اختیار کئے جن میں اس طرح کا اشتباہ نہیں، مثلاً نبی صلم پر سلام وغیرہ۔ امام مالکؒ کی اس رائے پر قبرِ نبویؐ کی زیارت والی حدیثوں سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ سب کی سب ضعیف بلکہ موضوع ہیں جن سے دین میں کوئی کام نہیں لیا جاسکتا۔

حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة" (میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان کی جگہ جنت کے چمنوں میں سے ایک چمن ہے) یہ نہایت صحیح و ثابت حدیث ہے۔ لیکن بعضوں نے اسے بالمعنی روایت کر دیا ہے کہ "ما بین قبرِ نبویؐ و منبرِ نبویؐ" (میری قبر اور میرے منبر کے درمیان) حالانکہ

آپ نے یہ سوقت فرمایا تھا جب آپ زندہ موجود تھے اور قبر کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اسی لئے جب صحابہ میں آپ کی جائے دفن کے بارے میں اختلاف ہوا تو کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، ورنہ اگر یہ حدیث لفظ "قبری" کے ساتھ ان کے سامنے ہوتی تو نص شرعی کا کام دیتی اور کوئی جھگڑا نہ پیدا ہوتا۔ آپ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں دفن کئے گئے، پھر جب ولید بن عبد الملک کی خلافت اور مدینہ پر عمر بن عبد العزیزؓ کی امارت کے زمانہ میں مسیحی نبویؑ میں توسیع کی گئی تو ازواجِ مطہرات کے حجرے جو مشرق میں قبلہ کی طرف تھے خرید کر اس میں ملا دئے گئے، حضرت عائشہؓ کا حجرہ بھی اُسی وقت سے مسجد میں داخل ہو گیا اور سیرِ دنی دیوارِ ترجمہ بنا دی گئی، کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ "لا تجلسوا علی القبور لا تصلوا الیہا" (نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو) کیونکہ اس سے خود قبر کیلئے سجدہ معلوم ہوتا ہے اگرچہ مصلیٰ اپنی نماز خدا ہی کیلئے پڑھ رہا ہو۔ اسی طرح قبروں کو مسجد قرار دینے یعنی قصداً ان کے قریب جا کر نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اگرچہ مصلیٰ خدا ہی کیلئے نماز کیوں نہ پڑھ رہا ہو۔ پس جو لوگ انبیاء و صالحین کی قبروں پر جاتے ہیں تاکہ وہاں نماز پڑھیں یا دعا کریں تو وہ بعینہ اُس حرام کے مرتکب ہوتے ہیں جسکی راہیں اللہ اور اُس کے رسولؐ نے بند کر دی ہیں۔ ہاں مشروع سلام اور مُردہ کے حق میں دعا کیلئے جانا درست ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔

سفیان ثوریؒ کی حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صلعم نے فرمایا:

"ان الله ملائكة سياحين في الارض يبيلغوني عن امتي السلام" (خدا کے ایسے

فرشتے بھی ہیں جو زمین میں گشت کرتے پھرتے ہیں اور میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دُور کا سلام آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ حدیث

لے رواہ النسائی و ابوعاتم فی صحیحہ۔

دُور و سلام

مشہور میں ہے کہ فرمایا: ”اُكْتُوْا عَلٰی مِنَ الصَّلٰوَةِ فِی كُلِّ یَوْمٍ مَّجْمَعَةً فَاِنَّ صَلٰةَ اُمَّتِیْ
تَعْرَضُ عَلٰی یَوْمَئِذٍ مَنْ كَانَ اَكْثَرُ هَمٍّ عَلٰی صَلٰةٍ كَانَ اَقْرَبَ هَمِّیْ مِنْ مَنَزَلَةٍ“ (ہر جمعہ
کے دن مجھ پر درود زیادہ پڑھا کرو، کیونکہ اسی دن میری امت کا درود میرے سامنے
پیش کیا جاتا ہے، جو مجھ پر جتنا زیادہ درود بھیجتا ہے اتنا ہی زیادہ مجھ سے نزدیک
ہوتا ہے) مسند احمد میں ہے کہ فرمایا: ”لَا تَتَخَذُوا قَبْرِیْ عِیْدًا وَلَا تَجْعَلُوا یَوْمَئِذٍ
قَبْرًا وَصَلُّوْا عَلٰی حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَاِنَّ صَلٰتَكُمْ تَبْلُغْنِیْ“ (میری قبر کو زیارت گاہ
نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبریں بناؤ، جہاں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو، تمہارا درود
مجھے پہنچ جائیگا) قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ ابو بکر ابن ابی شیبہؒ کی حدیث ابو ہریرہؓ
میں ہے کہ فرمایا: ”مَنْ صَلَّی عَلٰی عِنْدَ قَبْرِیْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّی عَلٰی نَائِیًّا اَبْلَغْتُهُ“
(جو میری قبر کے پاس درود پڑھیگا اُسے سُن لوں گا اور جو کہیں دُور پڑھیگا وہ مجھے
پہنچ جائیگا) مسند ابی یعلیٰؒ موصیٰ میں حسن بن علیؒ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے
فرمایا: ”صَلُّوْا فِیْ یَوْمِ تَكْمَرٍ وَلَا تَتَخَذُوْا قَبْرًا وَلَا تَتَخَذُوا عِیْدًا اَصْلَحُوا
عَلٰی وَسَلِّمُوا فَاِنَّ صَلٰتَكُمْ وَسَلَامَكُمْ یَبْلُغْنِیْ“ (اپنے گھروں میں نماز پڑھو اور
انہیں قبرستان نہ قرار دو، میرے گھر کو زیارت گاہ مت بناؤ بلکہ جہاں کہیں بھی ہو
مجھ پر درود و سلام بھیجو، تمہارا درود و سلام مجھے پہنچ جائیگا) سنن سعید بن منصور میں
ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے پوتے عبداللہ بن الحسین نے ایک شخص کو بار بار قبر اطہر پر
اُتے جاتے دیکھا تو اُس سے کہا ”یا ہذا! ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:

لَا تَتَخَذُوا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلٰی حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَاِنَّ صَلٰتَكُمْ تَبْلُغْنِیْ“ فَاِنَّت

وَرَجُلٌ یَا لَئِنْ لَسَ مِنْهُ الْاَسْوَاءُ“ (اُسے شخص رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے ”میری
قبر کو زیارت گاہ مت جاؤ، (بلکہ) جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو مجھے پہنچ جائیگا“ پس
اس معاملہ میں تو اور وہ جو اسپین میں ہے، دونو برابر ہیں) بالکل یہی یا امام زین العابدینؒ

سے بھی مروی ہے (مختار الحافظ المقدسی) قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں کہ امام حسن علیہ السلام نے فرمایا ”اذا دخلت فسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تتخذوا بیعتی عیدا ولا تتخذوا بیوتکم قبورا وصلوا علی حیث کنتم فان صلاتکم تبلغنی حیث کنتم“ (جب تو داخل ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیج کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: میرے گھر کو زیارت گاہ نہ بناؤ اور نہ اپنے گھر و نکو قبرستان بناؤ، جہاں کہیں ہو مجھ پر درود بھیجو، کیونکہ جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا درود مجھے پہنچ جائیگا)۔

امام مالکؒ والی حکایت کو جو چیز اور بھی کمزور کر دیتی ہے یہ ہے کہ (بقول ابوی) انھوں نے کہا ”وَلَمْ تَعْرِفْ دَجْهَکَ عَنْهُ وَهُوَ وَسِیلَتُکَ وَوَسِیلَةُ اِمَائِکَ اَدَمَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ“ (آپ سے (رسول اللہ سے) کیوں روگردانی کرو جبکہ آپ تمہارا اور تمہارے باپ آدمؑ کا قیامت میں وسیلہ ہیں) اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں لوگ آپ کی شفاعت کو وسیلہ بنائینگے۔ اور یہ درست ہے جیسا کہ بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔ یعنی قیامت میں لوگ آپ کی شفاعت و دعا کو اُسی طرح وسیلہ بنائینگے جس طرح زندگی میں صحابہؓ کیا کرتے تھے۔ یعنی آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کریں گے۔ لیکن اگر اس سے کوئی یہ معنی لے کہ دنیا میں آپ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر آپ سے دعا و شفاعت کی التجا کی جائے تو ظاہر ہے اسکا نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو حکم دیا نہ کسی صحابی اور تابعی نے اسے کیا اور نہ کسی امام نے اسے اچھا بتایا ہے۔ پھر اس طرح کی بات امام مالکؒ کی طرف منسوب کرنا کیا موقع ہو سکتا ہے کہ جسے کوئی ایسا ہی جاہل کہہ سکتا ہے جو شرعی دلائل اور قطعی احکام سے قطعاً بیخبر ہے نہ مالک جیسا جلیل القدر عالم متبحر متبع سنت اور دشمن بدعت امام! اس طرح کی بات کہنے والا اور اسکا حکم دینے والا بدعتی ہی ہو سکتا ہے امام مالکؒ ہرگز نہیں ہو سکتے!

امام مالکؒ کی حکایت پر مزید بحث

اگر اس حکایت کے خلاف امام مالکؒ سے کوئی قول بھی موجود نہ ہوتا جب بھی یقین سے کہا جاسکتا تھا کہ اُنھوں نے ایسا نہ کہا ہوگا کیونکہ یہ اُن کی شان کے سراسر خلاف ہے !

ہذا کی سفارش بنانا

پھر حکایت میں ہے کہ امام مالکؒ نے کہا ”استقبلہ واستشفع بہ فیشفعل اللہ“ (اسکی اقبربارک کی طرف منہ کرو اور اُنھیں شفیع بناؤ پس اللہ آپ کو تمہارا شفیع بنادیگا) لغت میں ”استشفع“ کے معنی ہیں ”شفاعت طلب کرنا“ یعنی آپ سے شفاعت کی درخواست کرو جیسا کہ زندگی میں صحابہؓ کرتے تھے اور قیامت میں مخلوق کریگی۔ اسی سلسلہ کی سُنن میں ایک حدیث ہے کہ ایک بَدُونے آکر عرض کی: اے رسول اللہؐ جاندار ہلکان ہو گئے، اہل دعیال پر فاقہ ٹوٹا، مال و متاع غارت ہوا، آپ خدا سے دعا کیجئے ہم اللہ کی سفارش آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں، اور آپ کی سفارش اللہ کے سامنے۔ اس پر رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے ”سبحان اللہ، سبحان اللہ“ کہتا شروع کیا، یہاں تک کہ خوف سے صحابہؓ کے چہرے متغیر ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا

”و یحک اتدردی ما تقول ؟ شان اللہ اعظم من ذلک“ انہ لا یستشفع بہ علی احد من خلقہ الخ“ (جو کچھ تو کہہ رہا ہے اُسے سمجھنا بھی ہے؟ خدا کی شان اس سے کہیں بزرگ ہے، وہ کسی مخلوق کے سامنے بھی سفارشی نہیں بنایا جاسکتا) پس حدیث میں مخلوق کے سامنے اللہ کی سفارش لانے کے خیال کو بُرا بتایا گیا ہے کیونکہ اللہ کے نام پر مخلوق سے سوال ہو سکتا ہے اور معاذ اللہ خدا کسی مخلوق کے سامنے سفارشی نہیں بن سکتا۔ اسی لئے بَدُونے کے قول ”نستشفع بک علی اللہ“ (ہم تیری شفاعت اللہ کے سامنے پیش کرتے ہیں) پر اعتراض نہیں کیا کیونکہ آپ شافع و مُشفع ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم اکثریٰ۔ اور اسی لئے حکایت کے آخر میں کہا ”و کوا تھم اذ ظلموا انفسھم جماعۃً الخ“ (جب انھوں نے

اپنے اوپر ظلم کیا اگر تیرے پاس آتے (۱۲)۔

پس اگر وصال کے بعد بھی آپ سے شفاعت و استغفار طلب کرنا مشروع ہو اور آپ اسے منظور کر لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ آپ اُن کیلئے استغفار کریں، اور آپ کا استغفار آپ کی دعا و شفاعت ہے کہ خدا انھیں بخش دے۔ پس اگر ”استشفاع“ کے معنی طلبِ شفاعت ہیں تو جملہ یوں ہوگا ”استشفع به فیشفعہ اللہ فیک“ ”نیوں“ ”فیشفعک اللہ فیہ“، یہ بات بالکل واضح اور قوا عدلت اور نبی صلعم، صحابہؓ اور جملہ علماء کے کلام میں معروف ہے۔

پھر یہ کہ وصال کے بعد اور قبر شریف کے پاس آپ سے شفاعت دعا و استغفار کی درخواست کسی امام کے نزدیک بھی مشروع نہیں۔ ائمہ اربعہؓ اور اُنکے قدیم اصحاب نے اسکا کین کر نہیں کیا، البتہ بعض متاخرین نے اس طرح کی بات کہی ہے اور ایک حکایت بھی بیان کی ہے کہ ایک بدو قبر نبویؐ پر حاضر ہوا اور آیت ”وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا آلَ أَفْطَحَھُ الْخ“ پڑھی، پھر اُس نے خواب میں دیکھا کہ خدا نے اُسے بخش دیا۔

لیکن مجتہدین اصحاب مذاہب میں سے کسی ایک نے بھی اس طرح کی کوئی چیز بیان نہیں کی اور یہ لوگ بھی جو کچھ بیان کرتے ہیں، بلا کسی شرعی دلیل کے ہے جسکا کوئی وزن نہیں۔ اور ظاہر ہے قبر کے پاس آپ سے دعا و شفاعت و استغفار کی التجا اگر جائز ہوتی تو صحابہؓ اور تابعینؓ اسے سب سے پہلے جانتے اور اس پر سب سے پہلے کار بند ہوتے، نیز ائمہ اسلامؓ اسے نقل و روایت کرتے۔ امام مالکؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے ”لا یصلح آخر هذه الامة الا بما صلح اولها“، (اس امت کا آخر بھی اُسی سے درست ہوگا جس سے اُسکا اوّل درست ہوا ہے) اور کہا ”اس امت کے اوائل سے مجھے یہ بات نہیں پہنچی“ پس ایسا امام جسکا یہ قول ہے کیا ایسا دین ایجاد کرنے کا جو سلف میں سے کسی سے بھی منقول نہیں اور امت کو حکم دے گا کہ انبیاء و صالحین سے

صحابہؓ و تابعینؓ اور ائمہ اربعہؓ کا مسلک

اُنکی قبروں کے پاس دعا و شفاعت و استغفار طلب کریں، ایک ایسی بات جو سلف صالح میں سے کسی نے بھی نہیں کی اور نہ کسی ؟

لفظ ”شفاعت“ کی تفسیر

حکایت میں لفظ ”شفاعت“ اس طرح آیا ہے جس طرح بہت سے عوام بولتے اور اُس سے ”وسیلہ“ کے معنی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ”ہم تیرے سامنے فلاں فلاں کی شفاعت پیش کرتے ہیں“ اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ وسیلہ لاتے ہیں۔ اسی طرح جب دعائیں کسی نبی یا ولی کا وسیلہ چاہتے ہیں تو کہتے ہیں ”فلاں کی شفاعت حاصل ہوئی“ عام اس سے کہ اُس بزرگ نے اُن کے حق میں دعا و شفاعت کی ہو یا نہ ہو، بلکہ کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ جس سے شفاعت چاہتے ہیں وہ غیر حاضر ہوتا ہے، نہ اُنکی بات سُنتا ہے نہ شفاعت کرتا ہے۔ ”استشفاع“ (طلب شفاعت) کا اس معنی میں استعمال نبی صلیم، صحابہؓ اور علماء امت کی بولی بلکہ لغت عرب کے بھی سراسر خلاف ہے۔ کیونکہ استشفاع کے معنی ہیں شفاعت طلب کرنا۔ شافع، سائل کی شفاعت کرتا اور اُس کے حق میں مسؤل سے دعا کرتا ہے۔ لیکن جس نے شفاعت کی نہ سائل کی مراد مانگی بلکہ شاید اُس کے سوال سے واقف بھی نہیں ہوا، تو اُس سے شفاعت چاہنا اور استشفاع کا لفظ اس موقع پر استعمال کرنا نہ لغت درست ہے اور نہ کسی ایسے شخص کے کلام میں آسکتا ہے جو سمجھ کی بات کرتا ہے۔ یہ استشفاع نہیں بلکہ اُس بزرگ کے وسیلہ سے سوال ہے۔ لیکن چونکہ ان لوگوں نے شریعت کی طرح لغت میں بھی تحریف کر دی ہے اسلئے اس طرح کے سوال و دعا کو استشفاع کا نام دیدیا اور کہنا شروع کر دیا ”استشفع بہ فیشفعل“ یعنی تیری دعا پوری کرے گا۔ اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ حکایت کسی ایسے کو دن بے گھڑی ہے جو شریعت لغت دونوں سے بالکل کورا ہے، ورنہ کہاں امام مالکؒ اور اُنکی فصاحت اور کہاں یہ حکایت

مکن ہے اس حکایت کی بنیاد صحیح ہو، امام مالکؒ نے خلیفہ کو مسجد نبویؐ میں چلنے سے منع کیا ہو جیسا کہ حضرت عمرؓ کیا کرتے تھے اور حکم الہی کے بموجب رسول اللہؐ کی تعظیم و توقیر کی نصیحت کی ہو، وغیرہ باتیں جو امام مالکؒ کے شایان شان ہیں۔ لیکن اس سے ان کا وہ مقصود ہرگز نہیں ہو سکتا جو اس حکایت سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

اس طرح کی غلطی ہر اُس شخص سے ہو سکتی ہے جو نبی صلعم اور صحابہؓ کے کرام کی زبان اور طریق خطاب سے ناداقت ہے۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ لوگ کسی خاص گروہ کی اصطلاح اور اسلوب بیان کے عادی ہو جاتے ہیں، پھر وہی الفاظ، اللہ، رسول، صحابہؓ کے کلام میں پاتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اللہ، رسول اور صحابہؓ کی بھی مراد اُن سے وہی ہے جو اصطلاح والوں کی ہے۔ حالانکہ کبھی ایسا نہیں ہوتا اور اللہ، رسول اور صحابہؓ کی مراد بالکل دوسری ہوتی ہے۔

فہم شریعت میں غلطی کی ایک بڑی وجہ

چنانچہ یہ صورت حال اس وقت بھی موجود ہے اور اہل کلام و فقہ و نحو اور عوام کی بڑی بڑی جماعتیں اس غلطی میں پڑی ہوئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو انبیاء اور اُنکے متبعین کے الفاظ کو قصداً ایسے معانی پہنا دیتے ہیں جو اُنکے اصلی معنی کے مخالف ہوتے ہیں۔ پھر وہ لوگ یہ الفاظ بولتے ہیں اور اپنے خود ساختہ معانی مراد لیتے اور بڑے شد و مد سے کہتے ہیں کہ ہم انبیاء کے مخالف نہیں بلکہ اُنکے پیرو اور اُنکی لائی ہوئی ہدایت کے قائل ہیں۔ یہ چیز بہت سے محدث متفلسفہ، اسماعیلیہ اور اُنکے امثال و شبابہ ملحد متکلمہ و متصوفہ کے کلام میں بکثرت موجود ہے۔ مثلاً بعضوں نے "محدث و مخلوق و مصنوع" کا اُس شئی پر اطلاق شروع کر دیا ہے جو معلول ہو، اگرچہ یہ معلول قدیم و ازلی ہی کیوں نہ ہو اور اُسے "حدوث ذاتی" کا نام دیتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں ہم بھی قائل ہیں کہ عالم مُحدث ہے، حالانکہ اس سے اُنکی مراد، اپنے من مانے معانی ہوتے ہیں جو تمام قوموں کی بول چال کے بالکل خلاف ہیں، کیونکہ مُحدث سے سب یہی سمجھتے ہیں کہ ایسی چیز

نہایت ماحدہ کی تحریر

جو معدوم تھی اور وجود میں آئی ۔

اسی طرح وہ لفظ ”ملائکہ“ جن ”شیاطین“ کا اطلاق عقول و قوٰی نفسیہ پر کرتے اور کہتے ہیں کہ انبیاء کی وحی پر جس طرح تمام امت ایمان رکھتی ہے ہم بھی رکھتے ہیں اور ملائکہ و جن و شیاطین کا وجود تسلیم کرتے ہیں ۔ حالانکہ جو شخص انبیاء کی مراد اور ان کی اصطلاحوں سے واقف ہے خوب جانتا ہے کہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ۔

”عقلِ اول“

اسی طرح ”عقلِ اول“ سے وہ خاص معنی مراد لیتے ہیں ۔ اُنکے زعم میں عقلِ اول ازل سے ابد تک رب العالمین کے ساتھ ہے ، رب العالمین کے ماسوا جملہ کائنات کی موجود یا کم از کم اُسکے وجود کا ذریعہ ہے ۔ ”عقلِ فعال“ اُنکے ہاں وہ ہے جس سے فلکِ فہر کے نیچے جملہ امور و اشیا کا صدور ہوتا ہے ۔ حالانکہ انبیاء کی تعلیم جاننے والا جانتا ہے کہ اُنکے ہاں ذاتِ باری کے سوا کوئی ایسی چیز نہیں مانی جاتی جو جملہ کائنات کی یا فلکِ فہر کے نیچے جملہ موجودات کی پروردہ ، یا قدیم ، ازل ، ابدی ہے ، ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی ۔ نیز جانتا ہے کہ نبی صلعم سے جو یہ حدیث روایت کی جاتی ہے کہ :

”اول ما خلق الله العقل الخ“ باطل ہے ، اور اگر بفرض صحیح ہوتی تو خود ان محدثوں ہی پر حجت ہوتی ، کیونکہ پوری حدیث یوں بیان کی جاتی ہے ”اول (بمنصبہ علی الظرفیۃ) ما خلق الله العقل“ فقال له اقبل فا قبل ثم قال ادبر فادبر فقال وعزتي ما خلقت خلقا اكرم على منك ، فبك آخذ و بك اعطى و بك الثواب و بك العقاب“ (جب خدا نے عقل پیدا کی تو شروع میں اُس سے کہا آگے آ ، وہ آ گئی ، پھر کہا لوٹ جا ، لوٹ گئی ، تب فرمایا قسم اپنے دبدبہ کی ، میں نے تجھ سے زیادہ عزیز کوئی چیز پیدا نہیں کی ، میں تیرے ذریعہ سے لونگا اور تیرے ہی ذریعہ سے دوں گا ، تجھی سے ثواب ہے اور تجھی سے عذاب ہے) ایک اور روایت میں ہے

”لما خلق الله العقل“ (جو پہلی روایت میں لفظ ”اول“ کے مضموب علی الظرفیۃ ہونے

کی دلیل ہے۔ مترجم) پس اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو مطلب یہ ہوتا کہ خدا نے جب عقل پیدا کی تو سب سے پہلے اُس سے یہ فرمایا، اور یہ کہ اس سے پہلے اور کچھ بھی خلق کر چکا تھا اور یہ کہ اُس کے ذریعہ یہ چار باتیں واقع ہوتی ہیں نہ جملہ مصنوعات ”عقل“ مسلمانوں کی زبان میں ایک مصدر ہے : عَقَلَ يَعْقُلُ عَقْلًا، اور اس سے مراد وہ قوت ہے جس کے ذریعہ سے تیز اور علوم و اعمال حاصل ہوتے ہیں۔ نعت میں کہی بھی اُس سے ایسا جوہر مراد نہیں لیا گیا جو ”قائم بنفسہ“ ہو۔ ہم دوسرے مقامات میں عقل صریح سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں، غلط ہے اور یہ کہ مجرد و مفارقات کی جنس سے جو کچھ اُنکی بکواس ہے، اس سے اُنکا مقصود اثبات نفس ہے جسے موت کا ہاتھ جسم سے جدا کر دیتا ہے، نیز اُن علوم و معقولات کا اثبات ہے جو نفس سے قائم ہیں۔ یہ ہے وہ زیادہ سے زیادہ حق جسے وہ اس باب میں ثابت کرتے ہیں۔

یہاں مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ کو یہ لوگ اور اُنکے ہم مشرب بولتے تو ہیں مگر وہ مطلب نہیں لیتے جو اللہ اور رسول کا ہے بلکہ خاص اپنے من گھڑت معنی مراد لیتے ہیں۔ مثلاً مصنف ”الکتاب المفسون بہا“ اور اُسکے ہم مشربوں نے ”لوح محفوظ“ کو نفس ملکیت قرار دیا ہے، ”قلم“ کو عقل اول، ”ملکوت و جبروت و ملک“ کو نفس و عقل بتایا ہے، ”شفاعت“ کو کہا ہے کہ وہ ایک فیض ہے جو طالب شفاعت پر شفع کی طرف سے جاری ہوتا ہے اگرچہ خود شفع کو ہوا اوقات اسکا پتہ نہیں چلتا وغیرہ خرافات جن میں ابن سینا کی تقلید ہے جیسا کہ کسی اور جگہ مفصل بیان ہو چکا۔

مقصود یہ ہے کہ اس قسم کے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے کیسی کیسی غلطیاں کر جاتے ہیں۔ چنانچہ لفظ ”قدیم“ ہی کو دیکھو جسکے معنی رسول کی

زبان میں کہ جس میں قرآن اُترا، خلاف ”حدیث“ (یعنی نیا) ہیں اگرچہ اس سے پہلے کسی
 آدم کا بھی وجود ہو چکا جیسا کہ فرمایا: حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْوَةِ الْقَدِيمَةِ اور حضرت یوسف
 کے بھائیوں کی زبانی کہا إِنَّكَ لَكَيْفَ ضَلَّالٌ كَثِيرٌ اور أَفَرَأَيْتُمْ مَتَّكُم مِّنْ
تَعْبُدُونَ إِلَّا تَعْبُدُونَ إِلَّا تَعْبُدُونَ حالانکہ اہل کلام کی اصطلاح میں یہ
 لفظ (قدیم) اُس چیز سے عبارت ہے جو ہمیشہ سے ہے یا جس سے پہلے اور کوئی وجود
 نہ تھا۔ اسی طرح لفظ ”کلمہ“ قرآن و حدیث اور تمام عربی زبان میں جملہ تامہ کو کہتے
 ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: كَلِمَتَانِ حَبِيبَتَانِ إِلَى الرَّحْمَنِ خَفِيفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ
ثَقِيلَتَانِ فِي الْمِيزَانِ : سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم (دو کلمے
 ایسے ہیں جو رحمن کو پسند ہیں، زبان پر ہلکے ہیں، میزان میں بھاری ہیں؛ سبحان اللہ
 وبحمده، سبحان اللہ العظیم) اور فرمایا: ان اصدقی کلمۃ ”قَالَهَا شَاعِرٌ کَلِمَةً“ (لبید:
 اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللهُ بَاطِلٌ) (سب سے زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے، لبید
 کی بات ہے کہ: خدا کے ماسوا سب کچھ بے اصل ہے) اسی طرح قرآن میں ہے: كَلِمَاتٍ
”كَلِمَةً“ تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا (۱۳: ۱۵) (اُن کے منہ سے
 بڑی بات نکلی ہے، وہ سراسر جھوٹ کہتے ہیں) اور فرمایا: تَحْنِ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ
تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (۱۵: ۳) (اے اہل کتاب ایک ایسی
 بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مسلم ہے) اور فرمایا: وَجَعَلْنَا كَلِمَةً
كُفْرًا وَالسُّغْلَىٰ وَ”كَلِمَةً“ اللهُ هِيَ الْعُلْيَا (کافروں کی بات نیچی کر دی اور اللہ کا
 بول بالا ہے)۔ عربی زبان میں ”کلمہ“ و ”کلام“ صرف اسی معنی میں بولا جاتا ہے لیکن

۱۷ (۲: ۲۳) یہاں تک کہ کجیور کی پُرانی شاخ کی طرح ہو گیا۔

۱۸ (۵: ۱۳) تم اپنی پُرانی گمراہی میں پڑے ہو۔

۱۹ (۹: ۱۹) کیا تم نے دیکھا کہ تم اور تمہارے پُرانے باپ دادا کس چیز کی پرستش کرتے تھے؟

۲۰ (۱۰: ۱۲)۔

نچیوں نے یہ اصطلاح بنالی ہے کہ تنہا اسم و فعل و حرف کو کلمہ کہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس اصطلاح کا عادی اس وہم میں پڑ جاتا ہے کہ لغت عرب بھی یہی ہے۔ اسی طرح ”ذوی الارحام“ کتاب و سنت میں مانباپ دونوں کے رشتہ داروں کو کہتے ہیں۔ اس میں عصبہ و ذوی الفروض بھی داخل ہیں اور وہ بھی جو محبوب الارث ہیں۔ لیکن فقہاء کی اصطلاح میں یہ لفظ صرف ان لوگوں کیلئے خاص ہو گیا ہے جس سے نافع دھوکا کھا جاتے ہیں کہ اللہ و رسول اور صحابہؓ کے کلام میں بھی اس لفظ کے یہی معنی ہیں۔ اس قسم کی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔

لفظ ”توسل“ (وسیلہ لینا) و ”استشفاع“ (شفاعت چاہنا) میں بھی یہی صورت ہوئی ہے کہ رسول اللہ اور صحابہؓ کی زبان میں تحریف ہو گئی ہے جسکی وجہ سے لوگوں کو دین و لغت کے فہم میں سخت ٹھوکہ لگی ہے۔ علم کیلئے ضروری ہے کہ اسکی نقل و روایت صحت کے ساتھ ہو اور محققانہ نظر سے اُس میں کام لیا جائے۔ اللہ، رسول، سلف اور علماء سے جو کچھ نقل کیا جائے اُس کیلئے ضروری ہے کہ الفاظ کی صحت باطنی جائے اور انکی دلالت و مفہوم کی تحقیق میں کاوش کی جائے۔ کتاب و سنت متفق ہیں کہ خدا نے ہمیں نبی صلعم پر ہر جگہ درود و سلام بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث صحیح میں ہمیں ترغیب دی گئی ہے کہ آپ کیلئے وسیلہ و فضیلہ طلب کریں اور دعا کریں کہ حسب وعدہ خدا آپ کو مقام محمود میں اٹھائے۔ پس یہ وہ وسیلہ ہے جسکا اللہ سے طلب کرنا مشروع ہے جیسا کہ آپ پر درود و سلام مشروع ہے۔ آپ کیلئے وسیلہ کی دعا امت پر آپ کا ویسا ہی حق ہے جیسا درود و سلام ایک حق ہے۔ لیکن وہ وسیلہ جسکی جستجو کا خدا نے ہمیں حکم دیا ہے وہ اطاعت کے ذریعہ سے درگاہ خداوندی میں تقرب ہے۔ اس وسیلہ کے ضمن میں وہ تمام احکام داخل ہو جاتے ہیں جو اللہ کی طرف سے یا اللہ کے رسول کی طرف سے ہیں پہنچے ہیں۔ نیز اُسکے حصول کی اسکے سوا کوئی

”وسیلہ و شفاعت کی تحقیق“

صورت نہیں کہ ایمان و طاعت کے ساتھ نبی صلعم کی پیروی کی جائے۔ اس وسیلہ کی تلاش ہر فرد بشر پر فرض ہے۔ رہا آپ کی دعا و شفاعت کا وسیلہ جیسا کہ لوگ قیامت میں شفاعت کی درخواست کریں گے اور جیسا کہ صحابہؓ استسقا وغیرہ موقعوں پر آپ کی شفاعت کو وسیلہ بنایا کرتے تھے اور جیسا کہ اندھے نے آپ کی دعا کو وسیلہ بنایا اور خدا نے آپ کی دعا و شفاعت کی برکت سے اُسکی بیٹائی لوٹا دی۔ تو یہ وسیلہ کی تیسری صورت ہے اور اُن امتیازات میں سے ہے جو خدا نے آپ کو بخشے ہیں کہ آپ کی بزرگی کی وجہ سے آپ کی دعا و شفاعت قبول فرمالتا ہے۔ لیکن یہاں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس وسیلہ میں آپ کا دعا و شفاعت کرنا شرط ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ کیونکہ جن کے حق میں آپ کی دعا و شفاعت ہے اور جن کے حق میں نہیں، دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے یہاں پر سخت دھوکا کھایا ہے اور سمجھ بیٹھے ہیں کہ صحابہؓ کا آپ کو وسیلہ بنانا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ خدا کو آپ کی قسم دلانے اور آپ کی ذات کے حوالہ سے دعا کرتے تھے۔ اس غلطی میں پڑ کر دوسری غلطی اُنھوں نے یہ کی کہ اس طرح کے غلط سمجھے ہوئے وسیلہ کو علی الاطلاق مشروع سمجھ لیا کہ ملائکہ و انبیاء بلکہ حقیقی و فرضی اولیاء و صالحین میں سے جسے چاہو اُسکے جیسے جی یا مرے پیچھے وسیلہ ٹھہرا لو۔ اس قسم کے وسیلہ کے بارے میں جتنی مرفوع حدیثیں بیان کی جاتی ہیں اُن میں کوئی ایک بھی حدیث کی کسی معتبر کتاب میں موجود نہیں نہ صحیحین میں نہ کتب سنن میں نہ مستند مسانید مثل مسند امام احمد بن حنبلؓ وغیرہ کسی میں بھی نہیں، البتہ وہ ایسی کتابوں میں ملتی ہیں جنکے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ انہیں ایسی حدیثیں بھی موجود ہیں جو اسرناپا موضوع اور دروغ بافوں کی خود ساختہ ہیں۔ حدیث کی راوی بھی کئی قسم کے ہیں، ایک تو وہ ہیں جو قصداً جھوٹ بولتے ہیں، سو اُنکی روایت کسی معتبر محدث نے نہیں لی۔ اور ایک وہ ہیں جو کبھی غلطی کر جاتے ہیں مگر جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے، سو اُنکی روایتیں سنن اور مسند امام احمدؓ وغیرہ میں موجود ہیں۔ امام احمدؓ نے

اپنی مسند میں کسی ایک جھوٹے سے بھی روایت نہیں لی ہے، اسی لئے حافظ ابو العلاء ہمدانی اور شیخ ابو الفرج ابن جوزیؒ میں مباحثہ ہو چکا کہ: مسند میں کوئی موضوع حدیث ہے یا نہیں؟ حافظ ابو العلاءؒ کہتے تھے کہ مسند میں کوئی ایسی حدیث موجود نہیں اور ابن جوزیؒ کہتے تھے کہ: اسمیں بعض ایسی حدیثیں ملتی ہیں جنکے متعلق یقین سے معلوم ہو چکا ہے کہ باطل ہیں۔ لیکن دونوں قبولوں میں کوئی بڑا اختلاف نہیں کیونکہ ابن جوزیؒ کی اصطلاح میں موضوع وہ حدیث ہے جسکے بطلان پر دلیل قائم ہو جائے اگرچہ اُسکے راوی نے قصدًا غلط بیانی نہ بھی کی ہو بلکہ سہو کا شکار ہوا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب ”موضوعات“ میں اس قسم کی بہت سی حدیثیں درج کر دی ہیں اور علماء کی ایک جماعت نے اُنکی موضوع ٹھہرائی ہوئی بہت سی حدیثوں سے اختلاف کیا ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ موضوعات کے باب میں ابن جوزیؒ کی رائے باتفاق علماء اکثر درست ہے۔ رہے حافظ ابو العلاءؒ اور اُنکے ہم مشرب تو اُنکی اصطلاح میں موضوع وہی حدیث ہے جسے راوی نے جان بوجھ کر گھڑا ہے، اور معلوم ہے جھوٹ سلف میں کم تھا۔

مسند امام احمد اور موضوع حدیثیں

چنانچہ بفضلِ خدا صحابہؓ میں سے کسی ایک کے متعلق بھی معلوم نہیں ہوا کہ رسول اللہؐ پر جھوٹ بولا ہو۔ یہی طرح اُنمیں کوئی بھی خوارج، روافض، قدریہ، مرجئہ وغیرہ مبتدع کا ہمنوا نہ تھا۔ نیز کوئی ایسا نہ تھا جسے دعویٰ کیا ہو کہ خضرؑ سے راہِ رسم رکھتا ہے، کیونکہ حضرت موسیٰؑ والے خضرؑ تو مرچکے جیسا کہ ہم کسی اور جگہ بیان کر چکے ہیں کہ وہ ”حضرت خضرؑ“ جو اکثر لوگوں کے پاس چھپے لٹکے تشریف لایا کرتے ہیں، دراصل شریرجن ہے جو آدمی کا روپ بھرتا ہے یا وہ خود کوئی فریبی انسان ہی ہوتا ہے جو ان سادہ لوحوں کو بہ قوف بناتا ہے۔ ظاہر ہے وہ فرشتہ تو ہو نہیں سکتا کیونکہ فرشتے جھوٹ نہیں بولتے۔ جھوٹ کا چلن تو صرف جنِّ دانس ہی میں ہے۔

حضرت خضرؑ کا چھپنا

میں خود ایسے لوگوں کو نکو جانتا ہوں جنکے پاس خضر آیا، جیسا کہ انھیں یقین تھا، لیکن وہ واقع میں جن تھا۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ مگر صحابہؓ ایسے کچھ نہ تھے کہ اس طرح کے شعبدوں میں آجاتے۔ سیطرح اُن میں کوئی ایسا نہ تھا جسے جن، مکہ اور عرفات تک اُڑالے گئے ہوں کہ بے تکان حج حاصل ہو جائے جیسا کہ بہت سے جاہل عابدوں پر اُنکی یہ عنایت ہوتی ہے! اور نہ اُنہیں ایسے بزرگ موجود تھے جن کے پاس جن دوسروں کا مال اور کھانا چُرا لاتے ہوں اور اسے کرامت سمجھا جاتا ہو۔

یہی حال تابعین کا تھا، مکہ، مدینہ، شام اور بصرہ کے تابعین کے متعلق معلوم نہیں ہوا کہ قصداً جھوٹ بولے ہوں۔ برخلاف شیعہ کے جنہیں جھوٹ عام ہے۔ تابعین کے بعد جو لوگ آئے اُنہیں سے بعض جماعتوں میں جھوٹ پایا جاتا ہے۔ رہی بھول چوک تو کم آدمی اس سے محفوظ ہیں۔ بلکہ خود صحابہؓ میں ایسے لوگ موجود تھے جن سے کبھی سہو ہو جاتا تھا۔ اسی لئے اُن کتبِ حدیث میں، جنہیں صحیح احادیث کا التزام کیا گیا ہے ایسی حدیثیں موجود ہیں جنکا غلط ہونا معلوم ہے۔ اگر صحیحین کے متن عام طور پر حق اور مسلم ہیں۔ یہ بات نہیں کہ حافظ ابوالعلاء غلط حدیثیں نہ جانتے ہوں، بلکہ خود امام احمدؒ نے اسکی تصریح کر دی ہے کہ مسند میں چند ایسی حدیثیں محض اسلئے روایت کر دی ہیں کہ لوگ اُن سے خبردار ہو جائیں۔ لیکن وہ لوگ جو جان بوجھ کر جھوٹ بناتے تھے، سو امام احمدؒ نے اُن سے کوئی حدیث نہیں لی، حتیٰ کہ اُنھوں نے ایک ایسے گروہ کی حدیثوں سے بھی اپنی مسند پاک رکھی ہے جن سے ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ اصحابِ سنن روایت کرتے ہیں مثلاً مشیغہ بن کثیر بن عبداللہ بن عمرو بن عوف المزنی عن ابیہ عن جدرہ کہ جس سے ابوداؤد نے روایت کی ہے مگر احمدؒ نے نہیں کی۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسند احمدؒ کی مشرط روایت، سنن ابوداؤد کی شرط سے

بتر ہے۔

مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ جو احادیث اس بارے میں روایت کی جاتی ہیں وہ ان غریب، منکر بلکہ موضوع احادیث میں سے ہیں جنہیں فضائل و مناقب کے سلسلہ میں غرث و ثنیں ہر طرح کی روایتیں جمع کرنے والوں نے روایت کیا ہے۔ اوقات و امان، عبادت و اخلاق، انبیاء و صحابہؓ... کے فضائل میں لوگوں نے ہر طرح کی حدیثیں روایت کر دی ہیں جنہیں صحیح بھی ہیں، حسن بھی، ضعیف بھی، اور سراسر موضوع و کذب بھی۔ لیکن شریعت میں صرف صحیح و حسن احادیث ہی پر اعتماد کیا جاتا ہے، ضعیف احادیث لینا روا نہیں۔ البتہ امام احمدؒ وغیرہ بعض علماء نے فضائل اعمال میں ضعیف احادیث کی روایت جائز رکھی ہے بشرطیکہ ان کا جھوٹ ثابت نہ ہو گیا ہو۔ اور یہ اس بنا پر کہ جب کوئی عمل دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے کہ مشروع ہے اور اسکی فضیلت میں ضعیف حدیث روایت کیگئی (بشرطیکہ جھوٹی نہ ہو) تو خیال ہوتا ہے کہ ثواب درست ہو۔ لیکن کسی امام نے بھی یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث سے کوئی عمل بھی واجب یا مستحب قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو کوئی یہ کہتا ہے مخالف اجماع ہے۔

اسی طرح کوئی چیز بغیر دلیل شرعی کے حرام نہیں ٹھہرائی جاسکتی۔ لیکن اگر حرمت ثابت ہوگئی پھر اسکی وعید میں کوئی حدیث روایت کیگئی تو اسکی روایت جائز ہے، بشرطیکہ اسکا کذب ثابت نہ ہوا ہو۔ تاہم ترغیب و ترہیب میں غیر موضوع احادیث کی روایت جائز ہے مگر شرط یہی ہے کہ دوسرے قوی دلائل سے معلوم ہو گیا ہو کہ خدا کی طرف سے اس فعل کی ترغیب یا ترہیب ہوئی ہے، ورنہ نہیں۔

اسی طرح ان اسرائیلیات کی روایت بھی جائز ہے جن کا بطلان ثابت نہ ہوا ہو، مگر صرف انہیں اعمال کی ترغیب یا ترہیب میں جنکے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ خدا نے ہماری شریعت میں ان کا حکم دیا یا ان سے منع کیا ہے۔ لیکن محض اسرائیلیات کو کہ لیل شرعی قرار دینا اور ان سے کسی فعل کی ملت یا حرمت ثابت کرنا جائز نہیں۔ اس طرح کی

بات کوئی عالم بھی نہ کہیگا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اور کسی امام نے بھی اس قسم کی اجماع و شریعت میں مستند علیہ قرار نہیں دیا ہے۔ بنا بریں جو کوئی کہتا ہے کہ امام احمدؒ ایسی ضعیف حدیث سے، جو نہ صحیح ہے نہ حسن، حجت لاتے ہیں، تو وہ سخت غلطی پر ہے اور امام احمدؒ کے مسلک سے بالکل ناواقف ہے۔ امام احمدؒ اور اُن سے پہلے کے علماء کی اصطلاح میں حدیث کی تقسیم ہی نہ تھی کہ ایک صحیح ہے اور ایک ضعیف، پھر ضعیف کی دو قسمیں ہیں: متردک اور ضعیف حسن۔

سب سے پہلے ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی کتاب میں یہ تقسیم کی ہے کہ حدیث صحیح ہوتی ہے، حسن ہوتی ہے، ضعیف ہوتی ہے۔ حسن، انکی اصطلاح میں وہ حدیث ہے جس کے طرق روایت متعدد ہوں، اُسکے راویوں میں کوئی متہم نہ ہو، نیز حدیث شاذ نہ ہو۔ لیکن امام احمدؒ کے ہاں اس قسم کی حدیث کا نام ضعیف ہے اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ خود انھوں نے ایسی ضعیف حدیث کی مثال بھی دیدی ہے جس سے وہ احتجاج کرتے ہیں اور وہ عمرو بن شعیبؒ، ابراہیم الجریؒ وغیرہ کی حدیثیں ہیں یہ بحث اپنی جگہ مفصل موجود ہے۔

غرض کہ اس باب (یعنی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا) میں جتنی حدیثیں بھی روایت کی گئی ہیں، سب کی سب نہایت ضعیف، بے بنیاد بلکہ سراسر موضوع ہیں۔ ائمہ اسلام میں سے کسی ایک نے بھی اُن سے استدلال نہیں کیا اور نہ انھیں قابلِ اعتماد قرار دیا ہے۔ مثلاً وہ حدیث جو عبد الملک بن ہارون بن عسکر عن ابی عن جرم سے روایت کی جاتی ہے کہ حضرت ابو بکر الصدیقؓ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ میں قرآن سیکھتا ہوں مگر یاد نہیں رہتا۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ:

”اللهم انی اسئلك بمحمد نبيك و بابراهم خليلك و بموسى خفيك و

عیسیٰ روحك و كلمتك و بتوراة موسیٰ و انجیل عیسیٰ و زبور داؤد و فرقان

وہ حدیثیں

”وسئلہ“ اور موضوع حدیثیں

محمد و بکل وحی ادحیتہ و قضاء قضیتہ“ یہ حدیث رزین بن معاویہ العبدی نے اپنی کتاب میں درج کی ہے اور ابن اثیر نے اپنی ”جامع الاصول“ میں نقل کی ہے مگر دونوں میں سے کسی نے بھی اسکی اصلیت نہیں بتائی اور نہ مسلمانوں کی کسی کتاب کا حوالہ دیا۔ لیکن اسے ابن التسنی و ابو نعیم وغیرہ (جنہوں نے عمل یوم ولیدہ کے موضوع پر کتابیں تصنیف کی ہیں) نے روایت کیا ہے۔ اس طرح کی کتابوں میں بہت سی حدیثیں موضوع ہیں اور شریعت میں ان پر بھروسہ باثفاق علماء جائز نہیں۔ نیز ابوالشیخ الاصفہانی نے اسے کتاب ”فضائل الاعمال“ میں روایت کیا ہے۔ مگر اس کتاب میں بھی بکثرت جھوٹی اور موضوع حدیثیں موجود ہیں۔ نیز اسے ابو موسیٰ مدنی نے زید بن الحباب عن عبد الملک بن ہارون بن عثرہ سے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔ حالانکہ وہ متصل بھی نہیں! ابو موسیٰ کہتے ہیں اسے محرزین ہشام نے عبد الملک عن ابیہ عن جدہ عن ابی بکر الصدیقؓ روایت کیا ہے۔ حالانکہ یہ عبد الملک وہ عبد الملک القرطبی نہیں ہیں جو محدثین کے نزدیک قوی ہیں، وہ ”رئی“ میں تھے اور اُنکے باپ اور دادا ثقہ ہیں۔

برخلاف اُنکے یہ عبد الملک بن ہارون بن عثرہ ایک مشہور دروغ گو ہے۔ یحییٰ بن معین اور سعدی کہتے ہیں ”وہ دجال و کذاب ہے!“ ابو حاتم بن حبان کہتے ہیں ”اسکی حدیث نہ لی جائے“ نسائی کا قول ہے ”متروک ہے“ بخاری کی رائے ہے ”منکر الحدیث ہے“ احمد بن حنبلؓ فرماتے ہیں ”ضعیف ہے“ ابن عدی کہتے ہیں ”وہ ایسی روایتیں کرتا ہے جنہیں کوئی اُسکا ہمنوا نہیں“ دارقطنی کی رائے ہے وہ اور اُسکا باپ دونوں ضعیف ہیں“ حاکم کتاب ”المدخل“ میں کہتے ہیں ”عبد الملک بن ہارون بن عثرہ الشیبانی نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں“ ابن جوزی نے اسے کتاب ”الموضوعات“ میں رکھا ہے۔ حافظ ابو موسیٰ کا قول ہے کہ

یہ حدیث منقطع ہے جس سے اُنکی مراد یہ ہے کہ اگر اُس کے راوی ثقہ ہوں تو بھی چونکہ اُسکی اسناد منقطع ہے اسلئے ناقابل التفات ہے۔

عبدالملک نے اسی کے ہم معنی ہفتتاح اہل کتاب کے بارے میں اور حدیثیں بھی روایت کی ہیں (جیسا کہ آگے بیان ہوگا) اور اس طرح عام طور پر مفسرین و اہل سیر کی نقل اور قرآن کی دلالت کے خلاف کیا ہے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ علماء نے اُسکے بارے میں کیوں قدح کی ہے اور اُسکے قصد اور غیاس و حفظ کی وجہ سے اُسے متروک قرار دیا ہے۔ بنا بریں وہ نہ اس حدیث میں حجت ہے اور نہ اُن احادیث میں معتبر۔

اسی طرح وہ حدیث بھی ہے جو عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ اور دادا کے واسطہ سے حضرت عمرؓ سے مرفوعاً و موقوفاً روایت کی ہے کہ ”انہ لما اقدت آدم الخطیئة قال یا رب اسألك بحق محمد لما عفرت لی، قال و کیف عرفت محمد؟ قال لانك لما خلقتنی بیدك و نفخت فی من روحك دفعت رأسی فرأیت علی قوائم العرش مكتوباً «لا اله الا الله محمد رسول الله» فعلمت انك لم ترضف الی اسمك الا احب الخلق الیک، قال صدقت یا آدم و لو لا محمد ما خلقتك“ (جب آدمؑ نے گناہ کیا تو کہا ”اے رب، میں تجھے محمدؐ کے حق کا حوالہ دیتا ہوں کہ مجھے معاف کر دے۔ اس پر خدا نے کہا تو نے محمدؐ کو کیسے جان لیا؟ کہا اس طرح کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی، تو میں نے اپنا سر اٹھایا اور عرش کے پایوں پر لکھا دیکھا: لا اله الا الله محمد رسول الله“ اس سے میں سمجھ گیا کہ تو نے اپنے نام کے پہلو میں اُسی نام کو ترجیح دی ہے جو تمام مخلوقات سے زیادہ تجھے پیارا ہے، خدا نے فرمایا ”سچ ہے آدمؑ اور اگر محمدؐ نہ ہوتا تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا) یہی حدیث حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں

عبداللہ بن مسلم القہری عن اسمعیل بن سلمہ سے روایت کر کے کہا ہے ”یہ پہلی حدیث ہے جو میں نے اس کتاب میں عبدالرحمن سے روایت کی اور صحیح قرار دی“ ابوبکر الاجرئی نے بھی اسے کتاب ”الشریعۃ“ میں عبداللہ بن اسمعیل بن ابی مریم عن عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے، نیز ایک دوسرے طریق سے موقوفاً اس طرح روایت کیا ہے کہ من الکلمات

التي تَابَ اللهُ بِهَا عَلٰى آدَمَ” اللهم انى اسألك بحق محمد عليك“ قال الله تعالى: وما يدريك ما محمد؟ قال يارب رفعت واسى فوايت مكتوباً على عرشك لا اله الا الله محمد رسول الله فعلت انه اكرم خلقك“ (جن دعاؤں کی وجہ سے خدا نے آدم کی توبہ قبول کی یہ دعا بھی ہے کہ ”یا الہی میں محمدؐ کے اُس حق کے حوالہ سے دعا کرتا ہوں جو تجھے پر ہے۔“ خدا نے کہا اور تجھے محمدؐ کی خبر کیسے ہوئی؟ کہا اے رب میں نے سرائٹھایا تو دیکھا کہ تیرے عرش پر لا اله الا الله محمد رسول الله لکھا ہے اس سے میں جان گیا کہ وہ تجھے سب سے زیادہ عزیز مخلوق ہے)۔

حالانکہ حاکم کا یہ روایت کرنا سخت قابل مواخذہ ہے۔ کیونکہ خود انھوں نے کتاب ”المذلل“ میں تصریح کر دی ہے کہ عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے اپنے باپ سے موضوع حدیثیں روایت کی ہیں۔ یہ عبدالرحمن بن زید با تفاق محدثین ضعیف ہے، بہت غلطیاں کرتا ہے۔ احمد بن حنبل، ابو زرعة، ابو حاتم، نسائی، دارقطنی وغیرہ نے اسکی تضعیف کی ہے۔ ابو حاتم بن حبان کا قول ہے کہ حدیث کو نادانستہ مقلوب کر دیا کرتا تھا۔ چنانچہ بکثرت مُرسل حدیثیں مرفوع بنادی ہیں اور موقوف، متصل، اسی لئے نظر سے گر گیا۔

حاکم پر اس حدیث اور ایسی ہی دوسری حدیثوں کی تصحیح کی وجہ سے ائمہ نے سخت نکتہ چینی کی ہے اور کہا ہے وہ ایسی حدیثوں کی بھی تصحیح کر جاتے ہیں جو محدثین کے نزدیک جھوٹ اور موضوع ہوتی ہیں۔ اسی لئے علماء حدیث محض حاکم کی تصحیح پر کبھی

اعتماد نہیں کرتے۔ یہ درست ہے کہ حاکم کی تصحیح کردہ اکثر حدیثیں صحیح ہیں، لیکن تصحیح کرنے والوں میں اُن کا درجہ وہی ہے جو کسی ایسے ثقہ راوی کا ہو سکتا ہے جو زودا میں بہت غلطی کرتا ہے اگرچہ محفوظ روایتیں بھی اُسکے پاس بکثرت ہیں۔ اس فن میں حاکم کی تصحیح سے کمزور کسی کی تصحیح نہیں، برغلاف حاتم ابن حبان البستی کے کہ جن کی تصحیح حاکم سے کہیں بالا ہے۔ اسی طرح ترمذی، دارقطنی، ابن خزیمہ، ابن مندہ وغیرہ صحیحین حدیث ہیں کہ گوانکی کسی کسی راے میں نزاع ہے مگر وہ حاکم سے کہیں زیادہ ماہر ہیں۔ پھر انہیں سے کسی کی بھی تصحیح، مسلم کے برابر نہیں، اور مسلم کی تصحیح بخاری کو نہیں پہنچتی، بلکہ صحیح بخاری اس فن میں سب سے زیادہ عظیم الشان تصنیف ہے اور خود امام بخاری ”فقاہت کے ساتھ“ خلق اللہ میں حدیث کے سب سے بڑے ماہر اور جوہری ہیں۔ ترمذی کا قول ہے کہ ”میں نے بخاری سے بڑھ کر حدیث کا کھراکھوٹا جاننے والا کوئی نہیں دیکھا“

امام بخاری کی فقاہت

یہی وجہ ہے کہ بخاری کی تصحیح میں اگر کسی نے نزاع کی تو عموماً ترجیح بخاری ہی کی راے کو دی گئی۔ بخلاف مسلم بن الحجاج (صاحب صحیح مسلم) کے کہ جنکی بعض حدیثوں سے علماء نے اختلاف کیا ہے اور جانچ کے وقت ثابت ہو گیا کہ اختلاف درست تھا۔ مثلاً مسلم، حدیث کسوف میں روایت کر گئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چار اور دو رکوع سے نماز پڑھی۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آپ نے صرف دو ہی رکوع سے نماز پڑھی تھی اور یہ کہ صلوٰۃ کسوف صرف ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے ابراہیم کی وفات کے دن پڑھی تھی۔ امام شافعی نے اسے بیان کیا ہے۔ اور یہی امام بخاری اور احمد بن حنبل کا قول ہے (فی احدى الروايتين)۔ جن حدیثوں میں تین اور چار رکوع کا ذکر ہے اُن میں یہ بھی ہے کہ آپ نے یہ نماز ابراہیم کی وفات کے دن ادا کی تھی۔ حالانکہ ظاہر ہے اس دن دو کسوف نہیں ہوئے تھے اور نہ آپ کے ابراہیم نام کے دو لڑکے تھے!

امام مسلم کی غلطیاں

اسی طرح مسلم نے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین شنبہ کے دن پیدا کی۔ اس حدیث میں انھیں ایسے لوگوں نے ٹوکا ہے جو حدیث کے اُن سے زیادہ ماہر ہیں مثلاً یحییٰ بن معین اور امام بخاریؒ اور انھوں نے ثابت کیا ہے کہ یہ کلام نبوی نہیں۔ اس اختلاف میں بھی حق انھیں لوگوں کے ساتھ ہے کیونکہ کتاب و سنت و اجماع سے ثابت ہو چکا ہے کہ خدا نے آسمان و زمین چھ دن میں پیدا کئے اور یہ کہ سب سے آخر جمعہ کے دن آدمؑ کو پیدا کیا ورنہ اگر یہ ماہ التزاع حدیث درست تسلیم کر لی جائے تو ماننا پڑیگا کہ کائنات کی پیدائش سات دن میں ہوئی ہے، حالانکہ نہایت صحیح اسناد سے مروی ہے کہ پیدائش کا آغاز شنبہ کو ہوا تھا۔ اسی طرح انھوں نے روا کیا ہے کہ ابوسفیانؓ جب اسلام لائے تو نبی صلعم سے خواہش کی کہ انکی لڑکی ام حبیبہ سے شادی کر لیں اور اُن کے لڑکے معاویہؓ کو کاتب مقرر فرمائیں۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے انکی رحیمیں بھی تغلیط کی ہے۔

لیکن صحیحین کا متن علی العموم درست ہے، ائمہ حدیث نے اُسے قبول کیا اور اُسکی صحت پر اجماع کر لیا ہے۔ اس بحث کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

حضرت آدمؑ کے بارہ میں مذکورہ بالا حدیث اور اُسکی پچیس حدیثوں کو بعض اضافوں کے ساتھ بغیر اسناد کے بھی مصنفین کے ایک گروہ نے روایت کیا ہے جیسا کہ قاضی عیاضؒ نے کہا کہ ابو محمدؒ کی اور ابو اللیث سمرقندیؒ نے بیان کیا ہے کہ "ان آدم

عند معصیتہ قال: اللہم بحق محمدؐ اغفر لی خطیئتی (قال ویروی تفسیر توبتی) فقال اللہ لہ من این عرفت محمدؐ؟ قال رایت فی کل موضع من الجنة

مکتوباً لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ (قال ویروی محمد عبد درسولی) فعلت انہ اکرم خلقک علیک، کتاب علیہ وغفر لہ، (آدمؑ نے اپنے گناہ کے وقت کہا اے اللہ مجھے محمدؐ کے حق کی قسم میری خطا معاف کر دے۔ خدا نے کہا تو نے محمدؐ کو

کیسے جانا؟ آدمؑ نے جواب دیا میں نے جنت کے چہ چہ پر لکھا دیکھا ”لا الہ الا
 اللہ محمد رسول اللہ“ اس سے میں سمجھ گیا کہ وہ تجھے سب سے زیادہ عزیز مخلوق ہے۔
 اس پر خدا نے اُنکی توبہ قبول کی اور معاف کر دیا (اس طرح کی حدیثوں پر شریعت کی
 بنا جائز نہیں اور باتفاقِ مسلمین اُن سے دین میں کوئی حجت نہیں لائی جاسکتی کیونکہ
 یہ اسرائیلیات وغیرہ کی قبیل سے ہیں کہ جنکی حقیقت بغیر صحیح وثابت حدیث کی شہادت
 کے معلوم نہیں کیجا سکتی۔ اس طرح کی حدیثیں اگر کعب الاحبار اور وہب بن منبہ وغیرہ
 بھی جو اہل کتاب سے دنیا کی پیدائش اور متقدمین کے قتلے نقل کرتے ہیں روایت
 کرتے تو بھی باتفاقِ مسلمین مسلمانوں کے دین میں اُن سے حجت لانا جائز نہ ہوتا۔
 پھر ایسی حالت میں اُن کا کیا وزن ہو سکتا ہے جبکہ انھیں ایسے لوگ روایت کرتے
 ہیں جنکا ماخذ اہل کتاب ہیں نہ ثقات علماء اسلام بلکہ ایسے اشخاص سے روایت
 کرتے ہیں جو مسلمانوں کے نزدیک مجروح اور ضعیف ہیں اور جنکی حدیث حجت نہیں
 ہوتی، پھر خود راوی ایسے مضطرب ہیں کہ صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ درست حافظہ
 نہیں رکھتے۔ علاوہ ازیں یہ حدیثیں یا اُنکے ہم معنی کوئی حدیث بھی کسی ایسے عالم دین نے
 روایت نہیں کی جو مسلمانوں کے نزدیک ثقہ اور جسکی روایت معتبر ہے۔ بلکہ اُنکے
 راوی اسحق بن بشر وغیرہ جیسے لوگ ہیں جو پیدائش عالم کی کتابوں میں روایتیں
 کرتے پھرتے ہیں۔ اگر یہ چیز انبیاء سے ثابت ہوتی تو اہل کتاب کیلئے شریعت
 ہوتی اور اس سے اس بنیاد پر احتجاج ہوتا کہ اگلوں کی شریعت ہمارے لئے بھی
 شریعت ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اختلاف مشہور ہے، لیکن ائمہ اور اکثر علماء
 کی رائے یہی ہے کہ وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہے بشرطیکہ خاص ہماری شریعت
 میں اسکے خلاف حکم موجود نہ ہو۔ لیکن یہ کیونکہ معلوم ہو کہ فلاں بات اگلوں کے لئے
 شریعت تھی؟ ظاہر ہے اسکے لئے نبی صلعم کی صحیح حدیث یا خود اہل کتاب سے متواتر

کون حدیثیں شریعت بن سکتی ہیں؟

خبر کا اثبات ضروری ہے۔ نہ اس طرح کی بے سرو پا روایتیں کہ جن سے احتجاج مسلمانوں کی شریعت میں کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

اسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے موسیٰ بن عبد الرحمن الصنعانی صاحب تفسیر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا ”من سرکان یوعیہ اللہ“

حفظ القرآن وحفظ اصناف العلم فلیکتب هذا الدعاء فی اناء نظیف او فی

صحف قواریر یعسل وزعفران وماء مطر ولیشربه علی الریق ولیصم ثلاثۃ

ایام ولیکن اخطاۃ علیہ ویدعواہ فی ادبار صلواتہ ”اللہم انی اسئلك

بانک مسئل لہ یسئل مثلك ولا یسئل واسئلك بحق نبيك وابراهيم

خليلك وموسىٰ نجيتك وعيسىٰ روحك وکلنتک ووجیہک الخ“ (جو چاہتا ہے

خدا اُسے قرآن اور دوسرے علوم کے حفظ سے شاد کام کر دے تو اُسے چاہئے کہ یہ دعا

صاف برتن یا شیشہ کے پتروں پر شہد زعفران اور بارش کے پانی سے لکھے اور ہمارے

منہ پی جائے تین دن روزہ رکھے اور اسی پر افطار کرے اور اپنی نازوں کے آخر میں

یہی دعا کرے کہ الہی! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کیونکہ تیری مانند کسی ذات نہ کبھی

التجا کی گئی اور نہ کبھی کی جائیگی، میں تجھ سے محمدؐ تیرے نبی، ابراہیمؑ تیرے خلیل، موسیٰؑ

تیرے نبی اور عیسیٰؑ تیری روح اور کلہ اور وجیہ کے حق سے التجا کرتا ہوں الخ) حالانکہ

یہ موسیٰ بن عبد الرحمن ایک مشہور کذاب ہے۔ اسکے متعلق ابو احمد بن عدیؒ کی رائے

ہے کہ منکر الحدیث ہے۔ ابو جاتم بن حبانؒ کہتے ہیں کہ وہ قابل ہے اور حدیثیں گھڑتا ہے

چنانچہ اُس نے تفسیر میں ایک کتاب عطا رواہ ابن عباسؓ کے حوالہ سے ابن جریرؒ کے سر

منذہ دی ہے جس میں کلمی اور متقاتل کا کلام جمع کر دیا ہے۔ اسپطخ روزہ کے متعلق میری

بن ابراہیمؒ المروزیؒ والی روایت ہے کہ ”حدثنا دکیع عن عبیدۃ عن شقیق عن ابن

مسعود.....“ حالانکہ اس موسیٰ بن ابراہیمؒ کے متعلق یحییٰ بن معینؒ نے تصریح کی ہے

حفظ قرآن والی حدیث

کہ ”کذاب ہے“ دارقطنی کا قول ہے کہ ”متروک ہے“ ابن حبان کہتے ہیں ”مُتَقَلَّ تھا جو کم دیا جاتا تھا کہنے لگتا تھا اسی لئے متروک ہو گیا۔“ یہی حدیث عمر بن عبد العزیز عن مجاہد بن جبر عن ابن مسعود سے اور بھی زیادہ ضعیف طریقہ سے مروی ہے۔ نیز اُسے ابوالشیخ الاصبہانی نے احمد بن اسحاق الجوهری کے طریق سے روایت کیا ہے کہ ”حدثنا اسحاق الجوهري حدثنا ابو الاشعث حدثنا زهير بن الحارث

العتبي حدثنا يوسف بن يزيد عن الزهري درفع الحديث قال ”من سره ان يحفظ فليصم سبعة ايام وليكن افطاره في آخر هذه الايام السبعة على هؤلاء الكلمات“ (.....) جو حفظ سے شاد کام ہونا چاہتا ہے، اُسے چاہئے کہ سات دن روزہ رکھے اور ساتویں دن اس دعا پر افطار کرے۔)

ابن حبان

یہ اسانید بالکل تاریک ہیں اور اُن سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اسے ابو موسیٰ مدینی نے اپنی ”امالی“ میں اور ابو عبد اللہ المقدسی نے اپنے ہم مشربوں کی عادت کے مطابق روایت کر دیا ہے جو فضائل میں متاثرین کی طرح صحیح و ضعیف سب کچھ روایت کر جاتے اور ذمہ داری راوی کی گردن پر ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ ابوالشیخ الاصبہانی فضائل اعمال وغیرہ کے ابواب میں بکثرت احادیث روایت کرتے ہیں کیونکہ کثرتِ رواۃ کے خوگر ہیں جنہیں ہر قسم کی حدیثیں ہوتی ہیں: صحیح بھی، حسن بھی، ضعیف بھی بلکہ منوع اور بے بنیاد بھی۔ یہی حال خثیمہ بن سلیمان، ابو نعیم الاصبہانی، ابواللیث المرقندی، عبد العزیز کنانی اور ابو علی بن البناء وغیرہ کا ہے۔ نیز یہی روش ابوبکر الخطیب، ابو الفضل بن ناصر، ابو موسیٰ المدینی، ابو القاسم بن عساکر اور عبد الغنی وغیرہ بعض علماء حدیث نے بھی اختیار کی ہے کہ جو کچھ بھی کسی نے روایت کر دیا اُسے لیا اور اپنی تصانیف میں درج کر دیا۔ اس سے انکی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس باب میں جو کچھ بھی مروی ہے معلوم ہو جائے اور یہ غرض کبھی نہیں ہوتی کہ اُس سے احتجاج کیا جائے۔ وہ کبھی خود

ہی بتاتے جاتے ہیں کہ یہ حدیث کس درجہ کی ہے اور کبھی یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں۔
 برخلاف انکے ائمہ حدیث حدیث کی روایت محض روایت کیلئے نہیں کرتے بلکہ
 اُسے اپنے دین کی بنیاد بناتے ہیں مثل مالک بن انس، شعب بن الحجاج، یحییٰ بن سعید
 القطان، عبد الرحمن بن ہمدانی، سفیان بن عیینہ، عبد اللہ بن مبارک، وکیع بن
 الجراح، شافعی، احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، علی ابن المدینی، بخاری، ابوزرئہ
 ابوجاتم، ابوداؤد، محمد بن نصر المروزی، ابن خزیمہ، ابن المنذر، داؤد بن علی،
 محمد بن جریر الطبری وغیرہ علماء جو حدیث سے احکام کا استخراج کرتے اور اس لئے
 مجبور ہوتے ہیں کہ خوب چھان بین کریں اور کھرا کھوٹا پرکھیں۔

اسی طرح وہ لوگ ہیں جنہوں نے حدیث در حال کی جانچ میں کوشش کی ہیں تاکہ
 حدیث کا حسن و قبح ظاہر کریں مثل ابوالاحد بن عدی، ابوجاتم البستی، ابوالحسن اقطنی،
 ابوبکر الاسماعیلی، (اور کبھی) ابوبکر البیہقی، ابواسماعیل الانصاری، ابوالفائم الزنجانی،
 ابو عمر بن عبدالبر، ابو محمد بن حزم وغیرہ ائمہ و علماء (اس بحث کا موقع دوسری جگہ ہے)
 یہاں ہم نے اُن لوگوں کا ذکر نہیں کیا جو اسناد کے ساتھ روایت نہیں کرتے مثل عمر
 الملا الموصلی اپنی کتاب ”وسیلۃ المتعبدین“ اور شہر بارہ الدلیلی اپنی کتاب ”فردوس“ میں
 کہ جبکہ درجہ مذکورہ بالا علماء سے کہیں کم ہے۔ اور اکاذیب میں سے یہ جو کچھ روایت
 کر جاتے ہیں اُسکا معاملہ بہت بڑا ہے۔

مقصود یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ باتفاق محدثین اس باب میں ایک بھی مرفوع
 حدیث موجود نہیں کہ جس پر کسی شرعی مسئلہ کی بنیاد رکھی جاسکے۔ اور جو کچھ موجود
 ہے اُسے علماء حدیث خوب جانتے ہیں کہ حدیث نہیں ہے بلکہ قصد یا بلا قصد کذب
 و افتراء ہے۔

اس باب میں سلف سے بھی آثار مروی ہیں اور اکثر ضعیف ہیں۔ مثلاً چار

آدمیوں والی حدیث جسے ابن ابی الدنیاء نے کتاب ”مجانى الدعاء“ میں بطریق اسمعیل بن ابان الغنوی عن سفیان الثوری عن طارق بن عبد العزیز عن الشعبي روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا ”میں نے ایک عجیب ماجرا دیکھا: عبد اللہ بن عمرؓ عبد اللہ بن الزبیرؓ، مصعب بن الزبیرؓ اور عبد الملک بن مروانؓ یہ چاروں صحابہ کرام میں بیٹھے تھے جب گفتگو سے فارغ ہوئے تو باہم کہنے لگے ہم میں سے ہر شخص اٹھ کر رکن یمانی پکڑے اور خدا سے اپنی مراد مانگے۔ پھر عبد اللہ بن الزبیرؓ سے کہا ”اٹھو، کیونکہ ہجرت کے بعد تم سب سے پہلے پیدا ہوئے ہو۔ چنانچہ وہ رکن یمانی پکڑ کر کھڑے ہوئے اور دعا

کی: **اللهم انک عظیم تزجی لكل عظیم** اسالک بحرمة و جھک و حرمة عرشک و حرمة نبتک اَلَا تَمِيتُنِي مِنَ الدنیا حتی تولینى الحجاز و یسلم علی بالخلافة“ (الہی تو بڑا ہے اور تجھ سے ہر بڑی چیز کی آرزو کی جاتی ہے، میں تجھے تیری حرمت سے عرش کی مت اور تیرے نبیؐ کی حرمت کے واسطے سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے دنیا سے نہ اٹھایا جائے کہ مجھے حجاز کا حاکم بنا دے اور میں خلیفہ مان لیا جاؤں) پھر مصعب ابن الزبیرؓ آگے بڑھے اور دعا شروع کی: **اللهم انک رب کل شیء والمیک یصبر کل**

شیء اسالک بقدرتک علی کل شیء اَلَا تَمِيتُنِي مِنَ الدنیا حتی تولینى العراق و تزوجنی بسکينة بنت الحسینؓ، (الہی تو ہر چیز کا پالنے والا ہے اور ہر چیز تیری طرف لوٹنے والی ہے، میں تجھ سے تیری قدرت کا واسطہ دیکر التجا کرتا ہوں کہ مجھے اُس وقت تک دنیا سے نہ اٹھایا جیتا کہ مجھے عراق کا حاکم نہ بنا دے اور سکینہ بنت بنت حسینؓ کو میری زوجیت میں نہ دیدے) پھر عبد الملک بن مروانؓ نے دعا کی

اللهم رب السموات السبع ورب الارض ذات النبت بعد القفر اسالک بما

سألك به عبادک المطیعون لامرک واسالک بمحققک علی خلقک و محبت

الطائفین حول عرشک الہم، (الہی رب سات آسمانوں اور رب اُجاڑ ہونیکیے بعد

سبزہ سے پُر رونق بننے والی زمین کے، میں تیرے فرمانبردار بند و نکی تجھ سے دعاؤں کے واسطے سے سوال کرتا ہوں اور اُس حق کے حوالہ سے دعا کرتا ہوں جو مخلوق پر تیرا ہے اور جو تیرے عرش کے گرد طواف کر نیوالوں کا ہے (۱۶)

یہ حدیث روایت کی گئی ہے، حالانکہ سفیان ثوریؒ سے مروی ہے کہ ہرکاراویٰ اسماعیل بن ابانؒ "کذاب" ہے۔ احمد بن حنبلؒ کا قول ہے کہ پہلے میں نے اس سے حدیث لکھی پھر جب اُسے موضوع حدیثیں روایت کرتے دیکھا تو چھوڑ دیا۔ یہ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ اُس نے یہ حدیث گھڑی کہ "نسل عباسؑ میں ساتواں آدمی (یعنی ماموں) سبز لباس پہنے گا۔" بخاری و مسلم و ابوزرعہ و دارقطنی نے کہا مترک ہے۔ جوزجانی اور ابو حاتم کہتے ہیں "کذاب" ہے۔ ابن حبانؒ کا قول ہے ثقات کے نام سے حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔

سیطرح طارق بن عبد العزیزؒ کہ جس سے سفیانؒ کا روایت کرنا بیان کیا ہے، ایک مجہول الحال آدمی ہے۔ کیونکہ مشہور طارق بن عبد العزیزؒ کہ جن سے ابن عسبلان روایت کرتے ہیں اس طبقہ سے نہیں۔ پھر اس روایت کے مخالف روایت موجود ہے چنانچہ ابونعیمؒ نے طبرانی سے روایت کی ہے کہ "حدثنا احمد بن زید بن الحریش حدثنا ابو حاتم السجستانی حدثنا الاصبغی قال حدثنا عبد الرحمن بن ابی الزناد عن مایہ قال "اجتمع فی الحجر مصعب و عروہ و عبد اللہ ابنا الزبیر و عبد اللہ بن عمر فقالوا تمنا فقال عبد اللہ بن الزبیر اما انا فاتمى الخلافة و قال عروہ اما انا فاتمى ان یؤخذ عنی العلم و قال مصعب اما انا فاتمى امرأۃ العراق و الجمع بین عائشة بنت طلحة و سلیمۃ بنت الحسن و قال عبد اللہ بن عمر اما انا فاتمى المعقرۃ " قال فنالوا کلہم ما تمنا و لعل ابن عمر قد غفر لہ " (....) حضرت زبیرؓ کے بیٹے مصعب اور عروہ اور عبد اللہ اور حضرت عمرؓ

کے صاحبزادے عبداللہ کہ میں جمع ہوئے اور کہنے لگے آؤ اپنی اپنی آرزوئیں بیان کریں، چنانچہ عبداللہ بن الزبیرؓ نے کہا میں تو خلافت کی آرزو رکھتا ہوں۔ عروہؓ نے کہا میری آرزو یہ ہے کہ مجھ سے علم حاصل کیا جائے۔ مصعبؓ نے کہا میں یہ تمنا رکھتا ہوں کہ عراق کا حاکم بنوں اور عائشہ بنت طلحہؓ اور سکینہ بنت حسینؓ کو بیک وقت اپنی زوجیت میں لاؤں۔ عبداللہ بن عمرؓ نے کہا مجھے صرف مغفرت کی آرزو ہے۔ راوی کہتا ہے ہر ایک نے اپنی آرزو پالی اور شاید ابن عمرؓ کی بھی مغفرت ہو گئی ہوگی۔

یہ اسناد با اتفاق محدثین پہلی اسناد سے بہتر ہے۔ لیکن ہمیں مخلوقات کو ذریعہ دعا نہیں ہے۔ اس باب میں بعض لوگوں سے طرح طرح کی حکایتیں بھی بیان کی گئی ہیں کہ ان سے خواب میں کہا گیا کہ فلاں فلاں چیز کے واسطے سے دعا کرو۔ ظاہر ہے ہر طرح کے خواب باتفاق علماء دلیل نہیں ہو سکتے۔ اس قسم کی حکایتیں ان لوگوں نے جمع کی ہیں جنہوں نے دعاؤں پر کتابیں لکھی ہیں اور بعض سلف سے آثار بھی نقل کئے ہیں مثلاً ابن ابی الدنیا نے کتاب ”مجانى الدعاء“ میں روایت کیا ہے کہ ”ایک شخص عبد الملک بن سعید بن ابیجر کے پاس آیا اور انکا پیٹ دیکھ کر کہنے لگا آپ کو ایک ایسی بیماری ہے جو کبھی اچھی نہ ہوگی۔ راوی کہتا ہے کہ عبد الملک فوراً مڑے اور

دعا کی : اللہ، اللہ، اللہ، ربی لا اشرك به شيئاً اللهم انى اتوجه اليك

بنہدیک محمد نبی الرحمة صلی اللہ علیہ وسلم تسليماً یا محمد انى اتوجه بك الى ربك، و ربی یوحى حمانى ،، (اللہ، اللہ، میرا رب اللہ، میں اُسکا کسی چیز کو بھی شریک نہیں بناتا، الہی میں تیرے نبی محمدؐ نبی الرحمت کے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمدؐ میں تیرے ذریعہ تیرے رب اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہوا ہوں کہ میری بیماری میں مجھ پر رحم کرے) اسکے بعد اُس شخص نے پھر پیٹ دیکھا اور کہا ”اچھے ہو گئے“ اب کوئی بیماری نہیں۔

یہ اور ایسی ہی بعض دعائیں سلف سے روایت کی جاتی ہیں۔ نیز احمد بن حنبلؒ سے ”منسک المروری“ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائیں وسیلہ بنانا منقول ہے۔ ایک طرف یہ ہے اور دوسری طرف اور علماء و ائمہؒ نے اسکی ممانعت کی ہے۔ بنا بریں یہ کہا جائیگا کہ اگر وسیلہ چاہنے والوں کی نیت رسول اللہؐ پر ایمان اور آپ کی محبت و موالات و اطاعت سے وسیلہ ہے تو بلا نزاع فریقین کے نزدیک جائز ہے۔ اور اگر مقصود آپ کی ذات سے وسیلہ ہے تو یہ محل نزاع ہے۔ اور ایسی نزاع میں شریعت کا حکم ہے کہ فیصلہ اللہ اور رسولؐ سے لینا چاہئے۔ کون دعا شریعت میں محض اسلئے جائز نہیں ہو سکتی کہ اُس سے کسی کی مراد پوری ہو گئی۔ کیونکہ بہت سے لوگ خدا کو چھوڑ کر ستاروں اور دوسری مخلوقات سے بھی دعائیں کرتے اور مرادیں مانگتے ہیں، بعض مندروں اور کنیسوں میں جا کر بتوں سے التجائیں کرتے ہیں، پھر ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ایسی دعائیں کرتے ہیں جنکی حرمت پر تمام مسلمان متفق ہیں، مگر اُن کے بہت سے کام پورے ہو جاتے ہیں۔

پس کسی چیز سے مرادیں پوری ہونا اُسکے مباح ہونے کو مستلزم نہیں، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ اُس چیز میں مصلحت سے زیادہ مضرت ہو، اور شریعت کے آنے کا مقصد یہی ہے کہ مصالح کو جمع و مکمل کرے اور مفاسد کو بند اور کم کرے۔ ورنہ تمام محرمات مثلاً شرک، شراب، جُور، فواحش، ظلم وغیرہ سے کبھی انسان کو نفع ہوتا اور بعض مقاصد پورے ہوتے ہیں لیکن چونکہ اُن میں مفاسد کا پلہ مصالح سے جُھکا ہوا ہے اس لئے اللہ اور اُسکے رسولؐ نے اُن کا سد باب کر دیا۔ یہی طرح بہت سے امور مثلاً عبادات و جہاد و انفاق فی سبیل اللہ میں کبھی مضرت بھی ہوتی ہے لیکن چونکہ اُنکی مصلحت و مضرت سے زیادہ ہے اسلئے شارع نے اُن کا حکم دیا۔ یہ ایک ایسی اصل ہے جسکا لحاظ بہت ضروری ہے۔ کسی چیز کو بغیر ایسی دلیل شرعی کے واجب یا مستحب کہنا

جو اُسکے وجوب یا استحباب کو مقتضی ہو، جائز نہیں۔ عبادت کی دو ہی شکلیں ہو سکتی ہیں: یا تو واجب ہوگی یا مستحب۔ اور جو نہ واجب ہے نہ مستحب تو وہ عبادت بھی نہیں ہو سکتی درگاہ خداوندی میں دعا بھی عبادت ہے اگر اس سے مطلوب امر مباح ہو۔

غرض کہ بعض سلف اور علماء سے منقول ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ سے دعا کرنا جائز بتایا ہے، لیکن مُردوں اور غائبوں سے جام اس سے کہ ملائکہ ہوں یا انبیاء یا صالحین دعا کرنا یا مرد چاہنا یا فریاد کرنا تو اسے سلف صالح: صحابہؓ اور تابعینؓ میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کیا اور نہ مسلمانوں کے کسی امامؒ نے اسے جائز بتایا۔

رہی نابینا والی حدیث جسے ترمذی و نسائی نے روایت کیا ہے تو وسیلہ کی دوسری قسم میں داخل ہے۔ یعنی اُمّیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے وسیلہ ہے نہ کہ آپ کی ذات سے۔ کیونکہ اندھے نے آپ سے درخواست کی تھی کہ خدا سے اُسکے حق میں مٹائی کیلئے دعا فرمائیں۔ اسپر آپؐ نے فرمایا: ”ان شئت صبرت وان شئت دعوت لك“

فقال بل ادعہ فامرہ ان يتوضأ ویصل رکعتین ویقول: اللہم انی اسألك بنبیک نبی الرحمة یا محمد یا رسول اللہ انی اتوجه بک الی ربی فی حاجتی هذه لیقضیہا اللہم فشفعه فی، (اگر تو چاہے تو صبر کر لے اور چاہے تو دعا کروں) اُس نے کہا بلکہ دعا کیجئے، چنانچہ آپؐ نے حکم دیا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور کہے: الہی میں تیرے نبی، نبی الرحمة کے واسطے سے تجھ سے دعا کرتا ہوں، اے محمدؐ! اے رسول اللہؐ میں تیرے واسطے سے اپنے رب کی طرف اپنی ضرورت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری کر دے اے خدا! رسول اللہؐ کی شفاعت میرے حق میں قبول کرے تو یہ آپ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے اُسکے حق میں دعا کی اسی لئے تلقین فرمائی: شفعہ فی، (میرے حق میں اُسکی شفاعت قبول کرے) یعنی خدا سے التجا کی کہ اپنے رسولؐ کی شفاعت (یعنی دعا) اس معاملہ میں قبول کر لے۔

نابینا والی حدیث کی تحقیق

یہ حدیث علماء نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں ذکر کی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کی برکت سے طرح طرح کے خوارق ظاہر کئے، مصائب دور کئے اور کس طرح آپ کی دعا کی برکت سے اس اندھے کی آنکھوں میں نور آگیا!

اس حدیث کو مصنفین حدیث مثلاً بیہقی وغیرہ نے دلائل نبوت میں روایت کیا ہے۔ چنانچہ عثمان بن عمرؓ عن شعبہ عن ابی جعفر النخعی عن عمارہ بن خزمیہ بن ثابت عن عثمان بن حنیف سے یہی روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ”دعا فرمائیے کہ خدا مجھے اچھا کر دے“ آپ نے فرمایا

”ان شئت اخرجت ذالک فهو خیر لک وان شئت دعوت - قال فادعه - قال

فامرہ ان يتوضا فيحسن الوضوء ويصلي ركعتين ويدعو بهذا الدعاء: اللهم

انی اسالک واتوجه الیک بنبیك محمد نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بک الی ربی

فی حاجتی هذه فیقضیہا لی اللهم فشفعه فی وشفعنی فیہ“ قال فقام وقد

ابصر“ (اگر تو پسند کرے تو اسے ملتوی کر دے کیونکہ یہی تیرے لئے بہتر ہے اور اگر

چاہے تو دعا کر دوں، اُس نے کہا بلکہ دعا کیجئے، اس پر آپ نے اُسے حکم دیا کہ اچھی طرح

وضو کرے، دو رکعت نماز ادا کرے اور یہ دعا مانگے: الہی میں تجھ سے سوال کرتا

ہوں اور تیرے نبی محمد بنی الرحمتہ کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد

میں تیرے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس ضرورت میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ

اسے پوری کر دے۔ الہی اس کی شفاعت میرے حق میں اور میری دعا اُس کے حق میں

قبول کر۔ راوی کہتا ہے فوراً اُسکی آنکھیں بینا ہو گئیں)۔ اسی طریق سے ترمذی

ونسائی وابن ماجہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ترمذی کہتے ہیں یہ حدیث ”حسن

صحیح غریب“ ہے۔ صرف اسی صورت سے حدیث ابی جعفر سے معروف ہے۔ یہ

ابو جعفر ابو جعفر النخعی نہیں ہیں۔ ترمذی نے ہی کہا ہے لیکن جملہ علماء اس کے خلاف

ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ابو جعفر الخلی ہیں اور یہی درست ہے۔ نیز ترمذی اور اُنکے ساتھیوں
 اور علماء کی طرح حدیث کے تمام الفاظ کا احاطہ نہیں کیا بلکہ اُسے صرف ”اللهم شفّعہ فی“
 تک روایت کر کے رہ گئے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ”حدثنا محمود بن غیلان حدثنا عثمان
 بن عمر حدثنا شعبۃ عن ابی جعفر عن عمارۃ بن خزيمة ابن ثابت عن عثمان بن حنیف
 ان رجلاً من ریح البصر اتي النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادع اللہ ان یرفع منی
 قال ان شئت صبرت فهو خیر لک قال فادعه قال فامرہ ان یتوضأ فیمسح
 وضوءاً ویدعو بهذا الدعاء: اللهم انی اسألك واتوجه الیک بنبیک محمد
 نبی الرحمة یا محمد انی توہجت بک الی ربی فی حاجتی ہذا لتقتنی، اللهم شفّعہ
 فی“ (....) ایک نابینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ دعا
 کیجئے اللہ مجھے اچھا کر دے، فرمایا اگر تو پسند کرے تو اسے ملتوی کر دے کیونکہ یہی تیرے
 حق میں بہتر ہے، اُسے کہا بلکہ دعا کیجئے، اس پر آپ نے اُسے اچھی طرح وضو کر کے یہ دعا
 مانگنے کی تلقین کی کہ اے خدا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد نبی الرحمة کے
 وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد میں اپنی ضرورت میں تیرے واسطہ سے
 اپنے رب کی طرف متوجہ ہو رہا ہوں تاکہ پوری ہو جائے، اے خدا! اے میرا شفیع بنا
 بہتھی کہتے ہیں ہم نے اسے روح بن عبادہ عن شعبہ سے اسناد صحیح کتاب الدعوات میں
 روایت کیا ہے کہ ”اندھے نے ایسا ہی کیا اور اچھا ہو گیا“ نیز بیہوشی نے تصریح کی ہے
 کہ اسے حماد نے سلمہ سے اور سلمہ نے ابو جعفر الخلی سے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں اسے امام احمد نے اپنی مسند میں بہتھی کے قول کے مطابق روح بن
 عبادہ سے روایت کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں ”حدثنا روح بن عبادۃ حدثنا شعبۃ عن
 ابی جعفر المدینی سمعت عمارۃ بن خزيمة بن ثابت یحدث عن عثمان بن حنیف
 ان رجلاً من ریح البصر اتي النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا نبی اللہ ادع اللہ ان یرفع منی

قال ان شئت اخوت ذلك فهو خير للاخوتك وان شئت دعوت لك - قال
 بل ادع الله لي فامره ان يتوضأ وان يصلي ركعتين وان يدعو بهذا الدعاء:
 اللهم اني اسألك واتوجه اليك بنبيك محمد بنى الرحمة يا محمد انى اتوجه بك
 الى الله فى حاجتى هذه فتقضى لى وتشفعنى فيه وتشفعه فى " قال ففعل الرجل
 فبراً " (.....) ايک اندھانہی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا اے نبی اللہ
 خدا سے دعا کیجے کہ میں اچھا ہو جاؤں۔ فرمایا اگر تو چاہے تو اسے ملوثی کر دے کیونکہ
 اس میں تیرے لئے بہتری ہے اور اگر چاہے تو دعا کروں؟ کہا بلکہ دعا کیجے، چنانچہ آپ
 نے اُسے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھنے اور یہ دعا کرنے کا حکم دیا کہ: اے خدا میں
 تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد بنی الرحمتہ کے واسطے سے تیری طرف متوجہ
 ہوتا ہوں، اے محمد میں تیرے واسطے سے اپنی اس حاجت میں اللہ کی طرف متوجہ
 ہوتا ہوں تاکہ پوری ہو جائے، اے خدا، اسکے بارے میں میری دعا قبول کر اور میرے
 بارے میں اُسکی دعا)۔

نیز بیہقی نے اُسے شیب بن سعید الخطمی کی حدیث سے اس طرح روایت کیا ہے
 کہ "عن روح بن القاسم عن ابی جعفر المندبجی دھوا الخطمی عن ابی امامہ سہل بن حنیف بن
 عثمان بن حنیف قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وجاءہ رجل ضریر یشتمکی
 الیہ ذهاب بصرہ فقال یا رسول اللہ لیس لی قائد وقد شق علی فقال رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ائت الميضأة فتوضأ ثم صل رکعتین ثم قل "اللهم
 انی اسألك واتوجه اليك بنبيك بنى الرحمة يا محمد انى اتوجه بك الى ربي
 فيجلى عن بصري اللهم فشفعه فى وشفعنى فى" قال عثمان بن حنیف و
 الله ما تفرقنا ولا طال الحديث بنا حتى دخل الرجل كانه لم يكن به صرقط
 عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو ایک اندھے سے

فرماتے سنا جو اپنی آنکھوں کا گلہ لیکر حاضر ہوا تھا، اُس نے کہا اے رسول اللہ میرے پاس کوئی راستہ دکھانے والا نہیں اور بہت تکلیف میں ہوں۔ آپ نے فرمایا وضو گاہ پر جاؤ وضو کر پھر دو رکعت نماز پڑھ پھر کہہ اے خدا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد بنی الرحمۃ کے ذریعہ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد میں تیرے ذریعہ اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری بینائی صاف کر دے، اے خدا اس کی شفاعت میرے حق میں قبول کر اور مجھے میرا شفیع بنا۔ عثمان بن حنیف کہتے ہیں واللہ نہ منتشر ہوئے اور نہ بہت بات چیت کی مگر کیا دیکھتے ہیں کہ اندھا اس طرح چلا آ رہا ہے گویا کبھی اُسکی آنکھ میں کچھ حرج ہی نہ تھا۔)

پس شبیبؓ کی روح اور ابی جعفر الخنقی سے روایت شعبہ وحماد بن سلمہ کی روایت سے اسناد و متن میں مختلف ہو گئی ہے کیونکہ اُس میں ہے کہ ابو جعفر نے عمارہ بن خزیہ سے روایت کی ہے اور اُس میں ہے کہ اُنھوں نے ابو امامہ سہل سے روایت کی ہے۔ اُس روایت میں ہے کہ اندھے نے کہا ”شَفَعَهُ فِي دُشَعْنِي فِيهِ“ اور اُس میں ہے ”و شَفَعْنِي فِي نَفْسِي“ پھر اس اسناد کا ہشام الدستوائی عن ابی جعفر سے ایک اور شاہد بھی موجود ہے۔

اسے بہیقی نے اسی طریق سے روایت کیا ہے اور اُس میں ایک قصہ بھی ہے جو اگر صحیح ہو تو ممکن ہے کہ اُس سے وہ لوگ استدلال کریں جنھوں نے آپ کے وصال کے بعد آپ سے وسیلہ چاہا۔ بہیقی نے اسماعیل بن شبیب بن سعید الخنقی عن شبیب بن سعید عن روح بن القاسم عن ابی جعفر المدینی عن ابی امامہ سہل بن حنیف بن سعید سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص اپنی غرض سے حضرت عثمانؓ (خلیفہ) کے پاس آتا جاتا تھا مگر وہ نہ اُس کی طرف ملتفت ہوتے نہ اُسکی غرض پوری کرتے تھے۔ اتفاق سے اُسکی ملاقات عثمان بن حنیف سے ہوئی اور اُس نے شکایت کی۔ عثمان بن حنیف نے کہا وضو کر، مسج میں

جا اور دو رکعت پڑھ کر کہہ ”اللھم انی اسئلك واتوجه الیک بنینا محمد بنی الرحمة
یا محمد انی اتوجه بک الی ربی فیقضی لی حاجتی“ پھر اپنی مراد عرض کر اور روانہ ہو
جا۔ چنانچہ شخص مذکور نے یہی کیا اور حضرت عثمانؓ کے ہاں پہنچا۔ فوراً دربان نے اُسکا
ہاتھ پکڑا اور اندر لے گیا جہاں حضرت عثمانؓ نے اُسے قالین پر اپنے ساتھ بٹھایا اور
کہا ”کہو کیا غرض ہے؟“ شخص مذکور نے اپنی غرض بیان کی جسے آپ نے پورا کر دیا۔
پھر یہ شخص رخصت ہوا اور عثمان بن حنیف سے ملکر کہنے لگا ”خدا جزائے خیر دے،
اگر تم سفارش نہ کرتے تو عثمانؓ نہ میری طرف ملتفت ہوتے نہ میرا کام پورا کرتے۔“
عثمان بن حنیفؓ نے کہا ”میں نے اُن سے کچھ بھی نہیں کہا، لیکن میں نے رسول اللہ
صلعم کو ایک اندھے سے فرماتے سنا ہے جس نے آکر اپنی آنکھوں کی شکایت کی
تھی کہ ”صبر کر“ مگر اُس نے کہا میرے پاس کوئی رہبر نہیں ہے اور سخت تکلیف میں ہوں۔
اسپر آپ نے فرمایا وضو کر، دو رکعت نماز پڑھ، پھر کہہ ”اللھم انی اسئلك واتوجه
الیک بنیبک محمد بنی الرحمة یا محمد انی اتوجه الی ربی فیجلی لی عن بصری اللھم
فتشفعہ فی وشفعنی فی نفسی“ آخر میں عثمان بن حنیفؓ نے کہا بخدا نہ ہم منتشر
ہوئے نہ زیادہ باتوں میں لگے کہ کیا دیکھتے ہیں اندھا اس طرح چلا آ رہا ہے گویا آنکھوں
میں کبھی کوئی شکایت ہی نہ تھی۔

لیکن ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، تینوں میں سے کسی نے بھی یہ حدیث شیب بن
سعید عن روح بن القاسم کے عجیب طریق اور اس اضافہ کے ساتھ روایت نہیں کی۔
لیکن ماکم نے اپنی مستدرک میں اُسے دو طریق سے روایت کیا ہے: چنانچہ عثمان بن
عمر کے طریق سے ہے کہ حدیثنا شعبة عن ابی جعفر المحدثی سمعت عمارة بن خزيمة
یحدث عن عثمان بن حنیف ان رجلاً ضريراً اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال:
ادع اللہ ان یعافینی فقال: ان شئت اخرجت ذلک فهو خیر لک وان شئت

دعوت خال فادعة فامرہ ان يتوضا فيحسن وضوءه ويصلي ركعتين ويدعو
 بهذا الدعاء: اللهم اني اسئلك واتوجه اليك بنبيك محمد بنى الرحمة يا
 محمد اني توجعت بك الى ربى في حاجتى هذه اللهم فشفعه فى وشفعنى
 فيه

شبيب بن سعيّد صادق ہیں، بخاری نے اُن سے روایت لی ہے۔ لیکن ابن
 وہب نے اُنکے اور روح بن العفرج کے ذریعہ سے منکر حدیثیں روایت کی ہیں اور
 خیال کیا گیا ہے کہ خود ابن وہب نے روایت میں غلطی کی ہے نہ شبيب نے لیکن کبھی
 اس طرح کا الزام خود شبيب پر بھی لگایا جاتا ہے جب وہ ثقات مثلاً شعبہ وحماد بن سلمہ
 وہشام الدستوائی سے کٹ کر اضافہ کے ساتھ حدیث روایت کرتے ہیں خصوصاً اس
 روایت میں کہ اندھے نے کہا ”شفعه فى وشفعنى فى نفسى“ حالانکہ دوسرے
 راویوں نے اسے یوں روایت کیا ہے ”شفعه فى وشفعنى فيه“ جسکے معنی ہیں
 ”آپکی دعا میرے حق میں قبول کر اور میری درخواست آپکی دعا قبول کرنے کے بارے
 میں منظور فرما“ اس طرح دونوں جملوں میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے ورنہ دونوں باہم
 اجنبی رہتے ہیں۔

ابو احمد بن عدی اپنی کتاب ”الکامل فی اسماء الرجال“ (کہ جس سے بہتر اس فن میں
 کوئی کتاب نہیں لکھی گئی) میں کہتے ہیں ”ابن وہب نے شبيب بن سعيّد الخنطی سے
 منکر حدیثیں روایت کی ہیں، اور انھوں نے بواسطہ یونس زہری سے خود زہری کے
 نسخہ سے مستقیم حدیثیں روایت کی ہیں۔ نیز علی بن المری بنی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ
 ثقہ ہیں، یونس کے اصحاب میں سے ہیں، تجارت کے سلسلہ میں مصر آیا جایا کرتے تھے
 چنانچہ اپنے ساتھ ایک صحیح کتاب بھی لائے اور کہا یہ حدیثیں اپنے بیٹے احمد بن شبيب
 سے لکھی ہیں۔ نیز ابن عدی نے شبيب کی دو حدیثوں پر جرح کی ہے جو انھوں نے

روح بن القاسم سے روایت کی ہیں۔ اسے یہ حدیث اعلیٰ بھی انھوں نے روح بن القاسم سے روایت کی ہے اور ان سے اُن کے بیٹے اور ابن وہب نے روایت کی ہے، بیہ کی روایت بہتر ہے اور ابن وہب کی حسبِ عادت خام ہے۔

یہ حدیث طبرانی نے بھی ”معجم“ میں اس طرح روایت کی ہے کہ ”حدثنا عبد اللہ

بن وہب عن شبيب بن سعيد المكي عن روح بن القاسم عن ابی جعفر الخطمی

المدنی عن ابی امامة بن سهل بن حنيف عن عمه عثمان بن حنيف ان رجلا الم

ابن وہب کی اس روایت سے ابن عدی کا قول اور بھی قوی ہو جاتا ہے کہ ابن وہب

حدیث کے الفاظ ضبط میں نہ لاسکے اور یوں ہی روایت کر گئے کہ اندھے نے دہی

دعا کی تھی جو عثمان بن حنیف نے بیان کی ہے۔ حالانکہ واقعہ اسکے خلاف ہے کیونکہ

اُس نے کہا تھا ”اللهم فشفعه في وشفعني فيه“ یا ”شفعني في نفسي“ لیکن

یہ الفاظ ابن وہب نے ذکر نہیں کئے جس سے خیال ہوتا ہے کہ انھوں نے یہ روایت

محض اپنے حفظ سے کر دی ہے جیسا کہ ابن عدی کہتے ہیں اور چونکہ اتقان نہ تھا اس

لئے غلطی کر گئے ہیں۔

یہی حدیث ابوبکر بن ابی خیشمہ نے اپنی تاریخ میں اس طرح روایت کی ہے

کہ ”حدثنا مسلم بن ابراهيم حدثنا حماد بن سلمة اخبرنا ابو جعفر الخطمی عن

عمارة بن خزيمة عن عثمان بن حنيف ان رجلا اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال:

اني اصببت في بصرى فادع الله لي قال اذهب فتوضأ وصل ركعتين ثم قل:

اللهم اني اسألك واتوجه اليك بنبي محمد بنی الرحمة يا محمد اني استشفع بك

على دبی فی رد بصری اللهم فشفعني في نفسي وشفع نبی فی رد بصری۔ و

ان کا انتِ حاجۃ فافعل مثل ذلک، فرد اللہ علیہ بصرہ، عثمان بن حنیف نے سے

روایت ہے کہ ایک شخص نبی مسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا میری بینائی جاتی

رہی ہے، آپ خدا سے میرے حق میں دعا کریں، آپ نے فرمایا: جا وضو کر کے دو رکعت پڑھ اور یہ دعا کہ ”خدا یا میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی محمدؐ، نبی الرحمتہ کے واسطہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمدؐ، میں اپنی بینائی کیلئے تیری شفاعت اپنے رب کے حضور پیش کرتا ہوں، خدا یا میری دعا میرے حق میں قبول فرما اور میری بینائی کی واپسی کیلئے میرے نبی کی شفاعت قبول کر۔“ اور اگر آپ کوئی ضرورت ہو تو بھی ایسا ہی کر۔“ چنانچہ خدا نے اُسکی بینائی درست کر دی۔ اس روایت میں بھی روح بن القاسم کی روایت کی طرح ”فشفعنی فی نفسی“ موجود ہے۔ اور اتنا اضافہ بھی ہے کہ ”وان“

کانت حاجة فافعل مثل ذالك“ یا کہا ”فعل ذالك“ (ایسا ہی کیا) ممکن ہے اسے عثمان بن حنیف کے قول کی تائید میں پیش کیا جائے۔ لیکن شعبہ اور روح بن القاسم، حماد بن سلمہ سے ہتر راوی ہیں۔ نیز روایت کے الفاظ کا اختلاف بتا رہا ہے کہ اس طرح کی حدیثیں عموماً بالمعنی روایت کی جاتی ہیں۔ اور روایت کے الفاظ ”وان کانت حاجة فعل مثل ذالك“ ممکن ہے عثمان کے الفاظ ہوں نہ نبی صلعم کے کیونکہ اگر یہ کلام نبوی ہوتا تو ان الفاظ کے بجائے یوں ہوتا ”وان کانت لك حاجة ففعلت مثل ذالك“

اور اگر یہ اضافہ صحیح ثابت ہو جائے تو بھی اُس سے کوئی حجت نہیں لائی جاسکتی بلکہ زیادہ سے زیادہ جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے یہ ہے کہ عثمان بن حنیف نے خیال کیا کہ اصلی دعا کے ایک ٹکڑے سے بھی دعا کی جاسکتی ہے، کیونکہ انھوں نے پوری مشروع دعا نہیں بلکہ اُسکے ایک حصہ کا ذکر کیا ہے، اور یہ کہ اس طرح کی دعا نبی صلعم کی وفات کے بعد بھی روا ہے۔ حالانکہ خود حدیث کے الفاظ اس خیال کی تردید کرتے ہیں، کیونکہ حدیث میں ہے کہ اندھے نے نبی صلعم سے دعا کی درخواست کی اور آپ نے اُسے دو تعلقین فرمائی جیں یہ الفاظ بھی تھے ”اللهم فشفعه فی“ (اے خدا میرے حق میں اُسکی شفاعت قبول کر) ظاہر ہے یہ دعا اُسی وقت کی جاسکتی ہے جب نبی صلعم

دعا و شفاعت کر رہے ہوں نہ کسی دوسری حالت میں۔ یہ دعا آپ کی زندگی میں لوگوں کے لئے آپ کی دعا و شفاعت کی مناسبت سے تھی اور قیامت میں اس وقت موزون ہوگی جب آپ شفاعت فرمائیں گے۔ اسی روایت میں ہے کہ اندھے نے کہا ”شفعنی فیہ“ (میری دعا میرے حق میں قبول کر) ظاہر ہے اندھے کی مراد یہ تو ہونیں سکتی کہ وہ آنحضرت صلعم کے حق میں آپ کی کسی غرض کیلئے شفاعت کرنا چاہتا ہے۔ اگرچہ آپ کے حق میں بھی دعا کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے جیسا کہ صلوٰۃ و سلام میں ہے، نیز خود آپ نے ہم سے خواہش کی ہے کہ آپ کے لئے وسیلہ طلب کریں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں جابر بن عبد اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ”من قال اذا سمع النداء اللهم رب هذه

الدعوة التامة والصلوة القائمة آت محمد الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته، حلت له شفاعتي يوم القيامة“ (جب نے اذان سُنکے کہا:

اے خدا رب اس دعوتِ تامہ اور صلوٰۃ قائمہ کے، محمد کو وسیلہ و فضیلہ دے اور اُس مقام محمود میں اُسے اٹھا جس کا تو نے اُس سے وعدہ کیا ہے، تو میری شفاعت قیامت کے دن اُس کے لئے حلال ہوگی) مسلم میں عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ”اذا سمعتم

المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلّوا على فأن من صلى على صلوة صلى الله عليه

عشر اثم صلوا الله لي الوسيلة فانها درجة في الجنة لا تنبغي الا لعبد من عباد

الله وادعوا ان اكون انا ذلك العبد، فمن سأل الله لي الوسيلة حلت عليه

شفاعتي“ (جب مؤذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے پھر مجھ پر درود بھیجو،

کیونکہ جو مجھ پر ایک درود بھیجیگا خدا اُس پر دس درود بھیجیگا، پھر میرے لئے وسیلہ کی

دعا کرو جو جنت میں ایک درجہ ہے اور اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے

کیلئے مزا دار ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں جس نے میرے لئے وسیلہ

کی دعا کی اُس کے لئے میری شفاعت حلال ہو گئی) اور اُمت کا آپ کیلئے وسیلہ طلب کرنا

آپ کے حق میں دُعا ہے اور یہی معنی شفاعت کے ہیں، اسی لئے ثوابِ عمل کی جنس سے رکھا گیا کہ جو کوئی آپ پر درود بھیجے گا خدا اُس پر درود بھیجے گا اور جو آپ کیلئے وسیلہ (کہ جس میں آپ کی شفاعت داخل ہے) طلب کرے گا اُس کے لئے آپ شفاعت فرمائیں گے چنانچہ یہی اس حدیث میں ہے کہ اندھے نے آپ سے شفاعت کی درخواست کی تو آپ نے حکم دیا کہ خدا سے میری شفاعت مقبول کرنے کی دعا کر، گویا اِہمیں شفاعت و شفاعت ہے، اسی لئے کہا ”اللہم فشفعه فی وشفعنی فیہ“ (اُسکی شفاعت میرے حق میں اور میری اُسکے حق میں قبول کر) اور ظاہر ہے ایسے موقعہ پر رسول اللہ کی دعا قبول ہو جانا اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ کی عزت کا ثبوت ہے۔ اسی لئے یہ واقعہ آپ کے معجزات اور دلائلِ نبوت میں شمار کیا گیا ہے۔ نیز وہ قیامت میں آپ کی دعا کی طرح ہے، اسی لئے طالب دعا کو تلقین کی: ”شفعه فی وشفعنی فیہ“ بر خلاف ”وشفعنی فی نفسی“ کے کہ جسے اس غریب طریق کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کیا ہے لیکن ”وشفعنی فیہ“ کو دو جلیل القدر راویوں: عثمان بن عمرؓ اور روح بن عبادہؓ نے شعبہؓ سے روایت کیا ہے۔ اور معلوم ہے کہ اس حدیث کے راویوں میں شعبہؓ سے زیادہ جلیل القدر کوئی نہیں۔ نیز عثمان بن عمرؓ عن شعبہؓ کی حدیث کو ترمذی و نسائی و ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ترمذی نے بطریق محمود بن غیلان عن عثمان بن عمر عن شعبہ اور ابن ماجہ نے بطریق احمد بن یسار عن عثمان بن عمر روایت کیا ہے۔ نیز امام احمدؒ نے بھی اپنی مسند میں روح بن عبادہ عن شعبہ روایت کیا ہے اور ظاہر ہے یہ لوگ حدیث کے زیادہ حافظ و ماہر ہیں۔ پھر اگر ”وشفعنی فی نفسی“ (میرے حق میں میری شفاعت قبول کر) کا لفظ محفوظاً تسلیم کر لیا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ سائل نے یہ دعا کی کہ نبی صلعم کی شفاعت کے ساتھ وہ خود بھی اپنا شفیع ہو۔ حالانکہ اگر نبی صلعم اُسکے لئے دعا نہ کرتے تو اُس کی دعا کی طرح محض ایک سائل ہوتا اور ظاہر ہے ایسی حالت میں دعا کو شفاعت نہیں کہا جاسکتا

کیونکہ شفاعت اُسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ شخص موجود ہوں اور ایک دوسرے کے حق میں دعا کرے، برخلاف شخص واحد کے جو خود اپنے حق میں دعا کر رہا ہے اسے دعا کہا جائیگا، شفاعت نہیں۔

غرض کہ اس اضافہ میں متعدد علتیں موجود ہیں: راوی نے اپنے سے بڑے حافظوں سے کٹ کر اُسے روایت کیا ہے۔ اصحابِ سنن نے اُس سے اعراض کیا ہے۔ اُسکے الفاظ مضطرب ہیں۔ اُسکے راوی کے متعلق ثابت ہو چکا ہے کہ روح بن عبادہ سے منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ یہ وجہ اُسے مشکوک و مشتبہ کر دینے کیلئے بالکل کافی ہیں، لہذا وہ حجت نہیں ہو سکتی کیونکہ صحابی کی روایت کا اعتبار ہے نہ اُسکے فہم کا، اگر اُسکی روایت کے الفاظ اُسکے سمجھے ہوئے معنی کے خلاف مطلب ظاہر کرتی ہوں جیسا کہ یہاں صورت حال ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے اگر نبی صلعم کی وفات کے بعد کوئی دعا میں کہے ”اللهم فشفعه فی وشفعه فیہ“ تو چونکہ آپ اُس کیلئے دعائیں کر رہے اسلئے یہ کلام بے معنی ہوگا۔ پھر عثمان بن حنیف نے اُس شخص کو نبی صلعم سے شفاعت طلب کرنے کا مشورہ نہیں دیا، نہ یہ تلقین کی کہ ”شفعه فی“ نہ پوری ماثورہ دعائیں بلکہ صرف اُسکے ایک حصہ کی تلقین کی۔ چونکہ یہاں آنحضرت صلعم کی طرف سے شفاعت ہے نہ شفاعت کے لگ بھگ کوئی چیز، اسلئے آپ کی وفات کے بعد اس طرح کا کلام بالکل لغو ہے، یہی وجہ ہے کہ عثمانؓ نے اُسکا بلکہ دعا و ماثورہ کا بھی حکم نہیں دیا اور جو کچھ بتایا وہ نبی صلعم سے ماثور نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس طرح کی کوئی چیز بھی شریعت نہیں بن سکتی اور نہ اگلا و کما صحابہؓ کے آثار، حسن عبادات، اباحات، ایجابات یا تحریمات میں کوئی وزن رکھتے ہیں جبکہ اور صحابہؓ کا عمل اور نبی صلعم سے ثابت احکام اُس کے موافق نہیں بلکہ مخالف ہوں۔ جب معاملہ ایسا ہو جیسا یہاں ہے تو صحابی کا فعل ہرگز سنت نہیں ہو سکتا کہ جسکی پیروی مسلمانوں پر واجب ہو۔ بلکہ اُس سے زیادہ سے

زیادہ جو کچھ ثابت ہو سکتا ہے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اجتہاد روا ہے۔ اور یہ شریعت کا مسلم اصول ہے کہ جس بارے میں امت مختلف ہو جائے اُسے فیصلہ کیلئے اللہ اور رسولؐ کے سامنے پیش کرنا چاہئے۔

بعض افراد صحابہؓ کا فعل سنت نہیں

اسکی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ ایسے حالات میں بعض جلیل القدر صحابہؓ کے بھی افعال سنت نہیں بنے۔ مثلاً حضرت عمرؓ وضو میں پانی آنکھوں کے اندر داخل کیا کرتے اور کانوں کیلئے نیا پانی لیتے تھے۔ سیطرح ابو ہریرہؓ وضو میں ہاتھ بازوؤں تک دھوتے اور کہتے تھے ”من استطاع ان یطیل غرثہ فلیفعل“ (جو اپنے غرہ کو داز کر سکے چاہئے کہ دراز کرے) نیز گردن کا مسح کرتے اور کہتے ”هو موضوع الغل“ (اس سے گردن گنا ہوں کے بوجہ سے ہلکی ہوتی ہے) ان دونوں صحابیوں کے فعل کو اگرچہ علما کے ایک گروہ نے مستحب قرار دیا ہے مگر اور سب نے اسی بنیاد پر مخالفت کی ہے کہ تمام صحابہؓ اس طرح وضو نہ کرتے تھے نیز صحیحین وغیرہ میں جو دستور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اس کے خلاف ہے اُس میں کانوں کیلئے نیا پانی لینا، ہاتھ پاؤں اُگنیوں اور ٹخنوں کے اوپر دھونا اور گردن کا مسح کرنا نہیں ہے اور نہ آپ نے فرمایا ”من استطاع ان یطیل غرثہ فلیفعل“ بلکہ یہ ابو ہریرہؓ کا قول ہے جو بعض احادیث میں مدثر روایت کر دیا گیا ہے۔ آپ نے صرف یہ فرمایا تھا ”انکم تاؤن یوم القیامۃ غرا محجلین من اثار الوضوء“ (تم قیامت کے دن وضو کے نشانوں کی وجہ سے پچھلیاں گھوڑوں کی طرح آؤ گے) اور آپ کا وضو یہ تھا کہ ہاتھ اور پاؤں دھوتے تو بازو اور پنڈلی کے قریب قریب ہو جاتے۔ ابو ہریرہؓ کے قول: ”من استطاع ان یطیل غرثہ فلیفعل“ (جو اپنا غرہ دراز کر سکتا ہے دراز کرے) سے ہم نے ”غرا محجلین“ کا ترجمہ پچھلیاں کیا ہے، کیونکہ ”غرہ“ گھوڑے کی پیشانی پر سے سفیدی ٹیکے کو کہتے ہیں اور ”محجلہ“ اُسکے پیروں کی سفیدی کو۔

سے بعض لوگوں کا یہ سمجھنا کہ بازو کا دھونا اطلالہ غزہ ہے، بے معنی ہے کیونکہ غزہ چہرہ میں ہوتا ہے نہ ہاتھ پاؤں میں، پاؤں کیلئے ”جملہ“ کا لفظ خاص ہے۔ پھر غزہ کی درازی ناممکن ہے کیونکہ پورے چہرہ کا دھونا پہلے ہی سے ضروری ہے، سر دھویا نہیں جاسکتا اور اگر دھویا جاتا تو اُس میں غزہ ہوتا ہی نہیں۔ جملہ کا اطلالہ بھی مستحب نہیں بلکہ ”مثلاً“ ہے۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا دستور تھا کہ جن راستوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے ہیں چلتے، اور جہاں اترے ہیں اترتے سفر میں اُسی جگہ وضو کرتے جہاں آپؐ کو وضو کرتے دیکھا ہے اور بچا ہوا پانی اُسی درخت پر تر تیر دیتے چسپاں آپؐ نے تیرا۔ ان امور کو بعض علماء نے مستحب بتایا ہے لیکن جمہور علماء نے انھیں مستحب قرار نہیں دیا، اور نہ اکابر صحابہؓ مثل ابوبکر و عمر و عثمان و علی و ابن مسعود و معاذ بن جبل وغیرہم (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے ابن عمرؓ کی طرح ان پر عمل کیا حالانکہ اگر وہ انھیں مستحب سمجھتے تو ضرور کرتے کیونکہ اتباع سنت میں بہت مستند تھے۔

اور یہ اسلئے کہ اتباع کا مطلب یہ ہے کہ وہی کیا جائے جو آپؐ نے کیا ہے اور اُسی بنا پر کیا جائے جس بنا پر آپؐ نے کیا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی فعل عبادت کے طور پر کیا ہے تو ہمیں بھی وہ فعل عبادت سمجھ کر کرنا چاہئے۔ اگر کسی مقام یا وقت کو کسی عبادت کیلئے خاص کیا ہے تو ہمیں بھی ویسا ہی کرنا چاہئے۔ مثلاً کعبہ کا طواف کرنا، حجر اسود کا چھونا، مقام ابراہیمؑ کے پیچھے نماز پڑھنا، مسجد نبویؐ میں ستون کے پاس نماز کی کوشش کرنا، صفا و مروہ پر چڑھنا اور وہاں ذکر و دعا کرنا، نیز عرفہ و مزدلفہ وغیرہ میں بالقصد جانا اور وہاں مخصوص عبادتیں کرنا۔ لیکن آپؐ کا جو فعل محض اتفاقی ہے، قصداً انہیں کیا گیا مثلاً سفر کرتے کرتے کسی جگہ اتر پڑے اور نماز پڑھی تو ظاہر ہے یہ نماز اسلئے نہیں تھی کہ خاص اس جگہ نماز پڑھنا افضل ہے بلکہ محض اتفاقی

اتباع سنت کی حقیقت

مثلاً کے معنی ہیں صورت بگاڑنا۔

بات تھی۔ چونکہ وہاں منزل کی تھی اسلئے نماز بھی پڑھ لی۔ بنا بریں اگر ہم اُس جگہ کو نماز یا منزل کی جگہ بنالیں تو ہم اس چیز میں متبع سنت نہ ہونگے بلکہ یہ اُن بدعتوں میں سے ایک بدعت ہوگی جن سے حضرت عمرؓ منع کیا کرتے تھے۔ چنانچہ حدیث صحیح سے ثابت ہے: کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سفر میں تھے نماز فجر کے بعد ایک جگہ گزر ہوا تو ساتھ کے لوگ اُدھر دوڑ دوڑ کے جانے اور کہنے لگو: یہاں نبیؐ صلعم نے نماز پڑھی ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا ”اہل کتاب سیطرح ہلاک ہوئے کہ اُنھوں نے اپنے انبیاء کی یادگاروں کو کیسیے اور عبادت گاہیں بنالیا، جسے نماز پڑھنا ضروری ہو پڑھ لے ورنہ آگے بڑھے“ اور یہ اسی بنا پر کہ نبیؐ صلعم نے وہ جگہ نماز کیلئے خاص نہیں کی تھی بلکہ چونکہ وہاں اُترے تھے اسلئے نماز پڑھ لی تھی۔ لہذا حضرت عمرؓ کی رائے ہوئی کہ ایسے فعل کی محض ظاہری صورت میں شرکت کرنا اور قصد و نیت سے قطع نظر کر لینا اتباع سنت نہیں ہے بلکہ اُس جگہ کو نماز کیلئے مخصوص کر دینا اہل کتاب کی بدعتوں کے مشابہ ہے کہ جنگی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے اور جنگی تقلید سے سسنا نوکورو کا گیا ہے۔ پس اگر اس پر بھی کوئی ایسا کرے تو گویا وہ ظاہر میں اپنے ہاتھ پاؤں سے محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا متبع دکھائی دے، مگر اپنی نیت و ارادہ میں جو قلب کا فعل ہے یہ وہو نصاریٰ کا تقلید ہے۔

یہ ایک شرعی اصل ہے، کیونکہ سنت کی پیروی، عمل کی محض ظاہری صورت کی نقل سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اسی لئے جب نماز میں جلستہ الاستراحتہ بہت سے علماء پر مشتبہ ہو گیا کہ آیا آپؐ نے استحباً کیا تھا یا کسی عارضی ضرورت سے تو اس میں اختلاف ہو گیا۔

اسی قبیل سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا نبیؐ صلعم کی نشست گاہ پر ہاتھ رکھنا اور حضرت ابن عباسؓ کا بصرہ میں اور عمرو بن حریثؓ کا کوفہ میں تعریف کرنا ہے۔ چونکہ

اسے جلا صحابہؓ نے نہیں کیا اور نہ نبی صلم نے امت کیلئے مشروع کیا، اسلئے یہ نہ کہا جا سکا کہ وہ سنتِ مستحبہ ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا کہ اس معاملہ میں صحابہؓ نے اجتہاد کیا ہے یا یہ کہ اُسکے فاعل پر گرفت نہ کی جائیگی کیونکہ اس میں اجتہاد جائز ہے نہ اسلئے کہ وہ سنتِ مستحبہ ہے جسے رسول اللہؐ نے اپنی امت کیلئے قائم کیا ہے۔

یہ اور اس طرح کی مثالوں میں ائمہ علم کا طریقہ یہ ہے کہ کبھی اسے مکروہ بتاتے ہیں کبھی اس میں اجتہاد درکار رکھتے ہیں اور کبھی اس پر عمل کی اجازت دیتے ہیں بشرطیکہ اسے سنت نہ بتالیا جائے۔ لیکن کوئی عالم دین بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ سنت ہے، اور مسلمانوں کیلئے مشروع ہے۔ کیونکہ ایسی بات صرف اُسی صورت میں کہی جاسکتی ہے جب رسول اللہؐ نے اسے مشروع کیا ہو۔ آپ کے سوا سنت و شریعت قرار دینے کا کسی کو حق نہیں۔ رہے خلفاء و راشدین تو جو طریقے انھوں نے قائم کئے وہ خود رسول اللہ صلم کے حکم سے تھے اور اسلئے سنت ہیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ دین میں نہ کوئی چیز واجب ہے، نہ حرام، نہ مستحب، نہ مکروہ، نہ مباح، اور اگر ہے تو وہ اور صرف وہ ہے جسے رسول خداؐ نے واجب یا حرام یا مستحب یا مکروہ یا مباح قرار دیا ہے۔

اسی طرح اباحات میں جیسا کہ روزہ میں ابو طلحہؓ نے اولہ کھانا جائز سمجھا۔ حذیفہؓ نے سحری اُسوقت تک درست سمجھی جب تک روشنی خوب نہ پھیل گئی یہاں تک کہ لوگ چلا اُٹھے: ”دن ہو گیا“ مگر سورج نہ نکلا تھا۔ لیکن چونکہ اور صحابہؓ نے ایسا نہیں کیا اسلئے ان صحابیوں کا یہ فعل واجب الاتباع نہیں سمجھا گیا بلکہ اسے کتابِ سنت کے سامنے پیش کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

اسی طرح کراہت و تحریم کے باب میں ہے کہ حضرت عمرؓ اور اُنکے صاحبزادے عبداللہؓ نے حج میں طوافِ کعبہ سے پہلے خوشبو لگانا مکروہ قرار دیا۔ یا بعض صحابہؓ نے حج فسخ

کر کے تمتع کی نیت یا سرے سے تمتع ہی کو مکروہ بتایا۔ یا نماز قصر کیلئے مسافت کی تحدید کی اور کہا اس سے کم میں قصر نہ کیا جائے، یا فتویٰ دیدیا کہ مسافر کیلئے سفر میں روزہ جائز نہیں۔ اسی قبیل سے حضرت سلمان فارسیؓ کا قول ہے کہ لعاب نجس ہے۔ یا ابن عمرؓ کا کہنا کہ کپڑائیہ سے نکاح جائز نہیں، یا معاذ و معاویہؓ کا مسلمان کو کافر کا وارث ٹھہرانا، یا حضرت عمرؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کا جنبی کو تیمم سے منع کرنا۔ یا حضرت علیؓ، زیدؓ اور ابن عمرؓ کا کہنا کہ اگر شوہر مر جائے تو موقوفہ کیلئے فہر نہیں۔ یا حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ کا فتویٰ دینا کہ حاملہ بیوہ ہو جائے تو بعد الاجلین عدت بیٹھے۔ یا ابن عمرؓ وغیرہ کا کہنا کہ محرم کے مرتے ہی اُس کا احرام ٹوٹ جاتا ہے اور اُس کے ساتھ وہی کرنا چاہئے جو غیر محرم کے ساتھ کیا جاتا ہے وغیرہ مسائل جنہیں صحابہؓ نے باہم اختلاف کیا۔ لیکن علماء کی کسی وقیح جماعت نے بھی ان مختلف فیہ باتوں کو بعض صحابہؓ کے عمل کی بنا پر سنت قرار نہیں دیا بلکہ یہی فیصلہ کیا اور ٹھیک کیا کہ انہیں اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹانا چاہئے، کیونکہ امت کیلئے وہی چیز شریعت ہو سکتی ہے جسے اللہ کے رسولؐ نے مشروع کیا ہے۔

جو علماء کہتے ہیں کہ صحابی کا قول حجت ہے وہ بھی یہ شرط لگاتے ہیں کہ دوسرے صحابہؓ اُس کے مخالف نہ ہوں اور کوئی نص اُس کے خلاف موجود نہ ہو۔ صحابہؓ کی خاموشی بھی اس بابے میں معتبر بتائی جاتی ہے جسکی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی فعل یا قول شہرت پا گیا اور صحابہؓ نے اس پر اعتراض کے بجائے سکوت کیا تو سمجھا جائیگا کہ انھوں نے مخالفت نہیں کی اور اسے ”اجماع اقراری“ کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ صحابہؓ کسی باطل فعل کو بغیر اعتراض کے چھوڑ نہیں سکتے۔ لیکن اگر وہ مشہور نہیں ہوئے اور اُس کے خلاف کوئی قول موجود نہیں ہے تو اُسے حجت قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اگر معلوم ہو جائے کہ مخالفت ہوئی ہے تو پھر وہ بالاتفاق حجت نہیں ہو سکتا۔ اور جب یہ نہ معلوم ہو سکے کہ اُسکی مخالفت ہوئی ہے یا موافقت تو اُسے اُسی حال میں حلق چھوڑ دیا جائیگا، کسی پہلو پر بھی جزم

صحابی کا فعل کب حجت ہوتا ہے؟

نہ کیا جائیگا۔ لیکن اگر سنت نبویؐ اُسکے خلاف پر دلالت کرے تو باتفاق اہل علم و حجت رسول اللہؐ کی سنت میں ہوگی نہ اُسکے مخالف قول و عمل میں۔

اگر یہ مسلم ہے تو پھر عثمان بن حنیف وغیرہ بعض صحابہؓ سے اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ انہوں نے وصال کے بعد نبی صلعم کو وسیلہ بنانا (بغیر اُسکے کہ آپ دعا یا شفاعت کریں) مشروع و مستحب قرار دیا ہے، تو چونکہ ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے کابر صحابہؓ کی یہ رائے نہ تھی بلکہ وہ اسے وفات کے بعد ناجائز سمجھتے تھے، اسلئے اُنکا (عثمان بن حنیف وغیرہ کا) قول ہرگز حجت نہیں ہو سکتا۔ اس بارے میں صحابہؓ کا طریقہ یہ تھا کہ استسقا کے موقع پر آپ کی زندگی میں آپ کی دعا کو وسیلہ بناتے تھے، لیکن جب وصال ہو گیا تو پھر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ حضرت عمرؓ نے اتفاق اہل علم اپنی صحیح و مشہور وثابت دعائیں جو عام الزامہ کے ہولناک قحط میں مہاجرین و انصار کے روبرو مانگی

تھی، کہا تھا ”اللھم انا کنّا اذا اُجِدنا نتوسل الیک بنبینّا فتسقینّا وانا

نتوسل الیک بحم نبینّا فاسقنا“ (اے خدا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو

اپنے نبیؐ کا وسیلہ تیرے سامنے پیش کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، اب) ہم

اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ تیرے حضور لاتے ہیں ہمیں سیراب کر) اس دعا پر تمام صحابہ

نے سکوت کیا اور باوجود شہرت کے کسی نے بھی اسکی مخالفت نہ کی۔ بنا بریں یہ دعا

”اجماع اقراری“ کی ایک نہایت واضح مثال ہے۔ اسی قسم کی دعا معاویہ بن ابی سفیان

نے بھی اپنے عہد خلافت میں استسقا کے موقع پر مانگی تھی۔ حالانکہ اگر وفات کے بعد

بھی آنحضرت صلعم سے وسیلہ لینا درست ہوتا تو صحابہؓ ضرور کہتے کہ رسول اللہؐ کو چھوڑ کر

عباس بن عبد المطلبؓ اور یزید بن الاسودؓ وغیرہ کو ہم کیوں وسیلہ بنائیں، حالانکہ

آپؐ افضل خلق ہیں اور آپؐ کا وسیلہ خدا کی جناب میں سب سے افضل و اعظم وسیلہ ہے؛

لیکن چونکہ انہیں سے کسی ایک نے بھی یہ نہیں کہا اور دوسری طرف ہمیں معلوم ہے کہ

زندگی میں وہ صرف آپؐ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بناتے اور وفات کے بعد دوسروں کی

دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہتے تھے تو ثابت ہو گیا کہ جو وسیلہ اُنکے نزدیک مشروع تھا وہ دعا کا وسیلہ تھا نہ کسی کی ذات خاص کا۔

نا بینا والی حدیث حضرت عمرؓ کیلئے حجت ہے

رہی حدیثِ اعلیٰ تو وہ حضرت عمرؓ اور عام صحابہؓ کیلئے حجت ہے کیونکہ اندر سے ہی کہا گیا تھا کہ نبی صلعم کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنائے نہ کہ آپ کی ذات کو۔ لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ کسی صحابیؓ نے آپ کی شفاعت کے بجائے آپ کی ذات کو وسیلہ بنانے کیلئے کہا، پوری مشروع دعا کے بجائے اُسکے صرف بعض حصوں کی تلقین کی تو اس صورت میں بھی یہی کہا جائیگا کہ حضرت عمرؓ کا فعل موافق سنت نبویؐ ہے اور اُس صحابی کا فعل مخالف سنت ہے اور یہ کہ جو حدیث اُس نے روایت کی ہے خود اُسی پر حجت ہے ۲۔ اللہ اعلم!

باب (۳)

وسیلہ کی تیسری قسم

بہی تیسری قسم جسے وسیلہ کا نام دیدیا گیا ہے تو اُسکی تائید میں کوئی شخص نبی صلعم سے ایک لفظ بھی ایسا نقل نہیں کر سکتا جو اہل علم کیلئے دلیل بن سکے جیسا کہ مفصل بیان ہو چکا۔ اس تیسری قسم سے مراد وہ دعا ہے جس میں خدا کو انبیاء و صالحین کی قسمیں دلائی جاتی ہیں یا اُنکی ذات کو درمیان میں رکھ کر سوال کیا جاتا ہے۔ اس بارے میں نبی صلعم سے کوئی ایک بات بھی بیان نہیں کی جاسکتی نہ خود آپ کی قسم دلانے اور آپ کی ذات کے حوالہ سے دعا کرنے میں اور نہ کسی مخلوق کی قسم یا ذات کے حوالہ سے دعا کے بارے میں۔ اور اگر مان لیا جادے کہ بعض علماء نے اسے جائز بتایا ہے تو یہ بھی ماننا پڑیگا کہ بہت سے علماء نے اُسے ناجائز قرار دیا ہے۔ بنا بریں یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہوا جیسا کہ بیان ہو چکا اور اُسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹانا ضروری ہو گیا۔ ہر کوئی اپنی دلیل لائے اور دوسرے مابہ النزاع مسئلوں کی طرح اُسپر بحث کرے۔ یہ مسئلہ باجماع مسلمین ایسا نہیں ہے کہ اُسکی وجہ سے کسی کو سزا دی جائے

بلکہ اُس پر سزا دینے والا ظالم و جابر ہے۔ کیونکہ اُسے ناجائز کہنے والا کوئی نئی بات نہیں کہتا، وہی کہتا ہے جو بہت سے علماء کہہ چکے ہیں اور اُسکے منکر کے پاس نبی صلعم یا صحابہؓ سے کوئی دلیل نہیں ہے جسکی پیروی واجب ہو، خصوصاً ایسی حالت میں کہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خدا کے سوا انبیاء، اولیاء کسی مخلوق کی بھی قسم کھانا درست نہیں جیسا کہ بیان ہوا۔ اور تمام علماء متفق ہیں کہ خدا کے سوا کسی نبی، ولی غرض کہ کسی مخلوق کی بھی نذر جائز نہیں بلکہ ایسی نذر مشرکانہ تدر ہے جسے پورا نہیں کرنا چاہئے۔ سبط جرح قرآن اور دوسری مخلوقات کی بھی قسم جائز نہیں اور اگر کھائی جائے تو نہ قسم قطع ہوگی نہ کفارہ عائد ہوگا حتیٰ کہ اگر نبی صلعم کی قسم کھائی جائے تو وہ بھی واقع نہ ہوگی جیسا کہ مذکور ہوا اور نہ جمہور علماء کے نزدیک اُس میں کفارہ واجب ہے۔ مالک، شافعی، ابو حنیفہ اور احمد (فی احدى الروايتين) کا یہی مذہب ہے۔ پس اگر مخلوق کی قسم کھانا اور مخلوق کو مخلوق کی قسم دلانا جائز نہیں تو اللہ جل جلالہ کے باب میں یہ کیسے جائز ہوگا؟

رہی نبی صلعم کے حوالہ سے بغیر قسم دلائے دعا تو اسے بھی بہت سے علماء نے منع کیا ہے۔ نبی صلعم اور خلفاء راشدین کی سنت صحیحہ بھی اسی پر دلالت کرتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ جو کوئی ایسا کرتا ہے قربت و طاعت سمجھ کر کرتا ہے نیز یقین کرتا ہے کہ اس ذریعہ سے دعا مقبول ہو جاتی ہے۔ حالانکہ جو چیز اس طرح کی ہو وہ یا تو واجب ہوگی یا مستحب، اور معلوم ہے کہ عبادات و ادعیہ میں واجب و مستحب وہی چیز ہو سکتی ہے جسے نبی صلعم نے امت کیلئے مشروع کیا ہے۔ لیکن جسے مشروع نہیں کیا وہ نہ واجب ہو سکتی ہے نہ مستحب، نہ قربت و طاعت کا ذریعہ ہو سکتی ہے نہ اجابت دعا کا سبب۔ اس پورے موضوع پر مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ پس جو کوئی اسکا اعتقاد رکھتا ہے یعنی مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا کو مستحب یا واجب سمجھتا ہے، وہ گمراہ ہے اور اُسکی یہ بدعت، بدعت سیئہ ہے۔ کیونکہ حدیث صحیح، سنت نبویؐ اور

سنت خلفاء راشدین سے پوری طرح واضح ہو چکا ہے کہ یہ چیز اُن کے نزدیک مشروع نہ تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ نبی مردی نہیں

نیز یہ بھی واضح ہو چکا کہ خدا سے اس قسم کا سوال ایک ایسا سوال ہے جو کسی ایسے سبب پر مبنی نہیں جو اجابت دعا سے مناسبت رکھتا ہو اور یہ کہ وہ ویسی ہی دعا ہے جیسی کعبہ طور پر کسی مسجد وغیرہ مخلوقات کے نام پر دعا اور معلوم ہے کہ جس طرح خدا کو مخلوقات کی قسم دلانا مشروع نہیں اُسی طرح مخلوقات کے حوالہ سے اُس سے دعا کرنا بھی مشروع نہیں، بلکہ اس سے منع کیا گیا ہے۔ نیز کسی کے لئے روا نہیں کہ مخلوق کی قسم کھائے یا خدا کو مخلوق کی قسم دلائے یا مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا کرے بلکہ اس کے برخلاف ایسے اسباب سے دعا کرنا چاہئے جو قبولیت کے مناسبت رکھتے ہیں جیسا کہ مفضل بیان ہو چکا۔ اسکے جوازیں نبی صلعم سے کچھ بھی ثابت نہیں بلکہ جو کچھ روایت کیا جاتا ہے موضوع ہے۔ البتہ بعض اہل علم سے آثار و اقوال روایت کئے گئے ہیں جنہیں سے بعض ثابت ہیں اور بعض غیر ثابت۔ مثلاً وہ حدیث جسے احمد و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے اور جس میں ہے ”بحق السائلین

علیک و بحق من شای هذا“ پوری حدیث یوں ہے: ”احمد عن دکیع عن فضیل

بن مرزوق عن عطیة عن ابی سعید الخدری عن النبی صلعم قال ”من قال اذا

خرج الی الصلاة: اللھم انی اسالک بحق السائلین علیک و بحق من شای هذا

فان فی لھم اخرجہ اشراد لا بطرا ولا ریا ولا سمعة خرجت اتقاء بھظک و ابتغاء

مرضا تھک اسالک ان تنقذنی من النار وان تداخلنی الجنة وان تغفر لی

ذنوبی انھ لا یغفر الذنوب الا انت“ خرج معہ سبعون الف ملک یتخفون

لھ و انھل اللہ علیہ بوجھ حتی یقضى صلاتھ“ (.....) جس نے نماز کیلئے نکلتے

ہوئے کہا کہ خدا یا میں تجھ سے اُس حق کے واسطے سوال کرتا ہوں جو تجھ پر سائلوں کا

ہے اور اپنے اس چلنے کے حق سے کیونکہ میں نہ تکبر سے نکلا ہوں نہ دکھاوے اور شہرت کے خیال سے بلکہ محض تیرے غصہ سے بچنے اور تیری خوشنودی کی جستجو میں نکلا ہوں، میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ کے عذاب سے نجات دے، جنت میں داخل کر، میرے گناہ معاف کر، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کر سکتا، تو اُسکے ساتھ ستر ہزار فرشتے نکلتے ہیں جو اُسکی مغفرت کی دعا کرتے ہیں اور خدا اُسکی طرف متوجہ ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ نماز پڑھ چکے۔ یہ حدیث عطیہ الکوفی کی روایات میں سے ہے جو باجماع اہل علم ضعیف ہے۔ یہ ایک اور طریق سے بھی مروی ہے مگر وہ طریق بھی ضعیف ہے۔ پھر اس کے الفاظ میں کوئی حجت نہیں، کیونکہ خراپہ رسالوں کا یہ حق ہے کہ اُنکی دعا قبول کرے اور عابدوں کا یہ حق ہے کہ انھیں ثواب دے۔ اور یہ ایک ایسا حق ہے جسے باتفاق اہل علم خود اُس ذات پر ترنے اپنے اوپر واجب کیا ہے۔ اس پر بھی مفصل گفتگو ہو چکی ہے۔ یہ دعا درحقیقت اُس دعا کی مانند ہے جو تین شخصوں نے اپنے اعمال کے حوالہ سے غار میں مانگی تھی: ایک نے والدین کے ساتھ اپنی اطاعت کا حوالہ دیا، دوسرے نے اپنی کامل پارسائی کا، تیسرے نے اپنی بے داغ امانت داری کا۔ اور یہ اس بنا پر کہ خدا نے ان اعمال کا حکم دیا ہے اور ان پر ثواب دینے کا وعدہ کیا ہے۔ پس یہ چیز ویسی ہی ہو گئی جیسی خدا نے مومنین سے نقل کی ہے کہ:

اے ہمارے رب! ہم نے ایمان کے بتناؤ کی پکار سنی کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ، سو ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمارے گناہ معاف کر، ہماری برائیاں دُور کر اور نیکوں کے ساتھ ہمیں دفات دے۔	رَبَّنَا آتِنَا سِعْمًا مُمَّنًا وَيَا أَيُّهَا الرَّحْمَنُ لَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا كِبًا إِنَّ أَمْنًا وَرَيْدًا كُفْرًا مُمَّنًا رَبَّنَا نَاغُظْ لَنَا دُؤُوبَنَا وَكُفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْكَافِرِينَ (۴ : ۱۱)
---	---

اور سہ ماہ :

وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ -
 میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے
 ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں پس ہماری مغفرت
 کر اہم پر رحم کر اور تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے
 والا ہے۔ (۶: ۱۸)

اور فرمایا:

قُلْ أَكُونَتْ لَكُمْ مَخْرَجًا مِّنْ ذَٰلِكُمْ
 لِلَّذِينَ اتَّقَوْا عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي
 مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
 وَآزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ
 اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا لَعَبَدُوا -
 اَلَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا اِنَّا اٰمَنَّا
 فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَتَنَا عَذَابَ
 النَّارِ (۱۰: ۳) -
 کہدے کیا میں تمہیں اس سے بہتر کی خبر دوں؟
 جو لوگ پرہیزگار ہیں اُنکے لئے اُنکے رب کے ہاں
 جنتیں ہیں جنہیں نہریں پُری بہتی ہیں وہ اُنہیں
 ہمیشہ رہینگے اور وہاں اُن کیلئے پاک جوڑے
 ہیں اور اللہ کی خوشنودیاں ہیں
 جو کہتے ہیں اے رب ہم ایمان لائے پس ہمارے
 گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے
 بچا۔

اور جیسا کہ عبداللہ ابن مسعودؓ سحر کے وقت دعا کیا کرتے تھے کہ: اللہم
 دعوتنی فاجبت وامرتنی فاطعت وهذا سحر فاغفر لی، (اللہ! تو نے
 مجھے پکارا میں نے بتیک کسی حکم دیا اطاعت کی، یہ سحر کا وقت ہے مجھے بخش
 دے)۔

ہذا قسم دلائے کی بخت

اصل اس باب میں یہ ہے کہ خدا کو کسی مخلوق کی قسم دلانا یا کسی مخلوق کی ذات کے
 حوالہ سے دعا کرنا یا واجب ہوگا یا مستحب، حرام ہوگا یا مکروہ، اور یا مباح ہوگا کہ
 جس کا نہ حکم ہے نہ مخالفت۔ اگر کہا جائے کہ وہ واجب یا مستحب یا مباح ہے تو یا مخلوق
 میں تفریق کرنا پڑیگی اور یا کہا جائیگا کہ تمام یا بعض محترم مخلوقات کے ساتھ مشروع ہے۔

پس جو کہتا ہے کہ یہ جملہ مخلوقات کے ساتھ واجب یا مستحب یا مباح ہے تو لازم آئیگا کہ تمام جن و انس اور شیاطین کے حوالہ سے بھی دعا کرے جسے ظاہر ہے کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا۔ اور اگر کہا جائے کہ نہیں، صرف محترم مخلوقات کو ذریعہ بنانا چاہئے، مثلاً وہ مخلوقات جنکی خدا نے قسم کھائی ہے، تو اس سے لازم آئیگا کہ ”اللہ اذانیختہ“
 والنہار اذا تجلی، والذکر والانشی، اور الشمس وضحاها، والقر اذا تلاها،
 والنہار اذا جلاھا، واللیل اذا غشاھا، والسماء وما بناھا، والارض وما طھاھا،
 ونفس وما سواھا، ”سب ہی کچھ دعا میں کہہ جائے! نیز کہے ”الحسن الجوارحی
 الکفن، اور واللیل اذا عسعس، والصبح اذا تنفس۔ اور الذاریات ذروا،
 فالجارات وقرا، فالجاریات یسرا، فالمقسمات امرا۔ اور الطور، وکتاب
 مسطور، فی رق منشور، والبیت المعمور، والسقف المزفوع، والبحر المسجور،
 اور الصافات صفا، وغیرہ مخلوقات جنکی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں قسم کھائی
 ہے! حالانکہ اُس نے انکی قسم صرف اسلئے کھائی ہے کہ وہ اسکی نشانیاں اور اسکی مخلوقات
 ہیں، اسکی ربوبیت، الوہیت، وحدانیت، علم، قدرت، مشیت، رحمت، حکمت،
 عظمت، عزت پر دال ہیں، پس وہ برتر و اعلیٰ انکی قسم اسلئے کھاتا ہے کہ اس قسم میں
 خود اسکی بزرگی و عظمت ہے۔ لیکن ہم مخلوقات کیلئے از روئے نص و اجماع اُن کی
 قسم کھانا جائز نہیں۔ بلکہ ایک سے زیادہ علماء نے مخلوقات کی قسم کے ممنوع ہونے
 پر خود صحابہؓ کا اجماع نقل کیا ہے۔ بلکہ یہ شرک ہے جسکی سخت ممانعت آئی ہے۔
 مخلوقات کے ذریعہ سے دعا کرنے سے قدرتنا لازم ہے کہ ہر ذکر و انشی کا حوالہ دیا
 جائے، ”تذہیوں، بادلوں، ستاروں، سورج، چاند، رات، دن، انجیر، زیتون،
 طور سینین، بلدا میں، کعبہ، صفا، مروہ، عرفہ، مزدلفہ، منی وغیرہ سب کو واسطہ بنایا
 جائے۔ نیز اس سے لازم آئیگا کہ اُن مخلوقات کو بھی واسطہ قرار دیا جائے جنکی خدا کو

پھوڑ کر عبادت کیلگی ہے مثلاً آفتاب، مابتاب، ستارے، فرشتے، عزیر، مسیح وغیرہ مخلوقات۔

حالانکہ معلوم ہے ان مخلوقات کے واسطے سے دعا کرنا یا خدا کو انکی قسم دلانا، دین اسلام میں عظیم ترین اور بدترین بدعتوں میں سے ایک بدعت ہے اور اسکی بُرائی ہر خاص و عام پر ظاہر ہے۔ نیز اس طرح کی دعوے لازم آئیگا کہ خدا کو ان مستروں جنستروں کی بھی قسم دلائی جائے جنھیں عامل اور جانڈو گر گندووں اور تعویذوں میں لکھتے ہیں۔ بلکہ اس صورت میں کہا جائیگا کہ اگر خدا کو ان چیزوں کی قسم دلانا جائز ٹوٹکے، جنتر منتر اور جتنوں کو جنھیں دلائی جاتی ہیں سب کی سب اسلام میں مشروع ہوں، حالانکہ یہ قول کفر کو مستلزم اور اپنے قائل کو اسلام بلکہ جملہ انبیاء کے دینوں سے خارج کر دینے والا ہے۔

اگر کوئی کہے کہ تمام محترم مخلوقات نہیں بلکہ بعض کے ذریعہ میں دعا مانگوں گا یا خدا کو انکی قسم دلاؤں گا، مثلاً صرف انبیاء کی یا صرف کسی ایک نبی کی، جیسا کہ بعض نے صرف انبیاء و صالحین کی قسم جائز بتائی ہے۔ تو جواب میں کہا جائیگا کہ یہ بعض مخلوقات اگرچہ سب سے افضل ہوں مگر پھر بھی اس بات میں تو برا برس ہیں کہ کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا جائے۔ یعنی اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا نہ کسی کی عبادت ہونی چاہئے، نہ کسی پر توکل ہونا چاہئے، نہ کسی سے ڈرنا چاہئے، نہ کسی کیلئے روزہ رکھنا چاہئے، نہ کسی کو سجدہ کرنا چاہئے، نہ کسی کی طرف رغبت ہونی چاہئے اور نہ کسی کی قسم کھانی چاہئے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: ”مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِحَصَّت“ (جسے قسم کھانا ہو خدا کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے) اور فرمایا: ”لَا تَحْلِفُوا إِلَّا بِاللَّهِ“ (خدا کے سوا کسی کی قسم کھاؤ) اور سنن میں ہے کہ فرمایا: ”مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ أَشْرَكَ“ (جس نے خدا کے سوا

کسی کی قسم کھائی، شرک کا مرتکب ہو گیا، پس نصوص صحیحہ و صریحہ سے ثابت ہے کہ کسی مخلوق کی بھی قسم کھانا جائز نہیں، اس میں کوئی استثنائیں نہ ملائکہ کا نہ انبیاء کا نہ صالحین کا نہ کسی خاص نبی یا ولی کا۔

اور یہ اس وجہ سے کہ خدا نے شرک کے باب میں جملہ مخلوقات کو ایک درجہ میں رکھا ہے اور انہیں ادنیٰ و اعلیٰ کی تفریق نہیں کی کہ اس مخلوق کو شریک بنانا روا ہے اور اس کو ناروا۔ فرمایا :

شرک میں کوئی استثنائیں

کسی بشر کی یہ شان نہیں کہ خدا سے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ، لیکن یہ کہیگا کہ ربانی نبی کیونکہ تم کتاب سیکھاتے اور پڑھتے تھے، اور نہ تمہیں اس بات کا حکم دیگا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو رب بناؤ، کیا اسلام کے بعد تمہیں کفر کا حکم دیگا ؟

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَ وَالنَّبِيَّةَ شَقًّا يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ - (۱۶: ۳)

اور فرمایا :

کہہ دے کہ انہیں پکارو جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر خیال کئے بیٹھے ہو، وہ نہ مفسرت کو تم سے علم حاصل کر سکتے ہیں اور نہ بدل سکتے ہیں وہ خود ہی خدا تک وسیلہ چاہتے ہیں کہ انہیں سے کون زیاد مقرب ہے اور اس کی رحمت کی امید کرتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں ۔۔۔۔۔۔

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَ اللَّهِ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا - (۶: ۱۵)

بعض علما رسل کا قول ہے کہ بعض تو میں مسیح، عزیبر اور ملائکہ کو پکارا کرتی تھیں،
اس پر خدا نے فرمایا یہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو، میرے بندے ہیں، میری رحمت کے امیدوار
اور میرے عذاب سے لرزاں دترساں ہیں، تمہاری ہی طرح وہ بھی مجھ سے ڈرتے اور
قربت چاہتے ہیں۔ فرمایا :

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ الَّذِي يَتَقَاتِلُ فِي سَبِيلِهِ فَاُولَٰئِكَ هُمُ الْغَائِبُونَ
جس نے خدا کی اور اس کے رسول کی اطاعت کی اور
جو خدا سے ڈرا تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔
(۱۸ : ۱۳)

یعنی اطاعت اللہ اور رسول دونوں کیلئے ہے، اور رسول کی اطاعت اللہ کی
اطاعت ہے، لیکن خشیت و تقویٰ صرف اسی ذات واحد کیلئے ہے جس میں کوئی شریک
نہیں، حتیٰ کہ رسول بھی نہیں۔ فرمایا :

وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ
اگر وہ اللہ اور رسول کے دئے ہوئے پر راضی
ہو جاتے اور کہتے خدا ہمارے لئے کافی ہے،
ہمیں عقیب اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول
اُردیگا، ہم اللہ ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔
(۱۰ : ۱۳)

اس میں واضح کیا کہ انہیں مناسب تھا کہ اللہ اور رسول کے دئے ہوئے پر راضی
ہو جاتے اور کہتے ”حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ
رَاغِبُونَ“ (۱۰ : ۱۳) اس میں اللہ اور رسول کے دین پر رضامندی کا ذکر کیا ہے،
کیونکہ رسول ہی ہمارے اور خدا کے مابین واسطہ ہے جس کے ذریعہ ہمیں اس کا امر و نہی
تحلیل و تحریم، وعدہ و وعید کا حال معلوم ہوتا ہے، پس حلال و ہی ہے جسے اللہ اور
اس کے رسول نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے
حرام ٹھہرایا ہے اور دین وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ اسی لئے

فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا
نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا - (۲۸: ۲)

جو کچھ رسولؐ نے دیا ہے لیں اور جس سے منع
کیا ہے اُس سے باز رہو -

بنابرین کسی کیلئے جائز نہیں کہ اُس مال کے سوا کسی مال کو ہاتھ لگائے جو اللہ اور
اُسکے رسولؐ نے حلال کیا ہے، نیز مشترک مال مثل فیئ و غنیمت و صدقات میں اُسے
پر قناعت کرے جتنا اللہ اور رسولؐ نے دیدیا ہے کیونکہ بس وہی اُسکا حق تھا از یادہ
طلب نہیں کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا ”وَمَا كُودَا حَسْبُنَا اللَّهُ“ اِس میں یہ نہیں کہا ”در رسولؐ“
(یعنی اللہ اور رسولؐ ہمارے لئے کافی ہے) کیونکہ ”حسب“ کے معنی ہیں ”کافی“ اور
کافی صرف اللہ ہی ہے جسے اپنے بند و نکو ماسوا سے مستغنی کر دیا ہے، جیسا کہ فرمایا:
يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ
اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ - (۱۰: ۲)

اے نبیؐ تیرے اور تیرے پیرو مومنین کے لئے
اللہ کافی ہے -

یعنی وہی تنہا تیرے اور تیرے پیرو مومنوں کیلئے کافی ہے۔ پس جو کوئی رسولؐ
کی پیروی کرتا ہے، اللہ اُسکے لئے کافی ہوتا ہے، ہادی ہوتا ہے، ناصر ہوتا ہے،
رازق ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَدَّرَسُولُهُ“ (۱۰: ۱۳)
اِس میں عطا کو اللہ اور رسولؐ دونوں کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ”فضل“ کا لفظ
درمیان میں لا کر دونوں میں فصل کر دیا ہے کیونکہ اصلی فضل صرف اللہ ہی کا ہے۔ پھر فرمایا
”إِنَّا إِلَى اللَّهِ دَاخِعُونَ“ اِس میں رغبت صرف اللہ ہی کی طرف رکھی ہے، رسولؐ اور کسی
مخلوق کو بھی اِس میں اُسکا ساتھی قرار نہیں دیا -

پس واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی ممانعت میں تمام مخلوقات کو یکساں قرار
دیا ہے اور کسی مخلوق کے حق میں بھی عام اس سے کہ پیغمبر ہو یا فرشتہ روا نہیں رکھا کہ
اُسکی قسم کھائی جائے، اُسپر توکل کیا جائے، اُسکی طرف رغبت رکھی جائے، اُس سے

ڈرا جائے، اُس سے بچا جائے۔ فرمایا :

قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ دَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ
اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِشْقَالَ ذَرَّةٍ فِي
السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهَا
مِنْ نِزْلٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِنْ ظَهِيرٍ
وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَكَ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ
لَهُ - (۹ : ۲۲)

کہے کہ انہیں پکارو جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر
سمجھے بیٹھے ہو، وہ نہ آسمانوں میں نہ زمین میں
ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں، نہ انکی اُن میں
کوئی شرکت ہے اور نہ انہیں سے کوئی خدا کا
پشت پناہ ہے، خدا کے حضور کسی کی شفاعت
کام نہ دیگی مگر اُس کی جسے اُس نے اجازت دی

اس میں خدا نے اُن لوگوں کو دھمکایا ہے جو غیر اللہ سے سوال کرتے ہیں، اور ظاہر
کیا ہے کہ خدا کی حکومت کے پہلو بہ پہلو نہ انکی کوئی حکومت ہے اور نہ اسکی حکومت
میں انکی کچھ شرکت ہے، اور یہ کہ مخلوقات میں نہ کوئی اُسکا مددگار ہے نہ پشت پناہ۔
اس طرح اللہ تعالیٰ نے ماسوا سے دلوں کا رشتہ بالکل کاٹ دیا ہے، نہ رغبت جائز رکھی
ہے نہ رعبت، نہ عبادت، نہ استعانت، غرض کوئی ایسی چیز باقی نہیں رکھی جس میں شرک
کا ادنیٰ شائبہ بھی موجود ہو، ہاں ایک شفاعت رکھی ہے مگر اُسکے بارے میں بھی صاف
فرما دیا ہے :

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَكَ إِلَّا لِمَنْ
أَذِنَ لَهُ - (۹ : ۲۲)

اُسکے ہاں کسی کی شفاعت کام نہ دیگی مگر اُسکی
جسے اجازت دی جائیگی۔

سریطح احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ قیامت میں جب مخلوق شفاعت کے لئے
آدمؑ اور دوسرے اولو العزم رسولوں : نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ (علیہم السلام)
کے پاس آئیگی تو انہیں سے ہر ایک اپنے بعد والے کے پاس بھیج دے گا یہاں تک
کہ حضرت عیسیٰ کہیں گے ”محمدؐ کے پاس جاؤ جسکے اگلے پچھلے گناہ خدا معاف کر چکا ہے“
نبی صلعم نے فرمایا ”چنانچہ مخلوق میرے پاس آئیگی، میں اپنے رب کے پاس جاؤں گا“

اور جوں ہی اُسے دیکھونگا مُنہ کے بل سجدہ میں گر پڑونگا اور اُسکی ستائش کرونگا، یہ ستائش اسوقت مجھے نہیں آتی، اُسیوقت مجھ پر کھولی جائیگی، پھر کہا جائیگا، اے محمد! سر اٹھا اور کہہ، سنا جائیگا، مانگ، دیا جائیگا، شفاعت کر، قبول کی جائیگی۔ فرمایا ”چنانچہ میرے لئے ایک حد مقرر کر دی جائیگی اور میں اُس حد کے اندر کے لوگوں کو جنت میں داخل کرونگا، اَلَمْ“ اس سے واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ، محمد (صلعم) کو شافعِ اِسلَمے بتائیگے کہ وہ ایک ایسا بندہ ہے جسکے اگلے پیچھے گناہ خدا نے معاف کر دئے ہیں، پھر خود محمد عبداللہ و رسول نے باوجود فضلتِ ترین مخلوق، معزز ترین شفیع، اور خدا کی نظر میں بزرگ ترین بندہ ہونے کے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ درگاہِ خداوندی میں سجدہ کریں گے اور اپنے رب کی ستائش میں رطب اللسان ہونگے، لیکن شفاعت کے لئے اسوقت تک زبان نہ کھولیں گے جتنا کہ اُسکی جناب سے اجازت نہ دی جائے کہ ”سر اٹھا، مانگ، دیا جائیگا، شفاعت کر قبول کی جائیگی“ پھر تصریح فرمادی پڑونگا آپ کیلئے ایک حد مقرر کر دیگا جسکے اندر کے لوگوں کو آپ جنت میں داخل کریں گے۔ پس یہ چیز (شفاعت) بھی اُسی کی مشیت و قدرت و مرضی پر موقوف ہے کوئی بھی بغیر اُسکی رضا و اذن کے زبان نہیں ہلا سکتا، کیونکہ معزز ترین شفیع اور بزرگ ترین مخلوق (جسکی شفاعت سنی جائیگی) وہی ہے جسے اُس نے اسکی کمالِ عبودیت، عظمت، انابت اور اپنے رب کی پسند و مرضی پر چلنے کی وجہ سے سب پر ترجیح دی، پسند کیا اور چُن لیا ہے۔

پس جب خیر اللہ کی قسم، اُسکی طرف رجوع و رغبت، اُس سے خوف و خشیت وغیرہ وہ احکام ہیں جو تمام مخلوقات کیلئے عام ہیں تو کسی مخلوق کے حق میں بھی جائز نہ ہوگا کہ اُسکی قسم کھائی جائے، اُس سے ڈرا جائے، اُسپر توکل کیا جائے، اگرچہ وہ مخلوق کتنی ہی افضل ہو۔ اس کے مستحق جب فرشتے اور پیغمبر نہیں تو مشائخ و صالحین کب

ہو سکتے ہیں ؟

غرض اُن مخلوقات کے حوالہ سے دعا : جنکی خدا نے قسم کھائی اور جنہیں بزرگی دی ہے، اگر جائز ہے تو اُن سب کے حوالہ سے جائز ہوگی، اور اگر جائز نہیں تو کسی کے بھی حوالہ سے جائز نہ ہوگی۔ رہی محترم مخلوقات میں تفریق کہ اُنکے حوالہ سے دعا کرینگے اور اُنکے حوالہ سے نہیں، سو ویسی ہی تفریق ہے جیسی بعضوں نے قسم کے حوالہ میں کی ہے کہ اس مخلوق کی قسم کھانا جائز ہے اور اسکی نہیں۔ حالانکہ دونوں تفریقیں باطل اور بے بنیاد ہیں۔ اسطرح اگر یہ تفریق کی جائے کہ جن مخلوقات پر ایمان لانا ضروری ہے اُنکی قسم کھائی جائیگی اور اُن کے واسطہ سے دعا کی جائیگی اور جن پر ایمان لانا ضروری نہیں نہ اُنکی قسم کھائی جائیگی نہ اُنکے واسطہ سے دعا کی جائیگی، تو اس صورت میں بھی کہا جائیگا کہ کیا ملائکہ، انبیاء، مفکر، تکبر، جنت کی عورت و عثمان وغیرہ تمام چیزوں کی قسم کھاؤ گے اور اُنکے واسطہ سے دعا کرو گے کیونکہ ان پر بلکہ اُن تمام چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے جنکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے ؟

نہیں اس طرح کی کوئی تفریق نہ دعائیں ہو سکتی ہے نہ قسم میں۔ یہ سب ناجائز ہے جیسا کہ بہت سے علماء نے تصریح کر دی ہے۔ واللہ اعلم

رہی آیت :

وَكَا تُوَامِن قَبْلَ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا - (۱ : ۱۱)

اس سے پہلے کافروں پر فتوح طلب کرتے تھے۔

تو اسکی تشریح یہ ہے کہ یہودی مشرکین سے کہا کرتے تھے کہ ”غفریب خدا ایک نبی پیدا کریگا، ہم اُسکے ساتھ ہو کر تم سے لڑینگے اور تمہیں مارینگے“ یہ نہیں تھا کہ وہ خدا کو اپنی ذہن کی قسم دلاتے یا آپ کے حوالہ سے دعا کرتے ہوں، بلکہ یہ کہتے تھے کہ ”اے خدا! اس نبی اُمی کو بھیج تاکہ ہم اُسکی پیروی کریں اور اُسکے ساتھ ہو کر ان مشرکین کو قتل

کریں، "مفسرین کے نزدیک یہی بات ثابت ہے اور اسی پر قرآن بھی دلالت کرتا ہے فرمایا: وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْهِحُونَ "استفحاح کے معنی ہیں "استنصار" یعنی فتح و نصرت طلب کرنا۔ آپ کے ذریعہ فتح و نصرت طلب کرنے کا مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ آپ مبعوث ہوں، آپ کا ساتھ دیں اور فتحیاب ہوں، نہ یہ کہ خدا کو آپ کی قسمیں دلائیں اور آپ کی ذات کے حوالہ سے بیٹھے دعائیں کرتے رہیں۔ کیونکہ اگر صورت حال یہ ہوتی تو یہودی جب کبھی اس طرح دعا کرتے یا قسم دلاتے تو فتحیاب ہو جاتے، حالانکہ واقعہ اسکے خلاف ہے، بلکہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی صلعم کو مبعوث کیا تو جو آپ پر ایمان لائے اور آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوئے وہی بحکم الہی مخالفوں پر غالب و فتح مند ہوئے۔

اور بعض مفسرین نے جو یہ بیان کیا ہے کہ یہودی آپ کی قسم دلاتے یا آپ کے حوالہ سے دعا کرتے تھے تو ایک بالکل شاذ قول ہے، اور کثیر و مشہور روایات کے قطعاً خلاف ہے جنہیں سے بعض کو ہم "دلائل نبوت" اور "کتاب الاستعانہ" میں ذکر کر چکے ہیں، نیز کتب سیر و تفسیر بھی ان سے لبریز ہیں۔ چنانچہ ابو العالیہ وغیرہ کی روایت ہے کہ یہودی جب محمد صلعم کے ذریعہ مشرکین پر فتح کی دعا کرتے تو یوں کہتے تھے:

اللھم ابعت هذا النبی الذی نجدہ مکتوبا عندنا حتی تغلب المشرکین و تقتلھم (خدا یا اس نبی کو بھیج کہ جسے ہم اپنے ہاں لکھا پاتے ہیں، تاکہ مشرکین پر غالب آئیں اور انھیں قتل کریں) لیکن جب آپ مبعوث ہوئے اور انھوں نے دیکھا کہ آپ انکے ہم قوم نہیں ہیں تو عربوں سے حسد کے سبب منکر ہو گئے، حالانکہ خوب جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا لَأَكْفُرُوا بِهِ فَلََعْنَهُ | مگر جب انکے پاس آیا تو انھوں نے اُسے نہ پہچانا بلکہ
اللہ علی انکافیرین - (۱: ۱۱) | اسکے منکر ہو گئے، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

محمد بن اسحاقؒ نے عاصم بن عمر بن قتادہ انصاریؒ کے واسطے سے اُن کی قوم کے لوگوں سے روایت کی ہے کہ ”خدا کی رحمت و ہدایت کے ساتھ منجملہ اور باتوں کے جن بات نے ہمیں اسلام کی طرف راغب کیا، یہ تھی کہ ہم مشرک اور بت پرست تھے اور یہودی اہل کتاب اور ہم سے زیادہ اہل علم تھے، ہمارے اُنکے درمیان برابر دشمنی چلی جاتی تھی جب کبھی ہم انھیں نیچا دکھاتے تو وہ ہم سے کہا کرتے تھے ”یاد رکھو! ایک نبیؐ کے ظہور کا زمانہ قریب آگیا، وہ آتا ہے، ہم اُس کے ساتھ ہونگے اور تمہیں عاد و ثمود کی طرح قتل کر دیں گے!“ ہم اُن سے اکثر یہ سنا کرتے تھے، چنانچہ جب اللہ نے محمدؐ کو اپنا خاص رسول بنا کر بھیجا اور اُس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تو ہم نے فوراً التبتیک کہی کیونکہ ہم جان گئے کہ یہودی ہمیں اسی نبیؐ کے گھمنڈ پر ڈرایا کرتے تھے، چنانچہ ہم نے پیشقدمی کی اور ایمان سے شاد کام ہوئے، مگر خود انھوں نے کفر کیا، سورہ بقرہ کی یہ آیتیں ہمارے اور اُنکے حق میں نازل ہوئی ہیں :

اور جب اُنکے پاس خدا کے اُن سے ایک کتاب آئی جو اُنکی کتاب کی تصدیق کرتی ہے، اور اس سے پہلے وہ کافروں پر فتح چاہا کرتے تھے، مگر جب اُنکے پاس وہ آیا تو انھوں نے اُسے نہ جانا (بلکہ) اسکے منکر ہو گئے، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔	وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا، فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ، فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ - (۱۱ : ۱)
---	--

نیز ابن ابی حاتم وغیرہ (جنھوں نے معتزین سلف کے اقوال جمع کئے ہیں) بجز اس طرح کی روایتوں کے اور کچھ ذکر نہیں کرتے، سلف میں سے کسی ایک شخص شے بھی مروی نہیں کہ یہودی آپ کی ذات کے حوالہ سے دعا کرتے تھے، بلکہ سب نے یہی بیان کیا ہے کہ وہ مشرکین سے کہا کرتے تھے یا خدا سے دعا کرتے تھے کہ آپؐ کو جلد

مبعوث کرے چنانچہ ابن ابی حاتم نے ابن عباسؓ سے آیت : وَكَاذِبٌ مِّنْ قَبْلِ سُلَيْمٰنَ
عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ وہ فتح چاہا کرتے تھے، کہتے تھے
 ”محمدؐ پیدا ہونگے، ہم انکے مددگار ہونگے اور مشرکوں کو مارینگے حالانکہ وہ جھوٹے تھے
 انھوں نے ذرا بھی مدد نہ کی۔“ نیز اسی آیت کی تفسیر میں معمر بن قنَادہ سے روایت کیا ہے
 کہ یہودی کہا کرتے تھے عنقریب ایک نبی آئیگا۔ مگر ”فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا
 بِهِ“ جب وہ آگیا تو انھوں نے اُسے نہ پہچانا بلکہ اُسکے منکر ہو گئے۔“ نیز بواسطہ
 ابن اسحاقؓ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ بعثت سے پہلے یہودی اوس دخرنج
 پر رسول اللہ صلم کے حوالہ سے فتح طلب کیا کرتے تھے، مگر جب خدا نے آپ کو عرب
 میں مبعوث کیا تو منکر ہوئے اور جان بوجھ کر اپنے قول سے پھر گئے، اس پر معاذ
 بن جبل، بشر بن البراء بن معرور اور داؤد بن سلمہؓ نے جاکر کہا کہ اے قوم یہود! خدا
 سے ڈرو اور اسلام لے آؤ، ہم مشرک تھے اور تم محمدؐ کے ذریعہ ہم پر غلبہ چاہا کرتے تھے
 ہم سے کہتے تھے کہ وہ عنقریب پیدا ہوگا اور اُس کی علامتیں بیان کیا کرتے تھے۔
 اسپر سلام بن شکم نصیری نے کہا ”محمدؐ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم جانتے ہوں
 وہ نہیں ہیں جسکا ذکر ہم تم سے کیا کرتے تھے۔“ اسپر آیت نازل ہوئی : وَلَمَّا
جَاءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِندِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ دُكُوْا مِنْ قَبْلُ
يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهِ
فَلَمَّسَهُ اللّٰهُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ، نیز ربیع بن انس عن ابی العالیہ سے روایت
 کیا ہے کہ یہودی محمد صلم کے ذریعہ مشرکین عرب پر نصرت چاہا کرتے تھے چنانچہ کہتے
 تھے ”اے خدا! اُس نبی کو بھیج جسے ہم اپنی کتابوں میں لکھا پاتے ہیں تاکہ ہم مشرکین
 کو ستائیں اور ماریں“ لیکن جب خدا نے محمدؐ کو بھیجا اور انھوں نے دیکھا کہ غیر قوم سے
 ہیں تو عربوں سے حسد کی وجہ سے اس نبیؐ سے منکر ہو گئے حالانکہ خوب جانتے تھے

کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر خدا نے فرمایا: فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۴

رہی وہ حدیث جو عبد الملک بن ہارون بن عنترہ عن ابیہ عن سعید بن جبیر عن ابن عباسؓ روایت کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ خیبر کے یہودیوں اور قبیلہ غطفان میں لڑائی ہوئی، جب کبھی مقابلہ ہوتا یہودیوں کو شکست ہوتی، آخر انھوں نے اس دعا کے دامن میں پناہ لی کہ ”اللہم انا نسألك بحق محمد النبی الامی الذی وعدتنا

ان تخرجہ لنا آخر الزمان الا نصرتنا علیہم“ (اے خدا ہم تجھ سے اُس محمدؐ نبی امی کے حق کا واسطہ دیکر دعا کرتے ہیں جسے تو نے ہمارے لئے آخر زمان میں بھیجنے کا وعدہ کیا ہے کہ تو ہمیں ان کافروں پر غالب کر دے) چنانچہ وہ جب یہ دعا کرتے غطفان کو پیچھے دھکیل دیتے، لیکن جب نبی صلم مبعوث ہوئے تو منکر ہو گئے، اس پر آیت اتری: وَكَا نُؤَامِنُ قَبْلَ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا، فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۵۔ یہ حدیث حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں روایت کر کے لکھا ہے کہ ضرورت نے ہیں اسکی تخریج پر مجبور کیا ہے۔ یہ حدیث بھی منجملہ اُن حدیثوں کے ہے جنکی وجہ سے علما نے حاکم پر گرفت کی ہے کیونکہ اسکا راوی عبد الملک ضعیف ترین شخص ہے اور اہل علم کے نزدیک متروک، بلکہ کذاب ہے۔ اس سے پہلے یحییٰ بن معین وغیرہ ائمہ کی رائے اُسکے حق میں بیان ہو چکی ہے۔

اس حدیث کے بطلان کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ باتفاق اہل تفسیر و سیر آیت: وَكَا نُؤَامِنُ قَبْلَ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۶ سب سے پہلے اُن یہودیوں کے حق میں نازل ہوئی جو واردِ مدینہ میں تھے مثل بنی قینقاع و بنی قریظہ و بنی نضیر۔ انھیں لوگوں نے اوس و خزرج سے اتحاد قائم کیا تھا اور پھر انھیں نے نبی صلم سے ہجرت کے بعد معاہدہ کیا تھا کہ جسے خود ہی توڑ بھی دیا اور تباہ و برباد ہوئے۔

چنانچہ سب سے پہلے آپ نے بنی قینقاع پر دھاد کیا پھر بنی نصیر پر یورش کی کہ جنکے بارے میں سورہ حشر نازل ہوئی ہے، پھر جنگ خندق کے بعد ہی بنی قریظہ پر یلغار کی۔ بنا بریں کیونکہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ آیت یہودِ خیبر اور بنی غطفان کے حق میں نازل ہوئی ہے؟ یہ کسی ایسے جاہل کا جھوٹ ہے جو اچھی طرح دروغ بانی بھی نہ کر سکا۔ پھر اس روایت میں کہا گیا ہے کہ یہودوں نے جب یہ دعا کی تو غالب ہو گئے۔ حالانکہ یہ بھی سراسر جھوٹ ہے اور بجز اس کذاب کے کسی نے بھی اُن کی فتنہ دہی کی روایت نہیں کی ہے، حالانکہ اگر کبھی ایسا ہوا ہوتا تو بہت سے ثقہ راوی نقل کرتے۔

پھر یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس طرح کی روایت، اگرچہ اس سے آپ کی ذات کے حوالہ سے دعایا خدا کو آپ کی قسم دلانا ظاہر ہو، ہرگز کسی شرعی حکم کی بنیاد نہیں بن سکتی، کیونکہ اوّل تو وہ خود ہی ثابت نہیں، پھر آیت میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس سے اسکی تائید کی جُو بھی آتی ہو، لیکن اگر وہ کسی طرح ثابت بھی ہو جائے تو بھی ضروری نہیں کہ ہمارے لئے شریعت ہو۔ کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جو اگلی قوموں کیلئے جائز تھیں مگر ہمارے لئے ناجائز ہیں، مثلاً خود اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں نے انھیں سجدہ کیا تھا اور یہ کہ زبردستوں نے اہل کعبہ کے بارے میں کہا کہ ”لَتَجِدَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا“ (ہم اُن پر ضرور مسجد بنائیں گے)۔ لیکن ہم مسلمانوں کو ان دونوں باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ آیت میں تو صرف اس قدر ہے کہ وہ کفار پرستج پا کر قتل تھے مگر جب آپ مبعوث ہوئے تو نہ پہچانا اور نہ ہو گئے۔ اس آیت میں ”استفتح“ کے جو معنی ہیں وہی دوسری آیت: ”اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ“ (اگر فتح مانگتے ہو تو لو فتح آگئی) میں بھی ہیں، اور ظاہر ہے استفتاح کے معنی طلب فتح و نصرت کے سوا

اور کچھ ہو نہیں سکتے۔ اسی معنی میں یہ حدیث ماثور بھی ہے کہ نبی صلعم فقرا و ما جریں
یعنی انکی دعا کے ذریعہ فتح طلب کیا کرتے تھے جیسا کہ خود تصریح فرمادی ”وہل

تَرْزُقُونَ دَتَنْصَرُونَ اَلَا بَضْعًا شَكْمًا بَصَلًا تَهْمُ وَدَعَا تَهْمُ دَاخِلًا صَهْمُ“ (تمہیں
رزق و نصرت صرف اپنے لاپچاروں یعنی انکی ناز، دعا اور اخلاص ہی کی وجہ سے حاصل
ہوتی ہے) آیت کا مطلب صرف یہ ہو سکتا ہے کہ یہودی خدا سے دعا کیا کرتے تھے
کہ نبی آخر الزمان کے ذریعہ انھیں فتحیاب کرے یعنی جلد اُس نبی کو بھیجے تاکہ اُسکے
واسطے سے کفار پر غلبہ حاصل کریں۔ نہ یہ کہ وہ خدا کو اُسی نبی کی قیسیں دلاتے یا اُس
کے صدقہ میں مرادیں مانگتے تھے۔ اسی لئے فرمایا: فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَّكَاءَ عَرَفُوا

كُفَرُوا بِهٖ فَكَلَعْنَهُ اللّٰهُ عَلٰی اَنۡكَافِرُوۡنَ۔ اگر یہ معنی احادیث و آثار سے نہ بھی
ثابت ہوتے تو بھی کسی کیلئے جائز نہ تھا کہ آیت کو اُس مختلف فیہ معنی پر بلا دلیل
محمول کرے کیونکہ خود آیت میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جو اُس پر دلالت کرتی
ہو۔ پھر یہ کیونکر روا ہو سکتا ہے خصوصاً جبکہ اس بارے میں احادیث و آثار
وارد ہیں ؟

راہِ اس روایت میں یہودیوں کی فحشندی کا افسانہ تو ہم بیان کر آئے ہیں کہ
بالکل غیر معروف ہے۔ کیونکہ یہودیوں کے متعلق یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انھوں نے
عربوں کو کبھی بھی نیچا دکھایا ہو بلکہ ہمیشہ خود ہی مغلوب ہو کر تے تھے۔ یہی وجہ
ہے کہ اُن کے مختلف قبیلے عرب کے مختلف قبیلوں سے اتحاد کر کے جتھے بناتے
تھے، چنانچہ بنی قریظہ قبیلہ اُس کے جتھے میں تھے اور بنو النضیر خزرج کے۔

پھر خود قرآن میں انکی مغلوبیت و خواری کی شہادت موجود ہے۔ فرمایا :

مُتَرَبِّتٌ عَلَيْهِمُ الدِّیْلَةُ اَیْمًا تُقْفَدُ | جہاں کہیں بھی پائے جائیں اُن پر ذلت کی مار
اَلَا یَحْجِبِلُّ مِنَ اللّٰهِ وَحَبْلِ مِنْ | پڑی ہے، الا یہ کہ اللہ کے عہد میں ہوں اور

النَّاسِ ذَبَابًا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ذُصِّرَتْ
عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۖ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَفَرُوا
بِالْكِتَابِ الَّذِي بَاعُوا بِحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا
وَكَانُوا يَعْتَدُونَ (۴ : ۳)

لوگوں کے ہمہیں اور غضب الہی کے مورد ہوئے
اور اُن پر بے چارگی کی مار پڑی یہ اسلئے کہ وہ
آیات الہی سے کفر کرتے اور انبیاء کو ناحق قتل
کرتے تھے یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور یادتی
کرتے تھے۔

پس چونکہ یہودیوں پر ذلت و خواری کی ٹہر لگ چکی تھی اس لئے وہ تنہا نہ
عربوں سے آگے بڑھ سکتے تھے نہ کسی اور سے بلکہ ہمیشہ اپنے حلیوں کی پناہ میں
جنگ کیا کرتے تھے۔ اُن پر ذلت کی مار اسوقت سے پڑی ہے جب اُنھوں نے
حضرت مسیح کی تکذیب کی۔ فرمایا :

يَا عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ قُمْ مَعَنَا وَارْفَعْنَا
إِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ
جَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ
كَفَرُوا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۳ : ۱۴)

اے عیسیٰ میں تجھے وفات دینے والا اپنی طرف
اٹھالینے والا، کافروں سے تجھے پاک کرنے
والا، اور تیرے پیروؤں کو تیرے منکروں پر
قیامت تک کیلئے بالا کرنے والا ہوں۔

اور فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ
اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى بْنُ مَرْيَمَ لِحَوَارِيِّينَ
مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ؟ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ
نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ، فَأَمْنَتْ طَائِفَةٌ
مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ
فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ
فَصَبَحُوا ظَاهِرِينَ - (۲۸ : ۱۰)

اے ایمان والو! اللہ کے انصار بنو جیسا کہ عیسیٰ
بن مریمؑ نے حواریوں سے کہا: اللہ کی راہ میں
میری نصرت کون کر نیوالا ہے؟ حواریوں نے
کہا ہم اللہ کے انصار ہیں، چنانچہ بنی اسرائیل
میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ منکر
ہو گیا، مگر ہم نے مومنوں کی اُنکے دشمنوں کے
مقابلہ میں تائید کی اور وہ غالب آ گئے۔

کرتے تھے خدا نے اس سے منع کیا اور خبر دی ہے کہ یہ لوگ بھی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اُسکے عذاب سے ڈرتے ہیں، اُس سے تقرب چاہتے ہیں، اور یہ کہ وہ دعا کر نبیوں سے مہفرت کو نہ بٹھا سکتے ہیں نہ دور کر سکتے ہیں۔ اور فرمایا :

کسی بشر کیلئے یہ سزاوار نہیں کہ خدا تو اُسے کتاب و حکم و نبوت بخشے مگر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ، بلکہ یہ کہیگا کہ کتاب کے درس و تعلیم کی بنا پر ربانی بنو، اور وہ تمہیں حکم نہیں دیگا کہ ملائکہ و انبیاء کو رب بناؤ، کیا اسلام کے بعد وہ تمہیں کفر کا حکم دیگا؟	مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ يَا مَرْكُومَ أَنْ تَتَّخِذَ الْمَلَائِكَةَ وَالتَّيِّبِينَ أَرْبَابًا يَا مَرْكُومَ يَا كُفْرٍ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (۱۶: ۳)
---	--

اسی لئے نبی صلعم نے سخت ممانعت فرمادی کہ آپکی قبر نہ مسجد قرار دی جائے نہ زیارت گاہ بنائی جائے۔ چنانچہ مرض الموت میں فرمایا : لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبورا نبياءهم مساجد (يخذوا صنعوا) (یہود و نصاریٰ پر لعنت کہ انھوں نے اپنے انبیاء کی قبر و نکو مسجد ٹھہرا لیا ر اپنے ایسا کرنے سے ڈرایا ہے) اور فرمایا : اللهم لا تجعل قبري وثنا يعبد، اشد غضب الله على قوم اتخذوا قبورا نبياءهم مساجد (مؤطا) (خدا یا میری قبر کو بت نہ کیجیو کہ جسکی پوجا کی جائے، اُن لوگوں پر خدا نہایت غضبناک ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبر و نکو مسجد قرار دے لیا ہے) اور فرمایا : لا تطروني كما اطرت النصارى عيسى بن مريم انا عبد فقولوا عبد الله ورسوله (متفق عليه) (میری ویسی تعریف نہ کرو جیسی نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی کی ہے، میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس مجھے

خدا کا بندہ اور اس کا رسول کہو) اور فرمایا: لا تقولوا ما شاء الله و شاء محمد، بل: ما شاء الله ثم شاء محمد، ”یہ نہ کہو کہ جو اللہ اور محمد چاہے، بلکہ یوں کہو جو اللہ چاہے اور پھر (اللہ کے بعد) جو محمد چاہے۔“ ایک یڈو نے آپ کے کہا ”ما شاء الله و شدت“ (جو اللہ چاہے اور تو چاہے) اس پر آپ نے فرمایا: اجعلتني الله ندا؟ بل ما شاء الله وحده“ (کیا مجھے خدا کا برابری بنا تا ہے؟ بلکہ یہ کہہ کر جو تنہا خدا چاہے) اور خدا نے آپ کو یہ اعلان کر دینے کا حکم دیا:

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ، وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْرَمْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنُو السُّوءِ ۝ (۹: ۱۳)	اے رسول کہدے کہ میں اپنی ذات کیلئے ذرا بھی نفع نقصان کی اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہے اور یہ کہ اگر میں علم غیب جانتا ہوتا تو اپنا بہت کچھ نفع کر لیتا اور مجھے نقصان نہ پہنچتا۔
--	---

اور:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۝ (۹: ۲۰)	تو جسے چاہتا ہے ہدایت نہیں کرنے کا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔
---	---

اور:

كَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۝ (۴: ۴)	مجھے کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔
---	-------------------------------------

یہ ہے کامل توحید! حالانکہ آپ خدا کی نظر میں افضل ترین مخلوق اور سب سے بلند پایہ انسان ہیں۔

طبرانی نے ”معجم کبیر“ میں روایت کی ہے کہ ایک منافق مؤمنین کو ستایا کرتا تھا، حضرت ابو بکر الصديقؓ نے کہا ”چلو اس منافق سے رسول اللہؐ کی پناہ مانگیں“ آپؐ نے فرمایا ”انہ لا یستغاث بى حائما یستغاث باللہ“ (مجھ سے پناہ نہیں حاصل کی جاسکتی بلکہ صرف اللہ سے پناہ حاصل کی جاسکتی ہے) صحیح مسلم میں ہے کہ وہ فنا

سے صرف پانچ دن پہلے فرمایا ”ان من کان قبلکھ کانوا یتخذون القبور مساجد“
 الا فلا تتخذوا القبور مساجد فانی انہا کمن ذلک“ (جو تم سے پہلے تھے
 قبروں کو مسجد قرار دیتے تھے، خبردار تم قبروں کو مسجد نہ قرار دینا، میں تمہیں اس سے منع
 کئے دیتا ہوں۔) نیز صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ فرمایا ”لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا
 الیہا“ (نہ قبروں پر بیٹھو، نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو) صحیحین میں ابوسعیدؓ
 اور ابو ہریرہؓ اور دوسرے طرق سے مروی ہے کہ فرمایا ”لا تشد الرحال الا الی
 ثلاثة مساجد، مسجدی هذا، والمسجد الحرام والمسجد الاقصی“ (کہ بھیند کر سفر
 صرف تین ہی مسجدوں کیلئے ہے: میری یہ مسجد، مسجد حرام، اور مسجد اقصیٰ)۔ امام مالکؒ
 سے ایسے شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جس نے قبر نبویؐ پر آنے کی منت مانی ہے،
 انھوں نے جواب دیا ”اگر قبر کا ارادہ ہے تو نہ آئے لیکن اگر مسجد کا قصد ہے تو آئے“
 پھر حدیث ”لا تشد الرحال“ روایت کی۔ قاضی عیاضؒ نے اسے مبسوط میں
 ذکر کیا ہے۔

اگر کوئی مخلوق کی قسم کھاتا ہے تو اسکی قسم لغو ہے۔ اس بارے میں انبیاء و ملائکہ
 کسی کا بھی استثناء نہیں۔ جس طرح انبیاء اور مومنین کے حقوق ہیں اُسی طرح خدا کا
 بھی حق ہے جس میں اُسے کسی کی بھی شرکت گوارا نہیں۔ اور وہ حق یہ ہے کہ اُسی کی بندگی
 کی جائے اور اُسکے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ کیا جائے جیسا کہ حدیثِ معاذؓ میں
 گزر چکا۔ اور اللہ کی بندگی یہی ہے کہ عبادت اُسی کیلئے خالص ہو، توکل اُسی پر ہو،
 اُسے کتنی ہی حدیثیں اور آیتیں پیش کی جائیں، مگر ہمارے ٹکسالی ”اہل سنت“ انھیں ماننے والے نہیں
 اور مائیں بھی کیوں جبکہ وہ اللہ اور رسولؐ کی شریعت کی پیروی اپنے لئے ضروری ہی نہیں سمجھتے اور کتاب
 و سنت کے مقابل میں اپنے اکابر کے قول و فعل کو حجت سمجھتے ہیں ”انا وجدنا آباءنا علی امۃ وانا علی
 اتادہم محمد بن“ پھر انکے پاس جنت کا پتلا پٹا موجود ہے، انکے نزدیک صرف زبان سے ”امت محمدؐ ہونے
 کا دعویٰ نجات کیلئے بالکل کافی ہے۔ خدا انھیں ہدایت دے اور اپنے مومن بندوں کو انکے جال سے بچائے۔

بندوں پر خدا کا حق

رجوع در غیبت اُسی کی طرف ہو، اُسکی محبت و شہادت میں، اُس سے دعا و استعانت میں کسی کو بھی اُسکا ہمسرا اور ساتھی نہ بنایا جائے جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ فرمایا ”من مات دھو یدھو ندًا من دون الله دخل النار“ (جو اس حالت میں مر گیا کہ خدا کے سوا کسی اور کو بھی پکارتا ہے، دوزخ میں جائیگا) سوال کیا گیا سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ ارشاد ہوا ”ان يجعل لله ندا او هو خلقك“ (یہ کہ تو خدا کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے)۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب حمید میں فرماتا ہے :

خدا اُسے معاف نہیں کریگا کہ اُسکے ساتھ شریک کیا جائے اور اُسکے علاوہ جو کچھ ہے اُسے جسکے حق میں چاہیگا معاف کر دیگا۔	إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَ يَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ“ (۵ : ۴ : ۵۶ : ۱۵)
---	---

اور فرمایا :

پس تم جان بدھجہ کہ خدا کا کوئی شریک نہ بناؤ۔ اور خدا نے کہا ہے کہ دو دود خدا نہ بناؤ، وہ صرت ایک ہی خدا ہے، پس مجھی سے ڈرو۔	(۱) فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا أَوْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ“ (۲) وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا آلَ هَارُونَ أَشْيَاءَ إِنَّمَا هُوَ إِلَهُ وَاحِدٌ فَإِيتَايَ فَارْهَبُونِ“ (۱۳ : ۱۴) (۳) فَإِيتَايَ فَاعْبُدُونِ - (۲ : ۲۱)
--	--

پس میری ہی عبادت کرو۔

اور فرمایا :

جب تو خالی ہو جائے تو محنت کر اور اپنے رب کی طرف راغب ہو۔	فَإِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ وَإِلَى رَبِّكَ فَارْغَبْ“ - (۱۴ : ۳۰)
--	---

اور سورہ فاتحہ میں جو اُمّ الکتاب ہے فرمایا :

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے دعا کرتے ہیں۔	إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ“ (فاتحہ)
--	--

ہیں۔

اور فرمایا :

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ - (۷: ۲)

ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے علاوہ اوروں کو شریک بناتے اور ان سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی خدا سے کی جاتی ہے، (لیکن) ایمان والے خدا سے سب سے زیادہ محبت کر رہے ہیں۔

اور فرمایا :

لَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَخَشَوْنِي - (۱۱: ۶)

پس لوگوں سے نہ ڈرو (بلکہ) مجھ سے ڈرو۔

اور فرمایا :

الَّذِينَ يُبْكَوْنَ رَسُولَاتِ اللَّهِ وَخَشَوْتَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ - (۲: ۲۲)

جو اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچاتے ہیں اور اُس سے ڈرتے ہیں، اور بجز اللہ کے کسی سے بھی نہیں ڈرتے۔

اسی لئے جب بُت پرست حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو ڈرانے لگے تو انھوں نے کہا :

وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ: اتَّخَذُونِي مِنِّي اللَّهُ وَكَدَّ هَذَا مِنِّي وَلَا آخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَن يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ؟ وَكَيْفَ آخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَسْكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَكُمْ يُنَزِّلُ بِهِ عَلَيْكُمْ مَوْلًى فَتَأْتَى الْفُتُورَ فَيَقِينِ

ابراہیمؑ سے انکی قوم نے حجت کی تو انھوں نے کہا: تم مجھ سے اللہ کے باب میں بحث کرتے ہو حالانکہ اُس نے مجھے ہدایت بخشی ہے، میں تمہارے معبودوں سے ذرا بھی نہیں ڈرتا، الا یہ کہ اللہ کی مشیت کچھ چاہے، میرے رب کا علم ہر چیز کو احاطہ میں لئے ہے، کیا تم اب بھی نہ سمجھو گے؟ میں تمہارے معبودوں سے کیونکر ڈر سکتا ہوں جبکہ تم خدا کا ایسوں کو شریک بنا کر نہیں ڈرتے جن کی بابت

آخِ قُبُلًا مِّنْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ؟
 اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَّ لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ
 بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ
 مُّسْتَقْرَرُونَ - (۷ : ۱۵)

تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے اگر تم جانتے
 ہو تو بتاؤ کہ ایسی حالت میں کون بے خطر رہنے کا
 زیادہ مستحق ہے ؟ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں
 شرک کی آمیزش نہیں کی انھیں کیلئے بخونی ہے

اور وہی ہدایت یاب ہیں۔

صحیحین میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب آیت : اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
 وَّ لَمْ يَلْبِسُوْا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ نازل ہوئی تو صحابہؓ بہت پریشان ہوئے اور
 کہنے لگے ”ہم میں کون ہے جس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا ؟“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا
 تو فرمایا ”اسماء ذالک الشِّرْکُ“، کما قال العبد الصالح : يَا بَنِيَّ لَا تُشْرِكْ
 بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (۲۱ : ۱۱) (وہ شرک ہے جیسا کہ عبد صالح نے
 کہا : اے میرے لڑکے اللہ کے ساتھ شرک نہ کر کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے)۔

اور فرمایا :

وَمَنْ يَطِيعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَخْشِ اللّٰهَ
 وَيَتَّقْهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ -
 جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا اور اللہ
 سے ڈرتا اور بچتا ہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب
 رہنے والے ہیں۔ (۱۸ : ۱۳)

اس میں اللہ اور رسول دونوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے، کیونکہ رسول کی اطاعت
 بعینہ اللہ کی اطاعت ہے۔ لیکن خشیت و تقویٰ کو صرف خدا ہی کیلئے خاص رکھا ہے
 کیونکہ یہ بجز اُس ذاتِ برتر کے اور کسی کیلئے جائز نہیں۔

اور فرمایا :

فَلَا تَحْشَوْا النَّاسَ وَآخِشَوْنِيْ وَلَا
 تَشْرَوْا يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَلِيْلًا - (۹ : ۱۱)

لوگوں سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو اور میری چیزوں
 کے بدلے حقوڑی قیمت نہ خریدو۔

۱۵ (۷ : ۱۵)

فَلَا تَحْزَنْهُمْ وَخَا فُونِ اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ - (۹: ۴)

اُن سے نہ ڈرو اور مجھی سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

وَلَوْ اَنَّكُمْ رَضُوا مَا اتَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِينَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ اِنَّا اِلَى اللّٰهِ رَاغِبُونَ - (۱۳: ۱۰)

اگر وہ اللہ اور اُسکے رسول کے دے دیے ہوتے
پر راضی ہو جاتے اور کہتے اللہ ہمارے لئے بس
کرتا ہے، اللہ عنقریب اپنے فضل سے اور اسکا
رسول ہمیں اور دیگا، ہم اللہ ہی کی طرف رغبت
رکھتے ہیں۔

وَمَا اتَاكُمْ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا، (۴: ۲۸)

جو رسول دے اُسے لے لو اور جس سے منع کرے
اُس سے باز آ جاؤ۔

بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے آیت : حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ کی
تفسیر میں منقول ہے کہ یہ ابراہیم (علیہ السلام) نے اُسوقت کہا جب آگ میں ڈالے
گئے تھے اور محمد (صلعم) نے اُسوقت کہا جب لوگوں نے آکر مشہور کیا : اِنَّ النَّاسَ
قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ، فَوَاذَ اللّٰهُ اِيْمَانًا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ
الْوَكِيلُ، (۹: ۴) لوگوں نے تمہارے لئے جماؤ کیا ہے لہذا اُن سے ڈرو،
مگر اس سے اُن کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے اللہ ہی ہمارے لئے بس ہے
اور بہترین حامی ہے۔

اور نہ ریا :

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ - (۲: ۱۰)

اے نبی تیرے لئے اور تیرے پیروؤں کیلئے
اللہ کافی ہے۔

اسکے معنی تمام سلف و خلف کے نزدیک یہی ہیں کہ تنہا اللہ ہی تیرے لئے
اور تیرے مومن پیروؤں کیلئے کافی ہے، جیسا کہ مدلل بیان ہو چکا ہے۔ اور یہ اس

طرح کہ پیغمبر ہی اللہ اور اُسکی مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اور اُسکا امر وہی اور وعدہ و وعید پہنچاتے ہیں۔ پس حلال وہی ہے جسے اللہ اور اُسکے رسول نے حلال قرار دیا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ اور اُسکے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے اور دین وہی ہے جسے اللہ اور اُسکے رسول نے مقرر کر دیا ہے۔ بنا بریں ہمیں لازم ہے کہ اللہ اور اُسکے رسول سے محبت کریں، اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کریں، اللہ اور اُسکے رسول کو خوش رکھیں۔ فرمایا :

اللہ اور رسول کی محبت

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (۵: ۵)
مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ
(۸: ۵)
وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْا عَنْكُمْ
كَأَنْتُمْ مُؤْمِنِينَ - (۱۴: ۱۰)
إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ
وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ
بِقَاتِرٍ قَدْ نَزَلَتْ عَلَيْكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ
وَمَسَاكِينُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِمَّا
أَتَىٰ بِرَسُولِهِ وَفِي سَبِيلِهِ فَتَرْتَوْنَ
حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۚ (۹: ۱۰)

اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔
جس نے رسول کی اطاعت کی تو اُس نے خود اللہ
کی اطاعت کی۔
اللہ اور اُسکا رسول زیادہ حقدار ہے کہ اُسے خوش
رکھیں اگر مومن ہیں۔
اگر تمہارے باپ، اولاد، بھائی، بھائی، بیٹے، خاندان،
اور وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور وہ تجارت
جسکے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جو
تمہیں اچھے لگتے ہیں، اللہ اُسکے رسول اور
اُسکی راہ میں جہاد سے زیادہ تمہیں محبوب ہیں
تو انتظار کرو یہاں تک کہ امر آئی آجائے۔

صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا: ثلاثۃ من کن خبیہ وجدا بہن حلاوة الايمان: من کان اللہ ورسولہ احب الیہ من سواہما ومن کان یحب المرء لا یحبہ الا اللہ ومن کان یرجع فی الکفر بعد اذ افتذہ اللہ منہ کما یرکع ان یلقی فی النار“ تین باتیں جہیں ہوگی وہ ایمان کی

شیرینی پائیگا : جسے اللہ اور اسکا رسول تمام ماسوا سے زیادہ محبوب ہوگا، جو کوئی کسی سے محض اللہ کیلئے محبت کرے گا، کفر سے نکل آنے کے بعد اس میں واپسی کو ویسا ہی ناپسند کریگا جیسا آگ میں گرنے کو ناپسند کرتا ہے)۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّدُوْهُ دُتُوْقِرُوْهُ وَتَسَبِّحُوْهُ بِكُرَّةٍ وَّاَصِيْلًا (۹: ۲۰۴)	اے پیغمبر! ہم نے تجھے گواہ، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ اے لوگو تم اللہ پر ایمان لاؤ، اُسکی مدد کرو، اُس کا ادب کرو اور خدا کی صبح شام تسبیح و تقدیس کرو۔
---	--

پس اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہونا چاہئے، رسول کی عزت و توقیر اور نصرت و حمایت ہونی چاہئے، صبح و شام صرف اللہ ہی کی تسبیح ہونی چاہئے کیونکہ یہ عبادت ہے، اور عبادت صرف اُس ذاتِ برتر ہی کیلئے سزاوارت ہے۔ نماز صرف اُسی کی ہونی چاہئے، روزہ صرف اُسی کی خوشنودی کیلئے ہونا چاہئے، حج صرف اُسی کے گھر کا ہونا چاہئے، شہرِ رجال صرف تین مسجدوں ہی کی طرف ہونا چاہئے، کیونکہ اللہ کے نبیوں نے انھیں اللہ کے حکم سے بنایا ہے، نذر صرف اللہ ہی کیلئے ہونی چاہئے، قسم صرف اللہ ہی کی کھانی چاہئے، دعا صرف اللہ ہی سے کرنی چاہئے، اور دُعا ہی صرف اللہ ہی کی دینا چاہئے۔ ان باتوں میں اللہ کو کسی کی بھی شرکت گوارا نہیں، کیونکہ یہ صرف اُسی کے لئے سزاوارت ہیں۔

حیوان و نبات، سورج چاند، مینہ اور بادل غرض کہ اپنی جملہ مخلوقات کے پیدا کرنے میں اُس نے کسی مخلوق کو بھی واسطہ قرار نہیں دیا بلکہ اُس نے خود ہی انھیں اور ان کے اسباب کو پیدا کیا ہے۔ کوئی مخلوق بھی غیر موجود کو موجود نہیں کر سکتی، کیونکہ وجود کے لئے اسباب کی موجودگی اور موانع کی دُوری ضروری ہے، اور یہ ایک ایسی

چیز ہے جسکی قدرت بجز خدا کے اور کسی میں بھی نہیں، وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا۔ لیکن تبلیغ و رسالت کا معاملہ دوسرا ہے، اُس نے اُسکی انجام دہی کیلئے واسطہ بنایا ہے، اور وہ واسطہ خود اُسکا رسول ہوتا ہے جو اُسکے حکم سے اُسکے پیغام بندوں تک پہنچاتا ہے۔

رہا بندوں کے دلوں میں ہدایت پیدا کرنا تو اُسکی قدرتِ رسول کو بھی نہیں، ہدایت صرف خدا ہی کے فضل سے آتی ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے۔ فرمایا:

اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخْبِهْتَ وَلَا يَهْدِي مَنْ يَشَآءُ ۚ (۹:۲۰)

تم جسے چاہو ہدایت نہیں دے سکتے لیکن وہ خدا ہے جو جسے چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔

تو اُنکو ہدایت یاب کرنے کی کتنی ہی خواہش کرے مگر اللہ سے ہدایت نہیں کرنے کا جگرہ ہو گیا ہے۔

يَهْدِي مَنْ يُّصِيبُ ۚ (۱۱:۱۵)

بلاشبہ انبیاء کی دعا، شفاعت، استغفار، ایک ایسی چیز ہے جو نفع پہنچاتی ہے، مگر اس شرط سے کہ مستحق کیلئے ہو، ورنہ اگر پیغمبر کفار و منافقین کیلئے دعا کرنے لگے تو اُسکی دعا فوراً بھی سودمند نہ ہوگی۔ جیسا کہ فرمایا:

سَوَّأُوا عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۚ (۱۳:۲۸)

چاہے تو اُن کیلئے مغفرت کی دعا کرے یا نہ کرے، مگر اللہ اُن کو ہرگز معاف نہیں کریگا۔

پس جب یہ معلوم ہو گیا کہ انبیاء ہم تک ہمارے رب کا امر و نہی اور وعدہ و وعید پہنچانے والے ہیں تو ہم پر فرض ہو گیا کہ اُن کی لائی ہوئی تمام خبروں کی تصدیق اور اُن کے دئے ہوئے تمام حکموں کی تعمیل کریں۔ نیز ہم پر فرض ہوا کہ تمام رسولوں کی تصدیق کریں اور کسی کو بھی اس سے مستثنیٰ نہ کریں۔ کیونکہ اُن میں سے کسی ایک کو بھی مطعون کرنے والا کافر و مرتد ہے اور اُسکا خون مباح ہے۔ لیکن باوجود اس تمام تصدیق و طاعت و تعظیم کے جب توحید کا مسئلہ سامنے آئیگا تو ہمیں صاف کہنا پڑیگا کہ جو حق خدا

کے ہیں اُن میں انبیاء بھی اُسکے ساجھی نہیں، اُنھیں خدا کا شریک نہ بنایا جائیگا، اُن پر توکل و تکیہ نہ کیا جائیگا، اُن سے پناہ نہ مانگی جائیگی، اُن کی قسم خدا کو نہ دلائی جائے گی، اُنکی ذات و سیدہ نہ قرار دی جائیگی، بلکہ اُن کے ایمان، اُنکی محبت و طاعت و موالات، اُنکی تنظیم و توقیر، اُنکے دشمنوں کی دشمنی، اُنکی لائی ہوئی صداقت کی تصدیق، اُنکی حلال کی ہوئی چیزوں کی تحمیل اور اُنکی حرام کی ہوئی چیزوں کی تحریم کو نجات کا وسیلہ بنایا جائیگا۔

اس طرح و سید کی دو توجہیں ہیں: ایک یہ کہ اپنے اس عمل کو اجابت دعا کا وسیلہ قرار دے جیسا کہ غار میں پناہ لینے والے تین مومنوں نے کیا تھا کہ اپنے اعمال صالحہ کو وسیلہ قرار دیکر دعا کی (جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا) اور دوسری یہ کہ اپنے عمل کو اللہ کے ثواب، جنت اور خوشنودی کا وسیلہ ٹھیرائے، کیونکہ یہ مسلم و معلوم ہے کہ اعمال صالحہ جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، دنیوی و اخروی سعادت و سرفرازی کا کامل وسیلہ ہیں۔ اسکی مثال ویسی ہے جیسی مومنین کے اس قول میں بیان کی گئی ہے کہ:

رَبَّنَا آتِنَا لِمَنْعَتَا مَنَّا دِيَّانًا	اے ہمارے رب ہم نے ایمان کے منادی کو سنا کہ
لَا يَمْنَانُ اَنْ اٰمَنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا	اپنے رب پر ایمان لے آؤ، ہم ایمان لے گئے۔
رَبَّنَا ذَا غِفْرَتَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا	پس اے ہمارے رب ہمارے گناہ ہمیں مٹا کر دے
مَسِيئَتَنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ	ہماری برائیاں دُور کر دے اور ہمیں ابراہیم کے زمرہ
(۴: ۱۱)	میں وفات دے۔

اس میں مومنین نے دعا سے پہلے ایمان کا ذکر کیا ہے تاکہ وسیلہ ہو۔ اسی طرح دوسری آیت میں فرمایا:

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُوْلُوْنَ	میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے
رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ	ہمارے رب ہم ایمان لائے ہیں لہذا ہماری مغفرت کر

حَسْبُكَ الشَّاهِدِينَ ۛ (۶: ۱۸) | ہم پر رحم کر اور تو ہی بہترین رحم کرنا والا ہے۔
 اسکی مثالیں قرآن میں بہت ہیں۔

وسیلہ کی چھٹی قسم

اسی طرح نبی صلعم کی دعا و شفاعت سے وسیلہ دو طرح پر ہوگا : ایک یہ کہ آپ سے درخواست کی جائے اور آپ دعا و شفاعت فرمائیں جیسا کہ آپ کی زندگی میں ہوتا تھا اور جیسا کہ قیامت میں ہوگا کہ مخلوق 'آدم و نوح'، 'ابراہیم خلیل'، 'موسیٰ کلیم'، اور عیسیٰ روح اللہ (صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین) کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سب سے آخر میں حاضر ہوگی، اور آپ شفاعت کریں گے۔ اور دوسرے یہ کہ آپ سے درخواست کے ساتھ خدا سے دعا کی جائے کہ آپ کی شفاعت و دعا قبول فرم لے جیسا کہ نابینا والی سابق الذکر حدیث میں ہے کہ اُس نے آپ سے دعا و شفاعت چاہی، آپ نے اسے منظور کیا، اور دعا و شفاعت کی، مگر ساتھ ہی حکم دیا کہ خود بھی دعا کرے کہ خدا آپ کی دعا قبول فرم لے۔ لیکن اگر یہ صورت نہ ہو یعنی آپ مال کے حق میں دعا نہ کر رہے ہوں تو پھر آپ کی دعا سے وسیلہ ایک غیر موجود چیز سے وسیلہ ہوگا۔ آپ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ اُسی وقت وسیلہ ہے جب آپ دعا کریں، ورنہ وہ وسیلہ ہی نہیں ہے۔ اسی قبیل سے استفتاء میں حضرت عمرؓ کی دعا ہے جو اوپر گزر چکی۔ اس میں حضرت عمرؓ اور مسلمانوں نے حضرت عباسؓ کی دعا کو وسیلہ بنایا مگر ساتھ ہی خود بھی دعا کی تھی۔ اس طرح رسول اللہ صلعم کی اطاعت اور آپ کی شفاعت دونوں وسیلوں کیلئے ضروری ہوا کہ خود وسیلہ چاہنے والا بھی ساتھ ساتھ دعا کرے، ورنہ وہ وسیلہ نہ ہوگا۔ وسیلہ کی یہ چار قسمیں ہیں اور سب کی سب مشروع ہیں، اہل علم و ایمان میں سے کوئی بھی ان سے منکر نہیں ہو سکتا۔

• دین اسلام دو بنیادوں پر قائم ہے : ایک "لا الہ الا اللہ" اور دوسرے "محمد رسول اللہ"۔ پہلی بنیاد یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ ٹھہرایا جائے

اسلام کی دو بنیادیں

یعنی کسی مخلوق سے ویسی محبت نہ کی جائے جیسی اللہ سے کی جاتی ہے کسی مخلوق سے ویسی امید نہ لگائی جائے جیسی اللہ کی ذات سے لگائی جاتی ہے، کسی سے اُس طرح ڈرا نہ جائے جس طرح اللہ سے ڈرا جاتا ہے، کیونکہ ان باتوں میں کسی مخلوق کو بھی خالق کے برابر رکھنا، اللہ کی نظیر قائم کرنا اور اللہ کے ساتھ معبود ٹھہرانا ہے، اگرچہ ساتھ ہی یہ عقیدہ بھی رکھے کہ خدا ہی نے آسمان و زمین پیدا کئے ہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب بھی اس بات کے قائل تھے کہ خدا ہی نے کائنات پیدا کی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے :

وَلَكِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ (۱:۲۴) | اگر تو ان سے پوچھ گچھ کر کہ آسمان زمین کس نے پیدا کئے؟ کہہ دیں گے اللہ نے۔

لیکن باوجود اس اقرار کے بھی مشرک تھے اور خدا کے ساتھ دوسرے معبود رکھتے تھے۔ فرمایا :

اَشَهِدُ اَنْ لَا اُشْهَدُ اَنْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهَةٌ
اُخْرٰى ۚ قُلْ لَا اَشْهَدُ ۚ (۸:۴) | تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور دوسرے معبود بھی ہیں، اے رسول کہہ دے کہ میں اسکی گواہی نہیں دوں گا۔

اور فرمایا :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ
اللّٰهِ اَنْدَادًا يُحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۚ
وَالَّذِينَ اٰمَنُوا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ ۚ
ای سے محبت رکھتے ہیں۔ (۴:۲)

وہ مشرک ہو گئے نہ اسلئے کہ اپنے معبودوں کو خدا کے ساتھ خالق مانتے تھے بلکہ اسلئے کہ وہ ان سے خدا کی سی محبت کرتے تھے، کیونکہ وہ خالق تو صرف اللہ ہی کو مانتے تھے اور اس صفت میں کسی کو بھی اُسکا شریک نہ قرار دیتے تھے جیسا کہ فرمایا :

اَمْ جَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا
مَخْلُوقًا فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۚ
کیا انھوں نے خدا کے ایسے شریک بنائے ہیں
جنھوں نے خدا کی سی خلقت پیدا کی ہے اور خلقت
اُن پر مشتبہ ہو گئی ہے ؟ (۸ : ۱۳)

یہ استہنام انکاری ہے یعنی انھوں نے ایسے شریک نہیں بنائے جنھوں نے
(اُنکے زعم میں بھی) خدا کی طرح مخلوق پیدا کی، بلکہ برابر اقرار کرتے رہے کہ اُن کے
معبودوں نے ہرگز کوئی چیز بھی پیدا نہیں کی۔ یہ تو انھوں نے نہیں کیا البتہ انھیں اپنا
شفیع اور واسطہ قرار دیا اور اسی لئے خدا کی نظر میں مشرک ہو گئے۔ فرمایا :

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا
يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ وَيَكُونُوا لَهُمْ
شُفَعَاءُ ۚ فَمَا تَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا
فِي الْاَرْضِ، سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا
يُشْرِكُونَ۔ (۱۱ : ۷)

وہ اللہ کے ماسوا ایسوں کی پرستش کرتے ہیں
جو نہ انھیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع اور کہتے
ہیں یہ لوگ خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہوں گے۔
اے پیغمبر کہہ دے کہ کیا تم خدا کو ایسی بات کی خبر
دیتے ہو جسے وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین
میں۔ پاک ہے وہ ذات اور برتر ہے اُن کے شرک

سے۔

اور صاحب یسین نے کہا :

وَمَا لِيْ لَا اَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِيْ
وَالَّذِي تُرْجَعُونَ، اَمْ اتَّخَذُ مِنْ
دُوْنِهٖ اِلٰهَةً اِنْ يُرْذِلِ الْاَوْحٰنِ
يَضُرُّهُ لَا تُغْنِيْ عَيْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ
شَيْئًا وَلَا يُنْقِدُوْنَ اِنِّيْ اِذَا اَلَيْتُ
مَنْلًا مِّنْ سَيِّئٍ اِنِّيْ اٰمَنْتُ بِرَبِّكَ

مجھے کیا ہو گیا ہے کہ اُسکی عبادت نہ کروں جس
نے مجھے پیدا کیا اور جسکی طرف تمھیں لوٹنا ہے۔
کیا اُس معبود کے سوا دوسرے معبود اختیار کروں
کہ اگر رحمن مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو
اُسکی شفاعت میرے کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ
مجھے بچا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں تو کھلی گمراہی

میں ہوں، پس میری سن لو کہ میں تمہارے رب پر
ایمان لے آیا ہوں۔

یہ اسلام کی پہلی بنیاد ہے، اور دوسری بنیاد کا مطلب یہ ہے کہ ہم اللہ کی عبادت اُسی
طور پر کریں جس طور پر اُس نے اپنے رسولوں کے ذریعہ ہمیں بتا دی ہے۔ پس اُسکی
عبادت صرف واجبات و مستحبات ہی سے ہونا چاہئے، رہا مباح تو اگر اُس سے نیتاً
طاعت الہی ہو تو وہ بھی مستحب میں داخل ہے۔ دعا بھی منجملہ عبادات کے ہے اس
لئے صرف خدا ہی سے ہونی چاہئے۔ جو کوئی مردہ یا غیر حاضر مخلوقات سے دعا کرتا،
پناہ مانگتا اور سزا دیکرتا ہے، تو چونکہ اس فعل کا نہ اللہ نے حکم دیا نہ اُس کے رسول
نے اُسے واجب یا مستحب بتایا، اسلئے وہ بدعت ہے، اُسکا مرتکب دین میں مبتدع
رب العالمین کے ساتھ مشرک، اور مشج غیر سبیل المؤمنین ہے۔ اس طرح جو کوئی کسی مخلوق
کی ذات کے حوالہ سے دعا کرتا یا خدا کو مخلوقات کی قسم دلاتا ہے وہ بھی ایک ایسی
بدعت کا مرتکب ہے جسکی شریعت الہی میں کوئی بنیاد نہیں۔ اگر ایسا شخص اس
بدعت کے مخالف کی مذمت کرتا یا اُسے سزا دینا چاہتا ہے تو ظالم و جاہل ہے۔ اگر
اسکے جواز کا حکم دیتا ہے تو ایک ایسا حکم دیتا ہے جو دین الہی کے سراسر خلاف اور
باجائز مسلمین مردود ہے، اُسکے حکم کی تنفیذ اور اسکی اعانت کے بجائے اُس سے توبہ
کرانی چاہئے، کیونکہ وہ خود سزا پانے کا مستحق ہے۔ یہ تمام باتیں جملہ مسلمانوں کے نزدیک
متفق علیہ ہیں، کسی نے بھی انہیں اختلاف نہیں کیا، نہ ائمہ اربعہ نے اور نہ دوسرے علماء
نے۔

ان امور پر مفصل بحث ہم ضخیم کتابوں میں کر چکے ہیں، جنہیں ایک متقل کتاب خاص
اس بحث پر ہے کہ حکام کیلئے کن مسائل میں حکم دینا جائز ہے اور کن مسائل میں نہیں یہاں
اُس بیان کا اعادہ بے محل ہے کیونکہ اسوقت ہمارا موضوع توحید اور اسکے متعلقات ہیں۔

باب (۴)

اللہ میں جب میں ملک مصر میں تھا تو نبی صلعم کو وسید بنانے کے متعلق میرے سامنے ایک استفتاء پیش کیا گیا تھا جسکا میں نے مفصل جواب لکھا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اُسے یہاں درج کر دیا جائے، کیونکہ توحید اور اُسکے متعلقات، شرک اور اُسکے سبب باب پر بحث جتنی زیادہ اور متنوع ہوگی، اتنا ہی فائدہ زیادہ اور نور علی نور ہوگا، واللہ المستعان۔ استفتاء اور جواب حسب ذیل ہے :

استفتاء

علماء کرام، ائمہ دین سے درخواست ہے کہ یہ مسئلہ بیان فرمائیں کہ انبیاء کو وسیلہ بنانے اور اُن سے شفاعت چاہنے کی کونسی صورتیں جائز ہیں اور کونسی ناجائز؟

جواب

الحمد للہ رب العالمین۔ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ نبی صلعم قیامت کے دن مخلوق کی شفاعت فرمائینگے، مگر بعد اس کے کہ مخلوق آپ سے شفاعت کی درخواست کرے، نیز خدا آپ کو اسکی اجازت دیدے۔ اس بارے میں اہل سنت والجماعت وہی کہتے ہیں جسپر صحابہ کا اجماع تھا اور جسے بکثرت احادیث ثابت کر رہی ہیں، یعنی یہ کہ آنحضرت صلعم اپنی امت کے گنہگاروں حتیٰ کہ اہل کبار کی شفاعت کریں گے، نیز تمام مخلوق کیلئے بھی آپ کی شفاعت ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو کئی قسم کی شفاعتیں حاصل ہیں، بعض خاص ہیں جنہیں کوئی بھی شریک نہیں، اور بعض عام ہیں جو دوسرے انبیاء و صالحین کو بھی حاصل ہیں، مگر ان میں بھی آپ کا حصہ سب سے زیادہ اور بہتر ہے کیونکہ آپ مخلوقات میں سب سے افضل اور اللہ کی نظر میں سب سے معزز

شفاعت کے بارے میں اہل سنت کا مذہب

ہیں۔ آپ کے فضائل و مناقب و امتیازات اتنے ہیں کہ یہاں بیان نہیں ہو سکتے، انہیں میں ایک مقام محمود ہے جس پر تمام اگلے پچھلے رشک کر بیٹھے۔ شفاعت کی حدیثیں بکثرت و متواتر ہیں، متعدد حدیثیں صحیحین میں موجود ہیں اور بہت سی سنن و مسانید میں ملتی ہیں۔ لیکن وعید یہ (خارج کا ایک فرقہ ہے) اور معتزلہ کہتے ہیں کہ آپ مرت مومنین ہی کیلئے شفاعت کر بیٹھے اور یہ کہ اُس سے مقصود رفع درجات ہو گا نہ کچھ اور۔ انہیں سے بعض تو شفاعت کے قطع منکر ہیں۔

تمام علماء متفق ہیں کہ صحابہؓ آپ کی زندگی اور موجودگی میں آپ سے شفاعت چاہتے اور آپ کو وسیلہ بناتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ جب قحط پڑتا تھا تو حضرت عمرؓ عباس بن عبدالمطلبؓ کے واسطے سے مینہ کیلئے یوں دعا کرتے تھے ”اللھم انا کنا اذا اجدنا بنائنا نوسل الیک ینبئنا فنتسقینا وانا نوسل الیک بمم نبینا فاسقنا“ (اے خدا جب ہم قحط میں مبتلا ہوتے تھے تو تیرے حضور اپنے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے اور تو سیراب کر دیتا تھا، آج ہم اپنے نبیؐ کے چچا کا وسیلہ لاتے ہیں تو ہمیں سیراب کر دے) نیز بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ بارگاہِ ایسا ہوا کہ نبی صلم پانی کیلئے دعا مانگتے ہوتے اور میں چہرہ مبارک پر نظریں جمائے شاعر کا یہ شعر دل میں پڑھتا ہوتا۔ ۵

وابیض یستسقی الغمام بوجه

ثم الیتامی عصمة للارامل

رگورے رنگ والا جبکہ مبارک چہرہ پر بادلوں سے پانی چاہا جاتا ہے، یتیموں کا سہارا ہے اور یتیموں کا والی) آپ دعا ختم کر کے منبر سے اترے بھی نہ ہوتے کہ پرنالے چلنے لگتے۔ ”سابق حدیث میں حضرت عمرؓ کا قول ”ہم اپنے نبیؐ کو وسیلہ بناتے تھے“

۱۵ آپ کے چچا ابوطالب کا شعر ہے۔

صحابہؓ رسول اللہؐ کی زندگی میں آپ سے دعا کرتے تھے

حضرت عمرؓ کا قول

تمام احادیث استقامتیں بطور تفسیر و تشریح کے آیا ہے، اور اُس سے مقصود طلبِ شفا ہے، یعنی یہ کہ صحابہؓ آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کرتے تھے اور اللہ سے التجا کرتے تھے کہ آپ کی دعا و شفاعت قبول فرمائے۔ خود ہم بھی آپ کو ہمارے ماننا ہے قربان! اپنا شفیع اور وسیلہ بناتے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے!

اسی طرح جب شام میں تھپڑا تو معاویہ بن ابی سفیانؓ نے یزید بن الاسودؓ الجریجو کو دعائیں وسیلہ بنایا، اُنھوں نے کہا ”اللھم انا نستشفع (او نتوسل) بخیارنا“ یا یزید ارفع یدیک ارفع یدیہ ودعا دعائ الناس حتی یسقوا ”اللہ! ہم اپنے نیکوں کی سفارش (یا وسیلہ) لائے ہیں۔ اے یزید اپنے ہاتھ اٹھا۔ چنانچہ یزید نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی نیز تمام مسلمانوں نے دعا کی اور پانی برسنے لگا اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ بارش کیلئے دیناروں اور نیکوکاروں کے واسطے سے دعا کی جائے اور اگر وہ اہل بیت میں سے ہوں تو بہتر ہے۔

اس استشفاع و توسل کی حقیقت صرف دعا چاہنا ہے، چنانچہ جس شفاعت یا دعا کی درخواست کی جاتی ہے وہ دعا کرتا ہے اور لوگ اُسکے ساتھ ہو کر دعا کرتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب عہد نبویؐ میں تھپڑا تو ایک اعرابی حاضر ہوا اور کہنے لگا ”اے رسول اللہ! مال و متاع غارت ہو گیا اور راستے بند ہو گئے، آپ خدا سے دعا کیجئے کہ ہمیں اس مصیبت سے نجات دے“ چنانچہ آپ نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی ”اللھم اغثنا، اللھم اغثنا، اللھم اغثنا“ (اے خدا ہمیں بچا، ہمیں بچا، ہمیں بچا۔) حدیث میں ہے کہ آسمان بالکل صاف تھا، کہیں ایک چتھی بھی ابر کی نہ تھی کہ یکا یک سمندر کی سمت سے بادل اٹھا اور بارش شروع ہو گئی، پورا ایک ہفتہ گزر گیا اور کسی نے سورج نہ دیکھا۔ جب حالت یہ ہوئی تو دہی یا کوئی اعرابی حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا ”یا رسول اللہ! تمام راستے کٹ گئے اور گھر گر پڑے، دعا کیجئے کہ

خدا ہیں اس سے نجات دے۔ آپ نے پھر اٹھ اٹھائے اور دعا کی ”اللہم حولنا ولا
علینا، اللہم علی الآساکم واد النظار اب و منابت النجور و بطون الا و دینۃ“ (الہی،
ہم پر نہیں ہمارے گرد اگر دو، الہی جھاڑیوں، جنگلوں، کھیتوں اور وادیوں پر) نوراً
بادل اس طرح پھنا جس طرح کپڑا پھٹتا ہے اور دیکھتے دیکھتے آسمان کھل گیا۔ یہ حدیث
صحیحین وغیرہ میں مشہور ہے۔ سیطرح سنن ابو داؤد وغیرہ میں حدیث ہے کہ ایک شخص
نے رسول اللہ صلیم سے عرض کی ”انا نستشفع بک علی اللہ و نستشفع باللہ علیک“
(ہم تیری سفارش اللہ کے پاس چاہتے ہیں اور اللہ کی سفارش تیرے سامنے لاتے ہیں)
یہ سنکر آپ نے ”سبحان اللہ، سبحان اللہ“ کہنا شروع کیا یہاں تک کہ خوف سے صحابہ
کا رنگ فق ہو گیا، پھر فرمایا ”و یحک اتداری ما تقول؟ ان اللہ لا یستشفع بہ علی
احد من خلقہ، شان اللہ اعظم من ذلک“ (نادان تو سمجھتا بھی ہے جو کچھ کہ رہا
ہے، خدا کی سفارش اُسکی کسی مخلوق کے روبرو نہیں کی جاسکتی، اللہ کا مرتبہ اس سے
کہیں بلند ہے)۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلیم اور صحابہ کی بول چال میں کسی شخص
سے شفاعت چاہنے کا مطلب اُسکی دعا سے شفاعت چاہنا تھا نہ کہ اُسکی ذات سے۔
کیونکہ اگر ذات سے شفاعت و وسیلہ مراد ہوتا تو خدا کے واسطے سے مخلوق سے سوال
مخلوق کے ذریعہ سے خدا سے سوال کرنے سے زیادہ اولیٰ تھا، مگر چونکہ اسکا مطلب
وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا ہے، اسلئے نبی صلیم نے ”نستشفع باللہ علیک“
(اللہ کو تیرے سامنے سفارش بنا تے ہیں) کو ناپسند فرمایا اور ”نستشفع بک علی
اللہ“ (تیری سفارش اللہ کے روبرو پیش کرتے ہیں) پر اعتراض نہیں کیا۔ اور یہ
اسلئے کہ جس ذات سے دعا مقصود ہوتی ہے، شفیع اُس سے التجا کرتا ہے کہ سائل
کی مراد پوری کر دے، اور ظاہر ہے کہ خدا اپنے کسی بندہ سے التجا نہیں کر سکتا کہ
سائل کی حاجت روائی کر دے۔ رہا شاعر کا یہ کہنا کہ :

اللہ کو سفارش بنانا

شفیع الیہ اللہ لادب غیرہ و لیس الی رد الشفیع سبیل

(تیسرے پاس میرا سفارشی وہ خدا ہے جسکے سوا کوئی پروردگار نہیں، اور اس سفارشی کی سفارش رد کرنے کی کوئی راہ باز نہیں)۔ اس طرح بعض اتحادیہ (ایک گمراہ فرقہ ہے) کی یہ روایت کہ نبی صلعم کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کی سفارش پیش کی گئی، تو یہ سب غلط اور گمراہی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کسی سے التجا نہیں کرتا، خود اس سے التجا نہیں کی جاتی ہیں اور اُسی سے دعائیں ہوتی ہیں اور وہی مرادیں پوری کرتا ہے۔ اطاعت صرف اُسی کی اطاعت ہے اور کسی کی نہیں۔ البتہ چونکہ خود اس نے اپنے رسولوں کی بھی اطاعت فرض کر دی ہے، اسلئے اُن کی اطاعت کی جاتی ہے اور وہ بھی محض اس لئے کہ اُنکی اطاعت خود اللہ کی اطاعت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ کا پیغام پہنچاتے اور اُس کے امر و نہی سننے آگاہ کرتے ہیں، اس لئے جو اُن کی فرمانبرداری کرتا ہے، خدا کی فرمانبرداری کرتا ہے اور جو اُن سے بیعت کرتا ہے، خود اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتا ہے۔ فرمایا :

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ | ہم نے تمام رسول اسی لئے بھیجے کہ خدا کے حکم سے
يَا ذِي اللَّهِ " (۶: ۵) | اُنکی اطاعت کی جائے۔

اور فرمایا :

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ | جس نے رسول کی اطاعت کی تو اُس نے بیشک
(۸: ۵) | اللہ کی اطاعت کی۔

اس طرح اہل علم اور حکومت میں سے اولوالامر کی اطاعت بھی واجب ہے مگر صرف اُسی وقت جب وہ اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کا حکم دیں۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ فرمایا "علی المرء المسلم السمع والطاعة فی عسره و یسرہ و منشطہ و مکروہہ ما لہ یؤمر بمعصیۃ اللہ فاذا امر بمعصیۃ اللہ فلا سمع ولا طاعة" (جب تک اللہ

مسلمان حاکم کی اطاعت کی شرط ہے؛

کی نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے مسلمان پر تنگی و فراخی، تکلیف و راحت ہر حال میں اطاعت واجب ہے، لیکن جب اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے نہ اطاعت کرنا اور فرمایا: لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق (خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی بھی اطاعت روا نہیں)۔

رب شفاعت کرنے والا تو وہ ایک سائل ہے اور شفاعت میں اُسکی اطاعت واجب نہیں اگرچہ کتنا ہی بڑا ہو، چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جب بریۃ آزاد ہو گئی اور اُسے اختیار مل گیا کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہے یا جدا ہو جائے، تو اُس نے شوہر کو الگ کر دیا جس سے وہ نہایت رنجیدہ ہوا اور شب و روز رونے دھونے لگا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسکی حالت پر رحم آیا اور بریۃ سے فرمایا کہ جدا نہ کرے، اس پر اُس نے سوال کیا ”اتامرنی؟“ (کیا یہ آپ کا حکم ہے؟) آپ نے فرمایا ”لا انما انا شافع“ (نہیں میں تو صرف شفیع اور سفارشی ہوں۔ دیکھو عورت نے فوراً پوچھا کیا آپ حکم دیتے ہیں؟ اور آپ نے جواب دیا کہ حکم نہیں دیتا بلکہ شفاعت (سفارش) کرتا ہوں، تو چونکہ مسلمانوں کے ہاں یہ مسلم تھا کہ رسول اللہ کا حکم واجب الطاعة ہے نہ کہ آپ کی شفاعت و سفارش، اس لئے جب بریۃ نے آپ کا مشورہ ماننے سے انکار کر دیا تو اُسے ذرا بھی ملامت نہ کی۔ جب رسول اللہ کی شفاعت کا یہ حال ہے تو اور مخلوقات کی شفاعت سمجھ لو، کیا درجہ رکھتی ہے؟ پھر اللہ جل و علی کی شان اس سے کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ وہ اپنی کسی مخلوق کے سامنے سفارشی بن کر جائے اور اُسکے حضور کوئی بغیر اُسکی مرضی پائے شفاعت کی جرات کر سکے۔ فرمایا :

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ۚ بَلْ عِيبًا مُّكْرَمُونَ ۚ لَا يُسَبِّحُوهٗ
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَسْرِهِ يَعْمَلُونَ ۚ يَعْلَمُوْنَ
انہوں نے کہا رحمن بیٹا رکھتا ہے، پاک ہے اُسکی ذات، بلکہ وہ اُسکے معزز بندے ہیں جو اُس کے آگے بڑھ کر بات نہیں کر سکتے اور اُسی کے حکم پر

شفاعت قبول ہو کر عفو فرمائی نہیں

بریۃ کا واقعہ

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْعُرُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۚ وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِنْ دُونِهِ فَقَدْ لَكَ نَجْرٌ فِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذَٰلِكَ نَخْشِئُ الظَّالِمِينَ ۝ (۲۰:۱۷)

عمل کرتے ہیں۔ انکا اگلا پچھلا سب حال اُسے معلوم ہے، وہ کسی کے حق میں سفارش نہیں کر سکتے مگر صرف اُنکے حق میں کہ خدا پسند فرمائے اور وہ اُسکی دہشت سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں۔ انہیں سے جو کوئی کہہ دے کہ خدا نہیں، میں معبود ہوں تو ہم اسکو جہنم کی سزا دینگے۔ سرکشوں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۱۰۰ کی شفاعت کن لوگوں کیلئے ہے؟

سابق حدیث بتاتی ہے کہ نبی صلیم کی شفاعت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جاسکتی ہے، یعنی آپ کو دنیا و آخرت میں شفع بنانا درست ہے۔ آخرت میں آپکی شفاعت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے مابین فیصلہ کرے اور اُنھیں جنت بخشے، نیز آپ اپنی امت کے اہل کبار اور بعض ایسے لوگوں کے حق میں بھی شفاعت فرمائینگے جو دوزخ کے مستحق ہیں کہ انپر رحم کیا جائے اور بعض جو جہنم میں جا چکے ہیں نکال لئے جائینگے۔

جمہور علماء و ائمہ متفق ہیں کہ نیکو کاروں اور ثواب کے مستحقوں کیلئے اُشفاعت فرمائینگے۔ لیکن بہت سے بدعتی، خارجی اور معتزلی اہل کبار کے حق میں آپکی شفاعت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کے حق میں آپ سرے سے شفاعت ہی نہ کریں گے، کیونکہ اُنکے زعم میں اہل کبار کی نہ بخشش ہوگی اور نہ جہنم میں جانے کے بعد وہ نکالے جائینگے۔ بر خلاف اُنکے صحابہؓ، تابعینؓ، ائمہ اسلام اور تمام اہل سنت و جماعت کا مذہب یہ ہے کہ آپ اہل کبار کیلئے بھی شفاعت کریں گے اور یہ کہ اہل ایمان میں سے کوئی بھی دوزخ میں ہمیشہ کیلئے نہ رہیگا بلکہ جسکے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے وہ ایک دن ایک دن عذاب سے ضرور چھٹکارا پا جائیگا۔

سوال نمبر ۱۰۱ کی شفاعت کن لوگوں کیلئے ہے؟

لیکن یہ استسقاء (پانی مانگنا)، استشفاع (شفاعت چاہنا) اور توسل (وسیہ بنانا) آپ سے ہو یا کسی دوسرے سے صرف زندگی ہی میں ہو سکتا ہے، یعنی یہ کہ حیات

مبارک میں آپ سے دعا کی درخواست کی جاتی اور آپ دعا کر دیتے۔ صحابہؓ آپ کو جو وسیلہ بناتے تھے تو اُس کے یہی معنی ہیں کہ آپ کی دعا وسیلہ ہوتی ہے اور شفاعت بھی دعا ہے۔

عشق کی دروازہ درست ہے

برخلاف اسکے آپ کی موجودگی یا عدم موجودگی یا وفات کے بعد آپ کی ذات سے وسیلہ چاہنا، مثلاً خدا کو آپ کی یا کسی اور نبی کی ذات کی قسم دلانا، یا اُنکی دعاؤں کو چھوڑ کر صرف اُنکی ذات کے حوالہ سے دعا کرنا، تو یہ بات صحابہؓ و تابعین میں مشہور نہ تھی، بلکہ اُن کا عمل اسکے خلاف تھا۔ چنانچہ عمر بن الخطابؓ، معاویہ بن ابی سفیانؓ اور اُن کے ساتھ کے تمام صحابہؓ و تابعینؓ نے جب قحط میں مبتلا ہوئے تو دعائیں اُن لوگوں کو وسیلہ بنایا جو زندہ تھے مثلاً عباس بن عبد المطلب اور زید بن الاسود، اور ایسی سخت مصیبت میں بھی نہ نبی صلعم کو وسیلہ بنایا نہ آپ سے دعا کی درخواست کی، نہ آپ کی قبر پر جا کر نہ کہیں اور، بلکہ آپ کے بجائے زندہ آدمیوں کو لیا، اور حضرت عمرؓ نے اپنی دعائیں اس فعل کی تشریح یہ کنکر کر دی کہ کہ ”اے خدا ہم تیرے حضور اپنے نبی کا وسیلہ لایا کرتے تھے اور تو ہمیں سیراب کر دیتا تھا، اب ہم اپنے نبی کے چچا کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، ہمیں سیراب کر“ حضرت عمرؓ اور صحابہؓ نے حضرت عباسؓ کے وسیلہ کو رسول اللہ کے وسیلہ کا عوض و بدل قرار دیا کیونکہ اب وفات کے بعد آپ سے اس طرح وسیلہ چاہنے کی کوئی مشروع صورت باقی نہ رہی تھی، اور اگر ہوتی تو اُن کے لئے آسان تھا کہ سیدھے قبر نبویؐ پر چلے جاتے اور اُس طرح کی کوئی دعا کرتے جس طرح کی بعض لوگ کیا کرتے ہیں مثلاً کہتے کہ اے خدا ہم تجھے تیرے نبی کا واسطہ دیتے یا تیرے نبی کی حرمت سے سوال کرتے ہیں۔

صحابہ کا عمل

بعض جاہل یہ ایک حدیث روایت کرتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا ”جب دعا کرو تو میرے جاہ و حرمت کا حوالہ دیا کرو کیونکہ خدا کی نظر میں میرا جاہ بہت بڑا ہے“

نبی صلعم کی جاہ و حرمت

یہ حدیث بالکل جھوٹی ہے اور مسلمانوں کی کسی ایسی کتاب میں موجود نہیں جو محدثین کے نزدیک معتبر ہو بلکہ کسی محدث نے بھی اُسے کہیں روایت نہیں کیا اور نہ کسی نے اُسکی تصدیق کی۔ یہ بالکل درست ہے کہ نبی صلعم کا جاہ، اللہ تعالیٰ کی نظر میں تمام انبیاء و مرسلین کے جاہ سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام وجیہ ہیں فرمایا:

یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا	اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ ہو جنہوں نے
كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ فَبَرَّأَهُ اللَّهُ مِمَّا	موسیٰ کو تکلیف دی تو اللہ نے موسیٰ کو اُن کی
قَالُوا وَكَانَ عِندَ اللَّهِ وَجِيهًا	تمتوں سے بری کر دیا اور اللہ کے نزدیک موسیٰ
(۶: ۲۲)	بڑے آبرو دار تھے۔

اور فرمایا:

إِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ	جب ملائکہ نے کہا کہ اے مریم! خدا تجھے اپنے کلمے
يُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ	(یعنی مسیح) کی بشارت دیتا ہے، اُسکا نام عیسیٰ
عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا	بن مریم ہوگا، اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں بڑے
وَالْآخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِينَ (۱۳: ۳)	دالا اور مقرب بندوں میں سے ہوگا۔

پس جب موسیٰ و عیسیٰ خدا کی نظر میں وجیہ ہیں تو پھر رسول اللہ صلعم کی جاہ کا کیا پوچھنا ہے کہ آپ اولادِ آدم کے سردار ہیں، مقامِ محمود کے وارث ہیں کہ جس پر تمام اگلے پچھلے رشک کرینگے، کوثر و حوض کے پانے والے ہیں کہ جسکے جام آسمان کے ستاروں کی طرح بے شمار ہونگے اور جسکا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں اور ایسا ہوگا کہ جو ایک مرتبہ پی لیگا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا، قیامت کے دن صاحبِ شفاعت ہیں جبکہ تمام انبیاء اُس سے پچکچا جائیں گے، آدم و نوح، ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ (صلوات اللہ علیہم اجمعین) میں سے کوئی بھی اسکے لئے آگے نہ بڑھیں گا تو اُس وقت

آپ سامنے آئیے اور شفاعت کریں گے، پھر آپ ہی صاحبِ علم ہونگے کہ جسکے نیچے آدم اور انکی تمام ذریات ہوگی، جب پیغمبر جمع ہونگے تو آپ ہی ان کے امام ہونگے اور جب حضور خداوندی میں جائیں گے تو آپ ہی انکے خطیب ہونگے، آپکا باہ خدا کی نظر میں تمام انبیاء سے زیادہ ہے کیونکہ آپ سب سے افضل ہیں۔

لیکن اسکے باوجود یاد رکھنا چاہئے کہ مخلوق کا باہ خدا کی نظر میں ویسا نہیں ہوتا جیسا خود دوسری مخلوق کی نظر میں ہوتا ہے، کیونکہ دربارِ خداوندی میں بغیر اُس کے اذن کے کسی کو بھی لب کشائی اور شفاعت کی جرأت نہ ہوگی۔ فرمایا:

إِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
إِلَّا إِلَهِي الرَّحْمَنُ عَبْدٌ لِّقَدْ أَحْصَاهُمْ
وَعَدَّ هُمْ عَدًّا (۱۶ : ۹)

جو کوئی بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، بندہ ہو کہ
رحمن کے روبرو حاضر ہوگا اُس نے انہیں شمار
کیا ہے اور خوب اچھی طرح گن لیا ہے۔

اور فرمایا:

لَنْ تَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا
لِّلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ
يَسْتَنْكِفَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ
فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا فَأَمَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ
أُجُورَهُمْ وَبَرِّئُوا مِنْ قُصُولِهِ
وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا
فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا
يَجِدُ دُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا
لَا نَصِيرًا (۶ : ۴)

نہ سب سے گردن کشی کریں گے کہ خدا کے بندے
ہوں اور نہ ملائکہ مقربین، اور جو کوئی اُسکی عبادت
سے گردن کشی کرے اور متکبر ہو جائے گا تو اللہ
عنقریب سب کو جمع کریگا۔ جو لوگ ایمان لائے
اور عمل صالح کرتے رہے تو اللہ انہیں اُن کا پورا
پورا ثواب دیگا اور اپنے فضل سے اور زیادہ کر
دیگا، لیکن جنہوں نے گردن کشی کی اور تکبر کیا
تو خدا انہیں سخت عذاب دیگا اور وہ خدا کے
علاوہ کسی کو بھی اپنا دوست اور مددگار نہ پا
سکیں گے۔

خدا کی نظر میں مخلوق کا درجہ

برخلاف اسکے مخلوق 'مخلوق کے پاس بلا اجازت بھی سفارش کر سکتی ہے کیونکہ وہ
 حصول مطلوب میں اسکی شریک ہے، لیکن خدا کا کوئی بھی شریک اور ساجھی نہیں۔ فرمایا:
 قُلْ اَدْعُوا الَّذِيْنَ رَعَيْتُمْ مِنْ دُوْنِ | اسے پیغمبر کہہ دے کہ ان لوگوں کو پکارو جنہیں تم خدا
 اللّٰهُ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي | کے علاوہ سمجھے بیٹھے ہو، وہ آسمانوں میں نہ زمین
 السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ | میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور نہ انکی ان میں
 فِيْهِمَا مِنْ شَرِكٍ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ | کوئی شرکت ہے اور نہ انہیں سے کوئی اسکا پشت
 مِّنْ ظَهِيرٍ، وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ | پناہ ہے۔ اللہ کے ان شفاعت اُسی کو مائدہ
 عِندَهُ اِلَّا بِاِذْنِ لّٰهِ (۹: ۲۲) | پہنچائیگی جسکے حق میں وہ شفاعت کی اجازت دیگا۔

بکثرت احادیث وارد ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کو مسجد قرار دینے سے منع کیا اور ایسا
 کرنے والوں کو لعنت فرمائی۔ پھر خود اپنی قبر کو بھی مزار بنانے کی ممانعت کر دی۔ اور یاس
 لئے کہ انسانوں میں سب سے پہلے شرک قوم نوح میں پیدا ہوا جیسا کہ ابن عباسؓ نے کہا
 کہ آدم اور نوح (علیہما السلام) کے مابین دس صدیاں ایسی گزریں کہ سب لوگ اسلام
 پر قائم تھے۔ صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوح سب سے پہلے رسول
 ہیں جنہیں خدا نے زمین والوں کی ہدایت کیلئے بھیجا۔ قوم نوح کی حالت خدا نے اسطرح
 بیان کی ہے کہ اُس نے آپس میں کہا :

لَا تَدْرُكْ اِلٰهَتَكُمْ وَلَا تَدْرُكْ دَدًا | اپنے مبودول کو نہ چھوڑنا، اور تو کو نہ سواع کو نہ
 وَلَا سَوَاعًا، وَلَا يَعُوْثُ وَيَعُوْثُ دَنَسًا | يَنْفُثُ وَيَعُوْثُ کو چھوڑنا، انھوں نے بُھتوں کو
 وَفَدًا اَضَلُّوا كَثِيْرًا (۱۰: ۲۹) | گمراہ کیا ہے۔

علماء سلف میں سے متعدد آدمیوں نے کہا ہے کہ اس آیت میں جن لوگوں کے نام
 آئے ہیں وہ قوم نوح میں صلح لوگ تھے، جب مرے تو انکے ہم قوم انکی قبروں کی تنظیم
 کرنے لگے اور جب اس طرح ایک مدت گزر گئی تو انکی پرستش کرنے لگے۔ امام بخاریؒ نے

شرک کا آغاز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا

اسے اپنی صبیح میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے اور تصریح کی ہے کہ پھر یہ معبود عرب میں منتقل ہوئے۔

چونکہ صحابہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اچھی طرح جان چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر ذکو مسجد قرار دینے کی ممانعت کر کے شرک کی جڑ کاٹ دی ہے اگرچہ نماز پڑھنے والا خدا ہی کیلئے نماز پڑھ رہا ہو، اسلئے وہ ایسا نہ کرتے تھے۔ اسبطح صحابہؓ کو معلوم تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسیلہ چاہنا، آپ پر ایمان، آپ کی اطاعت و محبت و موالات سے اور آپ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہنا ہے، اسلئے وہ آپ کی ذات کو وسیلہ نہ بناتے تھے۔ پس جبکہ صحابہؓ نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کی اور نہ اس طرح کی دعائیں مانگیں، حالانکہ ان کا علم ہم سے زیادہ تھا اور خوب جانتے تھے کہ اللہ اور اس کا رسول کو کسی بات پسند کرتا ہے، اُس نے کن دعاؤں کی تلقین کی ہے اور کونسی دعائیں مقبول ہونے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہیں۔ بلکہ انھوں نے وفات نبویؐ کے بعد حضرت عباسؓ وغیرہ کو وسیلہ بنایا جو رسول اللہ کے مقابلہ میں کم درجہ تھے، تو اس سے معلوم ہوا کہ وفات کے بعد آپ سے وسیلہ چاہنا ممکن نہ رہا تھا اگر ممکن ہوتا تو وہ آپ کو چھوڑ کر ہرگز کسی دوسرے کو وسیلہ نہ بناتے۔

صحابہ کے علم سے محبت

امام مالکؒ نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اللہم لا تجعل

قبری وثنا یسجد، اشد غضب اللہ علی قوم اتخذوا قبور انبیائہم مساجد“ (خدا یا میری قبر کو بت نہ کہجو کہ جسکی پرستش کی جائے، خدا ان لوگوں پر سخت ناراض ہے جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد ٹھیرا لیا) سنن ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا ”لا تتخذوا قبوری عیداً و صلوا علی حیث ما کنتم فان صلاتکم تبلیغنی“ (میری قبر کو زیارت گاہ نہ بنانا، بلکہ جہاں کہیں بھی ہو مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے) صحیحین میں ہے کہ آپ نے مرض موت میں فرمایا ”لن اللہ الیہود والنصارى

رسول اللہ نے اپنی قبر پر عید مناسبت کیا فرمایا

اتخذوا قبورا نبیائهم مساجد۔ یحذروا فعلوا، قالت عائشة ولولا ذلک لا برز قبرہ ولكن کرہ ان یستخذ مسجدا « (یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد قرار دے لیا۔ راوی کہتا ہے آپ نے ایسا کرنے سے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں اگر یہ ڈرنے ہوتا تو آپ کی قبر کھلی جگہ بن جاتی مگر مسجد بن جانے کے خوف سے یہ ناپسند کیا گیا) صحیح مسلم میں جب نبی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے صرف پانچ دن پہلے فرمایا: «انی ابراہیٰ الی اللہ ان یمکن لی منکم خلیلاً ولو کنت متخذاً من امتی خلیلاً لاتخذت ابا بکر خلیلاً، فان اللہ قد اتخذنی خلیلاً کما اتخذ ابراہیم خلیلاً۔ ان من کان قبلاً لکم کانوا یستخذون القبور مساجداً الا فلا تستخذوا القبور مساجد فانی انتہا کرم عن ذلک» (میں اس بات سے اپنی برأت کا اعلان کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی شخص میرا خلیل ہو، اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بنانا تو ابوبکرؓ کو بنانا۔ یہ اسلئے کہ خدا نے مجھے اُسی طرح خلیل بنا لیا ہے جس طرح ابراہیمؑ کو بنایا تھا۔ جو لوگ تم سے پہلے تھے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد ٹھہرا لیا کرتے تھے، خبردار تم قبروں کو مسجد نہ ٹھہرانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں) صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: «لا تطرونی کما اطرت النصارى عیسیٰ بن مریم فانما انا عبد فقولوا عبد اللہ ورسولہ» (مجھے اُس طرح نہ چڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریمؑ کو چڑھا دیا) یہ توحید صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اور سلفِ امت کے اقوال و افعال ہیں، مگر آج کل کے مدعیانِ اسلام کا کیا حال ہے؟ بجائے اس کے کہ قبر پرستی کو اسلام کے خلاف سمجھا جاتا، آج ہی قبر پرستی اسلام و خدا پرستی کی سب سے بڑی علامت سمجھی جا رہی ہے۔ نجدیوں کے برخلاف یہ تمام ہنگام صرف اسلئے ہے کہ انھوں نے چند گنبد قبروں سے ڈھا کر حکم نبویؐ کی تمسک کی ہے۔ لیکن آج کل کے "مسلمانوں" کے نزدیک نکاحی شرعی فعل "شرک" "بدعت" اور "کفر" سمجھا جاتا ہے۔ صرف عوام ہی کا حال نہیں ہے بلکہ ہر سیکہ مدعیانِ علم و ہدایت کا بھی ہے۔ خدا ان دین فروش علماء سے مسلمانوں کو نجات دے۔

۵۷ خلیل، بہت زیادہ گہرے دوست کو کہتے ہیں۔

ہے، میں تو صرف ایک بندہ ہوں، لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول (کو)۔

ترمذی نے ایک حدیث صحیح میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ بات یقین

فرمائی **اللهم انی اسألك اتول الیک بنبیک محمد بنی الرحمة، یا محمد، یا رسول اللہ! انی**

اتوکل بک الی ربی فی حاجتی لیقضیہا لی، اللہم شفعہ فی (خدا یا میں تیرے حضور

تیرے نبی محمد بنی الرحمة کا وسیلہ پیش کرتا ہوں، اے محمد! اے رسول اللہ! میں اپنی اس

ضرورت میں تجھے اپنے رب کے سامنے وسیلہ بناتا ہوں تاکہ وہ اسے پورا کر دے۔ اے

خدا میرے حق میں رسول اللہ کی سفارش منظور کر) نیز ترمذی وابن ماجہ میں عثمان بن حنیف

سے مروی ہے کہ ایک نابینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا دعا کیجے

کہ خدا مجھے اچھا کر دے۔ آپ نے فرمایا اگر تو چاہے تو دعا کروں اور اگر چاہے تو صبر

کر جب تیرے حق میں زیادہ بہتر ہے؟ اُس نے کہا نہیں، دعا کیجے۔ چنانچہ آپ نے اُسے حکم دیا

کہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا مانگے **اللہم انی اسألك واتوجه الیک بنبیک**

محمد بنی الرحمة، یا رسول اللہ، یا محمد! انی توجت بک الی ربی فی حاجتی ہذا

لتقضی، اللہم شفعہ فی (خدا یا میں تیرے نبی محمد بنی الرحمة کے ذریعہ تجھ سے سوال

کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے رسول اللہ! اے محمد! میں تیرے واسطے سے

اپنے رب کی طرف اپنی اس ضرورت کیلئے متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری ہو جائے۔ اے خدا

میرے حق میں رسول اللہ کی سفارش منظور کر) امام احمد نے بھی اپنی مسند میں یہی

حدیث روایت کی ہے اور دعا اس طرح نقل کی ہے کہ اندھے نے کہا **اللہم انی اسألك**

واتوجه الیک بنبیک محمد بنی الرحمة، یا محمد! انی توجہ بک الی ربی فی حاجتی ہذا

فتمقضی، اللہم شفعہ فی (خدا یا میں تیرے نبی محمد بنی الرحمة کے

ذریعہ اپنی اس ضرورت میں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ پوری ہو جائے۔ اے خدا

میری سفارش رسول اللہ کے حق میں اور رسول اللہ کی میرے حق میں قبول کر)۔

نابینا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا

اس حدیث میں آپ کے وسیلہ سے دعا کرنا ثابت ہے جس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ زندگی اور وفات ہر حالت میں آپ سے وسیلہ چاہنا جائز ہے اور یہ کہ نابینا اور صحابہ آپ کی زندگی میں آپ کی ذات سے وسیلہ چاہتے تھے، یعنی خدا کو آپ کی قسم دلاتے یا آپ کی ذات کے حوالہ سے دعا کرتے تھے، اور یہ کہ آپ کو وسیلہ بنانے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ بھی دعا کریں یا آپ کی اطاعت کی جائے، بلکہ ان کے خیال میں خدا محض یہ کہہ دینے سے مراد پوری کر دیتا ہے کہ ہم رسول اللہ کو وسیلہ بناتے ہیں عام اس سے کہ آپ موجود ہوں یا وفات پا چکے ہوں، عام اس سے کہ آپ دعا کریں یا نہ کریں، عام اس سے کہ آپ کی اطاعت کی جائے یا نہ کی جائے۔ حالانکہ یہ خیال باطل اور شریعت اور تانویں قدرت دونوں کے مخالف ہے۔

پھر بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ نابینا کا واقعہ ایک نظیر ہے اور اس طرح کے تمام حالات میں حجت ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے، کیونکہ ان دونوں صورتوں میں شرعاً و عقلاً بڑا فرق ہے کہ نبی صلعم نے دعا کی یا نہیں کی، اگر دعا کی تو اس کا حکم دوسرا ہے اور اگر نہیں کی تو پھر اس کا حکم کچھ اور ہے، دونوں صورتیں ایک نہیں ہیں کہ ایک کو دوسری پر قیاس کر لیا جائے۔ نابینا والی حدیث میں تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلعم نے اُسکے حق میں شفاعت کی تھی اور اسی لئے اندھے کو دعائیں یہ کہنے کا حکم دیا تھا کہ ”اللہم فشفعه فی“ (اے خدا رسول اللہ کی دعا میرے حق میں قبول فرما) پھر اسی حدیث میں ہے کہ آپ نے اُس سے فرمایا ”ان شئت صبرت وان شئت دعوت لک“ (اگر تو چاہے تو صبر کر اور چاہے تو دعا کروں) اُس نے کہا بلکہ دعا کیجیے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس نے آپ سے دعا کی درخواست کی تھی، آپ نے اُسے حکم دیا کہ نماز پڑھے اور خود بھی اپنے حق میں دعا کرے اور کہے : ”شفعه فی“ (میرے حق میں رسول اللہ کی دعا قبول کر) اس سے صاف ثابت ہوا کہ اس کا دعائیں کہنا کہ ”اسالک واتوجه الیک بنبیک محمد“ (تیرے نبی محمد کے واسطے سے تجھ

سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں) کے معنی یہ تھے کہ تیرے نبی محمدؐ کی دعا و شفاعت سے وسیلہ چاہتا ہوں۔ جیسا کہ حضرت عمرؓ نے اپنی دعا میں کہا تھا کہ ”اے خدا جب ہم قحط میں گرفتار ہوتے تھے تو تیرے نبیؐ کا وسیلہ لاتے تھے اور سیراب کر دیتا تھا“ پس یہ دونوں حدیثیں ایک ہی قسم کی ہیں اور ایک ہی معنی ظاہر کرتی ہیں اور یہ کہ رسول اللہؐ صلعم کی حیات میں صحابہؓ آپؐ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ یہ نہ تھا کہ آپؐ کی ذات کو واسطہ قرار دیتے ہوں یا وفات کے بعد بھی آپؐ سے وسیلہ چاہتے ہوں۔ بلکہ وفات کے بعد وہ آپؐ کی جگہ اور لوگوں کو وسیلہ بناتے تھے۔ حالانکہ اگر زندگی اور موت دونوں صورتوں میں آپؐ سے وسیلہ برابر ہوتا اور آپؐ کے دعا کرنے اور نہ کرنے میں کوئی فرق نہ ہوتا تو وہ کسی حال میں بھی آپؐ کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف رجوع نہ کرتے۔ بیطیح اگر وہ اندھا آپؐ کو وسیلہ بنائے جسکے لئے آپؐ نے دعا نہیں کی اُس اندھے کی طرح ہوتا جسکا ذکر حدیث میں ہے تو تمام نابینا صحابہؓ یا اُمّیں سے کوئی ایک ہی دو ایسا کرتے۔ لیکن جب اُن میں سے کسی نے بھی اس طرح کی کوئی بات نہیں کی بلکہ اسکے برخلاف عمل کیا تو معلوم ہوا کہ جس چیز کو اُنھوں نے ترک کر دیا وہ مشروع نہیں ہے اور جس پر عمل کیا وہ مشروع ہے، کیونکہ وہی لوگ سابقون الاولون ہیں، ہابردن و انصار اور تابعون لہم باحسان ہیں، ہم سے زیادہ اللہ اور رسولؐ کی معرفت رکھتے تھے، ہم سے زیادہ اللہ اور رسولؐ کے حقوق جانتے تھے اور ہم سے زیادہ سمجھتے تھے کہ کونسی دعا مشروع ہے، کونسی نافع ہے، کونسی غیر مشروع ہے اور کونسی غیر نافع ہے۔ حالانکہ وہ سخت سے سخت مصائب میں پڑے اور اُن سے مخلصی پانے کیلئے سب ہی جتن کئے مگر یہ بات کبھی نہ کی۔ اسی لئے فقہاء نے اپنی کتابوں میں استسقا کے متعلق وہی لکھا ہے جو صحابہؓ نے کیا تھا اور جو اُنھوں نے نہیں کیا اُسکا ذکر تک نہیں کیا ہے۔

اور یہ اسلئے کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں آپؐ سے وسیلہ چاہنا آپؐ سے دعا کی التجا

صحابہ و غلوں کے عمل میں فرق

کرنا تھا جو مشروع تھا۔ چنانچہ مسلمان آپ کی زندگی میں ہمیشہ آپ سے دعا چاہا کرتے تھے لیکن جب آپ نے سفر آخرت اختیار کیا تو صحابہؓ نے آپ سے کبھی دعا کی درخواست نہیں کی نہ آپ کی قبر پر کھڑے ہو کر اور نہ کسی اور کی قبر پر! جیسا کہ بہت سے لوگ صالحین کی قبروں پر جا کر اپنی مرادیں مانگتے یا خدا کو ان کی تسبیح دلاتے ہیں۔

ہرمومن سے مانی خواہش باز نہ ہے

بلکہ ہرمومن سے دعا طلب کرنا مشروع ہے حتیٰ کہ اگر حدیث صحیح ہو تو خود رسول اللہ صلم نے حضرت عمرؓ سے جب وہ عمرہ کیلئے جانے لگے، فرمایا ”لا تسئنا یا اخی من دعائک“ (برادر! اپنی دعائیں ہمیں فراموش نہ کرنا) سیطیح حکم دیا کہ او ایس قرنی سے مغفرت کی دعا چاہنا اگرچہ دعا چاہنے والا او ایس سے کہیں افضل تھا۔ بلکہ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلم نے فرمایا ”اذا سمعتم المؤمنین يقولوا مثل ما يقول اثم

صلوا علی فانہ من خلقی علی مرتۃ صلی اللہ علیہ عشر ائثم سلوا اللہ لی الوسیلة فانہا درجۃ والجنة لا تنبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجوان اكون انا ذلک العبد فمن سأل اللہ لی الوسیلة حلت علیہ شفاعتی یوم القیامۃ“ (جب مؤذن کو سنو تو ویسا ہی کہو جیسا وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجتا ہے خدا اُس پر دس دفعہ درود بھیجتا ہے، پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو جو جنت میں ایک درجہ ہے اور اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک ہی بندے کیلئے سزاوار ہے، مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں، جس نے میرے لئے وسیلہ کی دعا کی اُس کے لئے قیامت میں میری شفاعت حلال ہو گئی) حالانکہ آپ کا امت سے اپنے لئے دعا چاہنا مخلوق سے حاجت طلب کرنا نہ تھا بلکہ امت کو ایک تعلیم تھی جس سے اُسے دین میں فائدہ حاصل ہوتا ہے، چنانچہ جب ہم ایک مرتبہ آپ پر درود بھیجتے ہیں تو خدا ہم پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے اور اگر ہم آپ کیلئے ”وسیلہ“ کی دعا کرتے ہیں، قیامت کے دن آپ کی شفاعت ہمارے لئے حلال ہو جاتی ہے۔ پھر مینا ثواب اپنی نیکیوں پر نہیں حاصل ہوتا ہے

ٹھیک اتنا ہی آپکو بھی ملتا ہے بغیر اسکے کہ ہمارے اجر میں ذرا بھی کمی ہو، کیونکہ آپ نے فرمایا ہے ”من دعا لی ہدیٰ کان لہ من الاجر مثل اجور من تبعہ من غیر ان ینقص ذلک من اجورہم شیئاً“ (جس نے کسی ہدایت کی طرف بلایا تو اسے اُن لوگوں کے ثوابوں کی طرح ثواب ملیگا جنہوں نے اُسکی پیروی کی بغیر اسکے کہ خود اُن کے ثوابوں میں کچھ بھی کمی کی جائے) اور ظاہر ہے آپ ہی نے امت کو ہر نیکی کی طرف دعوت اور ہر عمل صالح کی تعلیم دی ہے اس لئے آپ کی امت جو کچھ بھی کرتی ہے اُسکا ثواب اُسی کے برابر آپ کو بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ اور سلف صالح نہ اپنے اعمال کا ثواب آپ کو ہدیہ کرتے تھے نہ آپ کی طرف سے حج کرتے، صدقہ دیتے، قرآن پڑھتے تھے، کیونکہ خوب جانتے تھے کہ یہ تمام روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ اعمال جو کچھ بھی مسلمان انجام دیتے ہیں، انہیں کے برابر اُنکا ثواب آپ کو بھی حاصل ہو جاتا ہے عام اس سے کہ ہدیہ کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ لیکن والدین کا معاملہ دوسرا ہے، انہیں اپنی اولاد کے تمام اعمال کا ثواب حاصل نہیں ہوتا اسلئے انہیں ثواب بخشا جاتا ہے۔

اور معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے اس حکم کے مطیع تھے کہ ”فَاِذَا دَرَعْتَ فَاَنْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ“ (جب فارغ ہو جائے تو مشقت کر اور اپنے رب کی طرف رجوع کر) پس ظاہر ہے کہ آپ بغیر اللہ کی طرف ہرگز رغبت نہ رکھیں گے پھر صحیح بخاری میں ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا ”یَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ“ (میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائیں گے) وہ وہ ہیں جو نہ جھاڑ پھونک کرتے ہیں نہ دغا ستے ہیں نہ شگون بد لیتے ہیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں) اس حدیث میں جنتیوں کا ایک وصف

صالح اخضر ثواب بخشے

سخت کام سے دعا کی خواہش کرنا

یہ بھی قرار دیا ہے کہ وہ جھاڑ پھونک نہیں کراتے اور ظاہر ہے کہ جھاڑ پھونک عالمی قسم سے ہے۔ اسی لئے آپ اگرچہ خود اپنے اور دوسروں پر پھونک ڈالا کرتے تھے مگر کسی اور سے کبھی اسکی خواہش نہ کرتے تھے۔ اس سے یقینیت صاف ہو جاتی ہے کہ آپ کا مات سے اپنے لئے دعا چاہنا، مخلوق کے مخلوق سے سوال کرنے کی قسم میں داخل نہیں ہے کیونکہ یہ مسلم ہے کہ سوال نہ کرنا سوال کرنا والے سے افضل ہے اور محمد معلم تمام نوع انسانی کے سردار اور آقا ہیں، پھر آپ کیونکر مخلوق سے کوئی درخواست کریں گے۔

غیر حاضر کی غیر حاضر کیلئے دعا

غیر حاضر کی غیر حاضر کیلئے دعا زیادہ مقبول ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے کیونکہ ہمیں اخلاص زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے ”اعظم الدعاء جابۃ دعاء غائب لغائب“ (سب سے زیادہ مقبول ہونے والی دعا پیٹھ پیچھے کی دعا ہے) اور صحیح مسلم میں ہے کہ فرمایا ”ما من رجل يدعو لاختیه بظہر الغیب بدعوۃ الا وکل اللہ ملکا کما دعا لاختیه بدعوۃ قال الملائکۃ الموکل بہ: آمین! ولک بمثل“ (جو کوئی اپنے بھائی کے حق میں اس کے پیٹھ پیچھے کوئی دعا کرتا ہے تو خدا اُس کیلئے ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اپنے بھائی کیلئے اُسکی ہر دعا پر کہتا ہے آمین! اور تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو) اور یہ اس بنا پر کہ مخلوق، مخلوق سے وہی چیز طلب کر سکتی ہے جسکی وہ قدرت رکھتی ہے اور ظاہر ہے کہ مخلوق کو خدا سے دعا کرنے کی قدرت حاصل ہے، اسی لئے اُس سے دعا چاہنا اور اُن چیزوں میں مخلوق سے مدد مانگنا جائز ہے جسکی اُسے قدرت حاصل ہے۔

کیا چیز مخلوق سے نہ مانگا جاوے؟

برخلاف اسکے وہ چیزیں جسکی قدرت بجز خدا کے کسی کو نہیں تو انہیں صرف اُسی ذات برتر کی طرف رجوع کرنا چاہئے، انبیاء و ملائکہ وغیرہ کی طرف انہیں رجوع جائز نہیں۔ پس خدا کو چھوڑ کر کسی مخلوق سے بھی یہ کہنا روا نہیں کہ ہمیں بخشو، سیراب کرو، کافروں پر فتویٰ بکرو، ہدایت دو کیونکہ یہ اور اس طرح کی جو باتیں ہیں اُن کا اختیار صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ ہی کو حاصل ہے۔ اسی بنا پر طبرانی نے اپنی تحفہ میں روایت کیا ہے کہ عہد نبوی

میں ایک منافق مومنوں کو بہت تکلیف پہنچا کر رہا تھا، ایک دن حضرت ابو بکر صدیق نے تنگ آکر کہا ”چلو اس منافق کے شر سے رسول اللہ کی پناہ حاصل کریں“ آپ نے سنا تو فرمایا :
 ”انہ لا یستغاث بنی وامنہا یستغاث باللہ“ (مجھ سے پناہ مانگنا رو انہیں، پناہ صرف خدا سے مانگی جاتی ہے) قرآن میں ہے کہ :

اِذْ نَسْتَعِیْثُوْنَ رَبَّنَا فَاصْبَحْنَا وَلَكُمُ الْمُلْكُ | جب تم اپنے رب سے پناہ مانگتے تھے تو خدا نے تمہاری
 سُن لی - (۱۵ : ۹)

حضرت موسیٰ کی دعائیں تھیں ”اللھم لك الحمد والیک المثلثکی والیک المستعان“ و بک المستغاث و علیک التکلان و لا حول و لا قوۃ الا بک“ (اے تمام ستائشیں تیرے لئے ہیں، تجھی سے ہر طرح کا شکوہ ہے، تجھی سے مدد مانگی جاتی ہے، تیری ہی دوائی دی جاتی ہے، تجھی پر بھروسہ ہے، اور تجھی سے ہر طرح کی طاقت و قوت ہے) ابویزید بسطامیؒ کا قول ہے ”مخلوق کا مخلوق سے پناہ مانگنا ایسا ہی ہے جیسے ڈوبتا ڈوبتے سے پناہ مانگے“ ابو عبد اللہ القرشیؒ کا مقولہ ہے ”مخلوق کا مخلوق سے پناہ مانگنا ویسا ہے جیسا قیدی، قیدی سے فریاد کرے“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قُلْ اِذْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِہِ فَلَا یَمْلِکُوْنَ کَشْفَ الضُّرِّ عَنْکُمْ وَلَا تُغْوِیْلًا، اُولَٰئِکَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَسْتَنْصِحُوْنَ اِلٰی رَبِّہِمْ الْوَسِیْلَةَ اَیُّھُمْ اَقْرَبُ وَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَ یَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّکَ کَانَ لَخَدُّ وَّرَآءِ (۱۵ : ۶)

اے پیغمبر کہہ دے کہ انھیں پکارو جنھیں خدا کے سوا سمجھے بیٹھے ہو، وہ تم سے تکلیف دور کرنے کی قدرت ہی نہیں رکھتے، جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ چاہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ مقرب ہے اور اسکی رحمت کی امید کرتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، بیشک تیرے رب کا عذاب ڈرنے کے لائق ہے۔

ایک جماعت سلف نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ لوگ ملائکہ و انبیاء کو کھپاتے

تھے، 'اسپر اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ جنہیں تم پکارتے ہو میرے ہی بندے ہیں، تمہاری طرح وہ بھی میری رحمت کی امید کرتے، میرے عذاب سے ڈرتے اور مجھ سے تقرب کی آرزو رکھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ملائکہ و انبیاء کے پکارنے اور اُن سے دعا طلب کرنے سے منع کر دیا ہے۔ حالانکہ خود اُسی نے ہمیں یہ خبر بھی دیدی ہے کہ ملائکہ ہمارے لئے دعائیں کرتے اور مغفرت چاہتے ہیں، مگر باوجود اسکے ہمارے لئے روانہ نہیں رکھا کہ اُن سے اسکی درخواست کریں۔ سبط انبیاء و صالحین اگرچہ اپنی قبروں میں زندہ ہی کیوں نہ ہوں، اگرچہ زندوں کے حق میں دعائیں نہ کرتے ہوں، اگرچہ اس بارے میں کتنے ہی آثار و اقوال موجود کیوں نہ ہوں، لیکن کسی کیلئے جائز نہیں کہ اُن سے یہ چیز طلب کرے، خصوصاً جبکہ سلف صالح میں سے کسی ایک شخص نے بھی کبھی ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ یہ اُن کے شرک اور اُنکی عبادت کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ برخلاف اسکے اُنکی زندگی میں اُن سے اس طرح کی التجا کرنے سے شرک کا اندیشہ نہیں ہے، اور اسلئے وہ جائز ہے۔ پھر یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ملائکہ یا انبیاء و صالحین اپنی موت کے بعد زندوں کیلئے جو کچھ دعائیں کرتے ہیں تو قانون قدرت کے ماتحت کرتے ہیں اور برابر کرتے رہینگے، عام اس سے کہ اُن سے دعا کی درخواست کی جائے یا نہ کی جائے۔ سائل کی درخواست اُن پر بالکل غیر مؤثر ہے، کیونکہ سائل کی غرض پوری کرنے کا حکم اس دار التکلیف میں ہے جس سے مر جانے کے بعد وہ قدرتنا مستثنیٰ ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُتَوَكَّلَ عَلَيْهِ اللَّهُ الْكِتَابُ	یہ کسی بشر کی بھی شان سے نہیں کہ اللہ اسے کتاب،
وَالْحُكْمُ وَاللَّيْثُ يَقُولُ لِلشَّائِسِ	حکم اور نبوت بخشے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا
كُونُوا عِبَادًا لِّمَنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا	کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ۔ لیکن یہ کہیں گے کہ
رَبَّانِيَّاتٍ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابُ وَمَا	ربانی بنو کیونکہ تم کتاب سکھاتے اور پڑھتے ہو، اور

نہ یہ حکم دیگا کہ ملائکہ اور انبیاء کو معبود ٹھہراؤ، کیا وہ اسلام لانے کے بعد تمہیں کفر کا حکم دیگا؟

كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنِ
تَتَّخِذُوا لِلْمَلَائِكَةِ وَالنَّبِيِّينَ آذِينَ
يَأْمُرُكُمْ بِمَا لَكُمْ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

(۱۶:۳)

اس آیت میں خدا نے صاف فرمادیا ہے کہ جو کوئی ملائکہ اور انبیاء کو ارباب ٹھہرائے گا وہ کافر ہے۔ اور فرمایا:

اے رسول! کہہ دے کہ انہیں پکارو جنہیں تم خدا کو چھو کر سمجھے بیٹھے ہو، وہ آسمانوں میں نر زمین میں ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور نہ انکی اُن میں کوئی شرکت ہے اور نہ اُن میں سے کوئی اسکا پشت پناہ ہے۔ اللہ کے ہاں شفاعت اُسی کیلئے سودمند ہوگی جسکے حق میں وہ شفاعت کی اجازت دیگا۔

قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِ
اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِنْ شَيْءٍ قُلْ فِي
السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا
بَيْنَهُمَا مِنْ شَيْءٍ وَلَا تَنْفَعُ
الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ

(۹:۲۲)

اور فرمایا:

اُسکے ہاں بنیہ اسکی اجازت کے کون شفاعت کر سکتا ہے؟

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ

(۲:۳)

اور:

اُسکی اجازت سے پہلے کوئی بھی شفع نہیں۔

مَنْ شَفِيعٌ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ (۶:۱۱)

اور:

اُنکے علاوہ تمہارا نہ کوئی مددگار ہے نہ شفع۔

مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ (۱۴:۲۱)

اور:

وہ اللہ کو چھو کر ایسوں کی پرستش کرتے ہیں جو

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ

وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ
 شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ، قُلْ أَتَنْتَبِهُونَ
 اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي
 الْأَرْضِ مُجَاهِدَةً وَتَعَالَى عَمَّا
 يُشْرِكُونَ“ (۷: ۱۱)

اور صاحبائیں کی زبانی کہلوا یا :

وَمَا لِيَ لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي
 إِلَيْهِ تَرْجَعُونَ؟ عَاثِمُ بْنُ دُوَيْنَةَ
 إِلَهَةً أَنْ يُرِيدَ فِي الْوَعْنِ بِصُورَةٍ
 تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا وَلَا
 يُنْقِذُونِ - إِنْ أَرَادْتَ إِلَّا لِيُضِلَّ
 مُبِينٍ، إِنْ أَرَادْتَ إِلَّا لِيُضِلَّ
 كَمَا سَمِعُونَ“ (۱۰: ۲۳)

شفاعت و قسم کی ہے : ایک وہ ہے جسکی خدا نے ترویج کی ہے اور وہ وہی
 ہے جسکے مشرکین عرب قائل تھے اور جسے اس اہمیت کے جاہل مانتے ہیں۔ اور دوسری
 شفاعت وہ ہے جو شفیع خدا کے حکم سے کرتا ہے اور یہ اللہ کے نیک بندوں کیلئے ثابت
 ہے۔ چنانچہ جب سید الشفاء (صلعم) سے قیامت کے دن مخلوق شفاعت کیلئے درخواست
 کریگی تو آپ رب العالمین کے حضور حاضر ہونگے اور سجدہ میں گر پڑیں گے۔ فرمایا ”فأحمد
 ربی بحماد یفقهہا علی لا احسنہا الان“ فیقال ای محمد! ارفع رأسک، وقل یرحمہ وقل
 تعطہ، واشفع تشفع“ (میں اپنے رب کی ایسی صفتوں سے ستائش کروں گا جو اس وقت

انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اور کہتے ہیں یہ لوگ
 خدا کے ہاں ہمارے شفیع ہونگے۔ اے رسول کہتے
 کہ کیا تم خدا کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ
 نہ آسمانوں میں جانتا ہے نہ زمین میں، وہ ذات بڑی
 مکملے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

مجھے کیا ہو گیا ہے کہ اُسکی عبادت نہ کروں جس
 نے مجھے پیدا کیا ہے اور جسکی طرف تمہیں لوٹ
 کر جانا ہے۔ کیا اُس معبود کے سوا دوسرے
 معبود اختیار کروں کہ اگر رحل مجھے کوئی تکلیف
 پہنچانا چاہے تو انکی سفارش میرے کچھ بھی کام نہ
 آئے اور نہ مجھے بچا سکیں۔ اگر میں ایسا کروں
 تو کھلی گمراہی میں ہوں۔ پس میری سنو کہ میں
 تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں۔

مجھے نہیں آتیں، اُسی وقت مجھ پر کھولی جائیگی، پھر کہا جائیگا اے محمدؐ، اپنا سر اٹھا اور کہہ سنا جائیگا، مانگ دیا جائیگا، شفاعت کر قبول کی جائیگی) چنانچہ جب اجازت ملیگی تو آپ شفاعت کریں گے (صلی اللہ علیہ وسلم تسلیما)۔

اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ آپ کو وسیلہ بنانے اور آپ سے شفاعت چاہنے یعنی سائل کے حق میں آپ کی دعا کے جواز سے لازم نہیں آتا کہ آپ کی وفات کے بعد یا غیر موجودگی میں بھی یہ بات (یعنی آپ کو وسیلہ بنانا یا آپ سے دعا کی درخواست کرنا) جائز ہو بلکہ حالانکہ آپ نے سائل کیلئے دعائیں کی، بلکہ اُس نے خدا کو آپ کی قسم دلائی یا آپ کی ذات کے حوالہ سے دعا کی ہے، حالانکہ صحابہؓ نے ان دونوں صورتوں میں تفریق کی ہے۔ اور یہ اسلئے کہ آپ کی زندگی میں جو کوئی آپ سے وسیلہ چاہتا تھا آپ اُس کے حق میں دعا کرتے تھے، اور معلوم ہے کہ آپ کی دعا تمام دعاؤں سے افضل ہے کیونکہ آپ تمام مخلوقات سے افضل ہیں، پس جسکے حق میں آپ نے دعا و شفاعت کی اُسے وہ افضل سے افضل دعا حاصل ہو گئی جو مخلوق، مخلوق کیلئے کر سکتی ہے، اور وہ کسی طرح بھی اُسکے برابر نہیں ہو سکتا جسکے حق میں آپ نے دعا و شفاعت نہیں کی ہے۔ جو کوئی ان دونوں کو برابر سمجھتا اور آپ کی زندگی میں وسیلہ چاہنے اور وفات کے بعد وسیلہ چاہنے کو یکساں قرار دیتا ہے وہ سخت گمراہ ہے۔

پھر یہ کہ آپ کی حیات میں آپ سے دعا طلب کرنے، آپ کی دعا سے وسیلہ چاہنے اور خود آپ کے دعا کرنے سے کسی مضرت و شرک کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ وہ سرسری خبر ہی خیر ہے، کیونکہ کوئی نبی بھی اپنی زندگی اور موجودگی میں پوچھا نہیں گیا بلکہ ہم نبی برابر شرک کی جڑ کاٹتا اور اپنی عبادت اور درجہ شرک تک پہنچنے والی تعظیم سے منع کرتا رہا۔ چنانچہ جب ایک شخص نے آنحضرتؐ کو سجدہ کیا تو آپ نے فوراً منع کر دیا۔ نیز ایک اہل موقعہ یوسف فرمایا "لا تقولوا ما شاء اللہ و شاء محمدؐ و لکن قولوا ما شاء اللہ ثم شاء

ایک وفات کے بعد آپ سے دعا کی حاجت

محمد (یہ نہ کہو کہ جو اللہ اور محمدؐ چاہے بلکہ یہ کہو کہ جو اللہ چاہے اور پھر محمدؐ چاہے)۔

لیکن آپ کی وفات کے بعد فتنہ اور شرک کا اندیشہ ہے جیسا کہ مسیح اور عزیٰر وغیرہ کے باب میں ہو چکا ہے۔ اسی لئے فرمایا ”لا تطرونی کما اطرت النصارى عیسیٰ بن مریمؑ فانما انا عبدٌ فقولوا: عبدُ اللہ ورسولہ“ (مجھے اُس طرح نہ بڑھاؤ جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریمؑ کو بڑھا دیا ہے، میں تو محض ایک بندہ ہوں، لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور رسولؐ کہا کرو) اور فرمایا ”اللہم لا تجعل قبری وثنای عبد“ (خدا یا میری قبر کو بُت نہ کیجیو کہ پوجی جائے) اور فرمایا ”لن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبورا انبیا لھم مساجد۔ یحذروا صنعوا“ (یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت کر انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد ٹھیرالیا۔ (راوی کہتا ہے) ایسا کرنے سے آپؐ منع کیا ہے)۔

غرض ہمارے پاس دو عظیم الشان اصول ہیں جو دین کی بنیاد ہیں: ایک یہ کہ بجز اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں۔ اور دوسرے یہ کہ اُسکی عبادت صرف اُسی طور پر کریں جس طور پر خود اُس نے فرار دی ہے، یعنی کوئی بدعی اور من گھڑت عبادت نہ کریں۔ یہی دونوں بنیادیں ہیں جنہیں کلمہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ استوار کرتا ہے۔ فضیل بن عیاضؒ نے ایک مرتبہ کہا ”اخلصہ واصوبہ“ (سب سے زیادہ خالص اور سب سے زیادہ درست) لوگوں نے پوچھا ”اے حضرت! یہ ”اخلصہ واصوبہ“ کیلئے؟“ فرمایا ”اگر عمل خالص ہو اور صواب (درست) نہ ہو تو غیر مقبول ہے، اور اگر صواب ہو مگر خالص نہ ہو تو بھی غیر مقبول ہے۔ عمل اُسی وقت مقبول ہوتا ہے جب بیکے نت خالص اور صواب ہو۔ خالص کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ کیلئے ہو اور صواب کا مطلب یہ ہے کہ سنت نبویؐ کے مطابق ہو“ یہی معنی ہیں اس آیت کے :

مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْلَمْ
عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ
أَحَدًا“ (۱۶ : ۳)

جو اپنے رب کی ملاقات چاہتا ہے اُسے چاہئے کہ
عمل صالح کرے اور اُسکی عبادت میں کسی کو بھی
شریک نہ رکھے۔

امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ دعا مانگا کرتے تھے ”اللہم اجعل علی کلہ صالحاً
واجعلہ لوجہک خالصاً ولا تجعل لاحد فیہ شیئاً“ (اے میرے پورے عمل کو صالح
کر دے اور اُسے خاص اپنے لئے خالص کر لے اور اُس میں کسی اور کا کوئی حصہ بھی نہ رہنے
دے) اور قرآن میں ہے :

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِّنَ
الدِّينِ مَا كَمْ يَأْذَنُ بِهِ اللَّهُ؟
کیا اُنکے ایسے شریک ہیں جنہوں نے اُن کیلئے
ایسا دین مقرر کیا ہے جسکی خدا نے اجازت نہیں
دی؟ (۲۵ : ۴)

اور صحیحین میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: ”من احدث فی
امرنا عند اللیس منه فہورد“ (جس نے ہمارے معاملہ (دین) میں کوئی ایسی بات پیدا
کی جو اُس میں نہیں ہے تو وہ بات مردود ہے) دوسری روایت بخاری میں ہے ”من علی
عملا لیس علیہ امرنا فہورد“ (جس کسی نے ایسا کام کیا جسپر ہمارا حکم نہ ہو تو وہ کام
مردود ہے) اور بخاری وغیرہ کتب صحاح میں ہے کہ فرمایا: ”انا اغنی الشراکاء عن
الشراک من عمل علما اشترک فیہ غیری فاننا منہ برئ وھو کلہ للذی اشترک“
(میں شرک سے سب سے زیادہ مستغنی ہوں جس کسی نے اپنے عمل میں میرے سوا کسی کو
شریک کیا تو میں اُس سے بری ہوں اور وہ پورا کا پورا اُس کیلئے ہے جسے شریک بنایا
گیا ہے) اسی لئے فقہاء نے کہا ہے کہ عبادات کی بنیاد توقیع پر ہے یعنی جو اور جس طریقہ
پر عبادت رکھی گئی ہے اُسی پر رہنا چاہئے۔ چنانچہ صحیحین وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے
حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے کہا: ”دا اللہ انی لاعلم انک حجر لا تضرو ولا تنفع و لا ولا

بیت کی طرف

حجر اسود کا جو امر و خطاب

انی رایت رسول اللہ صلعم یقبلک لما قبلتک « (بخدا میں جانتا ہوں کہ تو محض ایک پتھر ہے جو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں رسول اللہ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو ہرگز تجھے بوسہ نہ دیتا) اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اُسکے رسول کی پیروی اطاعت، محبت، موالات سے اپنے دل معموں کریں اور یہ کہ اللہ اور اُسکا رسول ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ نیز وعدہ کیا ہے کہ رسول کی طاعت و محبت سے ہمیں اللہ کی محبت و کرامت حاصل ہوگی۔ فرمایا:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ	اے پیغمبر کہدو کہ اگر تم لوگ اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تم سے محبت کریگا اور تمہارے گناہ بخش دیگا۔
(۱۲: ۳)	

اور فرمایا: -

إِنْ تُطِيعُوا هَٰؤُلَاءِ أَطِيعُوا اللَّهَ	اگر رسول کی اطاعت کر دگے، ہدایت پاؤ گے۔
(۱۳: ۱۸)	

اور فرمایا:

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ	جس نے اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کی تو ایسوں کو جنت میں داخل کریگا جنکے نیچے نہریں پڑی ہو رہی ہیں، انہیں وہ ہمیشہ رہینگے، اور یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔
(۱۳: ۴)	

وغیرہ بکثرت آیتیں قرآن میں موجود ہیں۔

اس بارے میں کسی کیلئے جائز نہیں کہ اُس دائرہ سے تجاوز کرے جو شریعت اور کتاب و سنت نے بنا دیا ہے اور جس پر سلف صالح برابر قائم رہے۔ نیز ہر شخص کو وہی کہنا چاہئے جسکا علم رکھتا ہے اور جو نہیں جانتا اُس پر خاموش رہنا چاہئے، خدا کے باب میں بغیر علم کچھ کہنا روا نہیں، کیونکہ اُس نے یہ سب باتیں حرام کر دی ہیں۔

احادیث صحیحہ میں ان چیزوں کا ذکر وارد ہے جسکے حوالہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے۔ مثلاً ابوداؤد وغیرہ میں ہے کہ فرمایا ”اللھم انی اسألتک بان لا تجعل لک الحمد الا انت المانع بدیع السموات والارض یا ذا الجلال والاكرام یا حی یا قیوم“ (میں تجھ سے اسلئے مانگتا ہوں کہ تیرے لئے ہر طرح کی تعریف ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو احسان کرنے والا ہے، آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا والا ہے اے جلالت و منزلت والے، اے حی، اے قیوم!) نیز ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ فرمایا: اللھم انی اسألتک بانی اشہد انک انت اللہ لا اله الا انت

انت الاحد الصمد الذی لم یولد ولم یولد ولم یکن لہ کفو احد“ (میں تجھ سے اسلئے مانگتا ہوں کہ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو واحد و احد ہے، بے نیاز ہے کہ جس نے نہ کسی کو جنا ہے نہ اُسے کسی نے جنا ہے اور جسکی کوئی نظیر نہیں)۔

تمام علما متفق ہیں کہ بجز خدا کے کسی کی قسم کھانا درست نہیں۔ چنانچہ اگر کسی مخلوقات مثلاً کعبہ، ملائکہ یا کسی پیر یا بادشاہ کی قسم کھائی تو وہ قسم لغو ہوگی اور اُسے تحریم یا تنزیہ کی بنا پر ممنوع قرار دیا جائیگا۔ کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا: ”من کان حالفاً فلیحلف باللہ اویسعت“ (جسے قسم کھانی ہو تو خدا کی قسم کھائے ورنہ خاموش رہے) ترمذی میں ہے کہ فرمایا ”من حلف بغیر اللہ

فقد استسک“ (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اُس نے شرک کیا) علما متقدمین میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ مخلوق کی قسم درست ہے۔ البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کی بابت امام احمد سے ایک روایت آئی ہے کہ درست ہے۔ لیکن یہ ایک

طے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھانا چاہئے بلکہ غرض یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی تو وہ ”قسم“ تسلیم کر لی جائیگی یعنی لغو نہ ہوگی۔ لیکن یہ بھی صحیح نہیں ہے جیسا کہ مصنف نے اُسے بیان کیا ہے (مترجم)

ضعیف اور شاذ قول ہے اور ہمارے علم میں کوئی عالم بھی اُس کا قائل نہیں۔ بلکہ جمہور علماء مثلاً مالکؒ و شافعیؒ و ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کہ وہ قسم درست نہیں جیسا کہ امام احمدؒ سے بھی ایک دوسری روایت میں مذکور ہے اور یہی صحیح ہے۔

پناہ سے پناہ مانگنا

اسی طرح مخلوقات سے پناہ مانگنا بھی جائز نہیں۔ پناہ صرف اللہ اور اُس کے اسماء و صفات ہی سے مانگنی چاہئے۔ اسی لئے امام احمدؒ وغیرہ علماء و سلف نے کلام اللہ کے غیر مخلوق ہونے پر تجلہ اور دلائل کے ایک دلیل یہ بھی پیش کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”اعوذ بکلمات اللہ التامات“ (اللہ کے کلمات تامات کی پناہ مانگتا ہوں) فرما کر کلام اللہ سے پناہ مانگی ہے حالانکہ مخلوقات سے پناہ مانگنا جائز نہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ فرمایا ”لا بأس بالرقی ما لم یکن شرکاء“ (اگر شرک نہ ہو تو بھڑا پھونک میں مضائقہ نہیں) اس سے اُس بھڑا پھونک کی ممانعت نکلتی ہے جس میں شرک ہو مثلاً جنس جنوں اور شیطانوں وغیرہ سے پناہ مانگی جاتی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے :

وَأَن تَعْلَمَ أَنَّ رِجَالَ مَثَلِ الْإِنْسِ | افسانوں میں کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ لوگوں
يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مَثَلِ الْإِنْسِ فَزَادُوهُمْ | سے پناہ مانگا کرتے تھے اس نے جنوں کو
رَهَقًا“ (۱۱:۲۹) | اور بھی مغرور کر دیا۔

اسی لئے علماء نے اُن تمام مشرکانہ ٹونوں ٹوٹکوں اور گنڈوں سے منع کر دیا ہے جو مرگی یا دوسری بیماریوں میں لوگ استعمال کرتے ہیں بلکہ ایسے تمام گنڈوں سے بھی منع کیا ہے جتنکے معنی سمجھے نہ جاتے ہوں کیونکہ ممکن ہے اُن میں شرک موجود ہو پس واضح ہوا کہ بجز خدا کے کسی کی بھی قسم کھانا یا دلانا جائز نہیں۔

وسیلہ چاہئے کہ طلب ہو

اور جو کوئی خدا سے کسی مخلوق کے ذریعہ سوال کرتا ہے تو اس کا یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ یا تو اُسے مخلوق کی قسم دے رہا ہے یا اُس مخلوق کی دعا سے وسیلہ چاہتا ہے

یا خود مخلوق کی ذات کو واسطہ قرار دیتا ہے۔ پہلی صورت یعنی خدا کو مخلوق کی قسم دینا ناجائز ہے۔ دوسری صورت یعنی انبیاء و صالحین کی زندگی میں اُن کی دعا سے وسیلہ چاہنا جائز ہے، نیز ہر ایسے سبب کو دعا میں وسیلہ بنانا جائز ہے جو قبولیت دعا کا ذریعہ ہے، جیسا کہ غار والے تین شخصوں نے اپنے اپنے نیک عمل وسیلہ بنائے تھے اور حبیباً کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان آپ کی اطاعت و محبت و موالات کو جو اجابت دعا کا ذریعہ ہے۔ رہی تیسری صورت یعنی انبیاء و صالحین کی ذات کے حوالہ سے دعا تو یہ غیر مشروع ہے۔ بہت سے علماء نے اس سے منع کیا ہے اگرچہ بعض نے اجازت بھی دی ہے، لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے جیسا کہ مذکور ہوا۔ اور یہ اس لئے کہ مخلوق کی ذات کے حوالہ سے دعا، ایک ایسی بنیاد پر دعا ہے جو قبولیت کا سبب نہیں۔ برخلاف اسکے سائل کا اپنے اعمال صالحہ کی بنا پر دعا کرنا یا صالحین کی دعا کو وسیلہ قرار دینا قبولیت کا سبب ہے اور جائز ہے جیسا کہ فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (۶ : ۱۰) | اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اُسکی طرف وسیلہ کی جستجو کرو۔

اور فرمایا :

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ (۶ : ۱۵) | جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے رب کی طرف وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔

اور ”وسیلہ“، ”اعمال صالحہ“ ہی کا دوسرا نام ہے۔

لیکن اگر ہم اپنے اعمال یا صالحین کی دعاؤں کو وسیلہ بنانے کے بجائے خود انکی ذات کو وسیلہ قرار دیتے ہیں تو ظاہر ہے یہ وسیلہ ہمارے لئے کچھ بھی سودمند نہ ہوگا کیونکہ وہ اجابت دعا کا سبب ہی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ چیز نہ صحیح طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ سلف صالح سے۔ البتہ منسک المروزی میں امام احمد سے ایک دعا منقول ہے

”وسیلہ کا دوسرا نام
”اعمال صالحہ“ ہے

”وسیلہ وہ چیز ہے
کوئی سبب و ذریعہ“

جبیں نبی صلعم کے ذریعہ سوال کیا گیا ہے۔ مگر ممکن ہے اُس سے مقصود آپ کی قسم کا جواز ہو جیسا کہ اُن سے ایک روایت میں منقول ہے۔ لیکن اعظم ترین علماء امت اسی طرف گئے ہیں کہ خدا کو مخلوق کی قسم دلانا یا مخلوق کی ذات کو وسیلہ قرار دینا ممنوع ہے۔

بلاشبہ انبیاء کا درجہ خدا کے ہاں بہت بلند ہے جیسا کہ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے متعلق آیات گزر چکیں، لیکن اُن کے درجات کی بلندی خود اُن کیلئے ہے نہ کہ ہمارے لئے، اُس سے اُنھیں نفع ہے نہ کہ ہمیں۔ ہاں ہمیں اُن کی قدر و منزلت سے اُس وقت نفع پہنچ سکتا ہے جب ہم اُنکی اطاعت کریں اور اُن سے محبت رکھیں۔ چنانچہ اگر ہم اللہ سے اُس کے نبی پر اپنے ایمان اور اُسکی محبت و موالات و اتباع کے طفیل دعا کریں تو یہ قبولیت دعا کا اعظم ترین سبب ہے۔ لیکن ایمان و اطاعت کو چھوڑ کر صرف اُن کی ذات کو وسیلہ بنانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ یہ حقیقت میں وسیلہ ہی نہیں ہے۔ کیونکہ انسان جب کسی کو کسی کے پاس وسیلہ بناتا ہے تو اُسکا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یا تو اُسے سفارش چاہتا ہے، مثلاً جس سے غرض اُنکی ہے اُسکے باپ، بھائی، دوست سے کہتا ہے کہ میری سفارش کر دو، اور یہ جائز ہے۔ اور یا وسیلہ بنانے سے مقصود قسم دلانا ہوتا ہے اور معلوم ہے کہ خدا کو مخلوق کی قسم بلکہ مخلوق کو مخلوق کی قسم دینا بھی ناجائز ہے۔ اور یا پھر وسیلہ ایسے سبب کو بناتا ہے جو حصولِ مطلب کا ذریعہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ
وَالْأَرْحَامَ (۴ : ۱۲)

اور ڈرو اللہ سے جسکے نام سے مانگتے ہو آپس میں اور قرابت کے نام سے۔

جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا۔

یہ واضح ہو چکا ہے کہ خدا کو مخلوق کی قسم دینا یا خود مخلوق کی قسم کھانا قطعاً ناجائز ہے۔ رہا اُن لوگوں کی شفاعت کو وسیلہ بنانا جنھیں شفاعت کی اجازت دی گئی ہے تو

انبیاء کی حُرمت کے طرح نفع ہو سکتا ہے؟

جائز ہے۔ نابینا نے آنحضرت صلیم سے وہی درخواست کی تھی جو صحابہؓ استسقا وغیرہ میں کیا کرتے تھے، یعنی دعا چاہی تھی، اسی لئے حدیث کے آخر میں ہے ”اللہم فشفعه فی“
 (خدا یا! میرے حق میں رسول اللہ کی شفاعت قبول کر) پس حدیث میں جو کچھ ہے
 اُس کے جواز پر تمام علما متفق ہیں اور وہ ہماری بحث سے غیر متعلق ہے۔

رہی آیت ”وَ اتَّقُوا اللَّهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ وَاَلَا دَحَامَ“ (۱۲: ۴) تو اس
 کی قرأت میں اختلاف ہے جمہور قراء نے ”ادحام“ کو منصوب (زبر سے) پڑھا ہے۔
 اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ ”اللہ کا خوف کرو جسکے نام پر باہم سوال کرتے ہو اور رشتہ
 داری کا خیال کرو“ خدا کے نام پر سوال کرنے میں خدا کی قسم دلانا اور اُسکے نام پر عہد
 کرنا داخل ہے۔ لیکن بعض قراء نے ”ادحام“ کو محذور (زیر سے) پڑھا ہے۔ اس صورت
 میں معنی یہ ہونگے کہ ”خدا سے ڈرو جسکے اور رشتہ داری کے نام پر باہم سوال کرتے ہو“
 اس قرأت کی بنا پر ایک جماعت سلف نے کہا ہے کہ عرب، باہم ایک دوسرے کو خدا
 اور رشتہ کا واسطہ دیا کرتے تھے، آیت میں اسی واقعہ کی خبر دی گئی ہے۔ بنا بریں کہا
 جاسکتا ہے کہ آیت میں رشتہ داری سے سوال کرنے کے جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔
 اور اگر بغرض تسلیم کر لیا جائے کہ اُسکے جواز پر دلیل ہے تو ”اسْأَلْکَ بِالْوَحْدِ“ (میں تجھے
 رشتہ کا واسطہ دیتا ہوں) کہنے سے قسم لازم نہیں آتی بلکہ سرے سے یہاں قسم کے معنی
 ہی نہیں کھپتے۔ ہاں رشتہ داری کے حقوق کی یاد دہانی نکلتی ہے اور یہ جائز ہے کیونکہ
 رشتہ داروں کے انسان پر حقوق ہوتے ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے
 کہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب (جیسا کہ مروی ہے) سے جب اُن کے بھتیجے عبداللہ
 بن جعفر اپنے باپ اور اُن کے بھائی جعفر کا حق یاد دلا کر کچھ مانگتے تو آپ فوراً اُسے
 دیتے تھے کیونکہ جعفر کے آپ پر حقوق تھے جن کا ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ لیکن
 اس میں قسم دلانا نہیں ہے، کیونکہ اگر عبد اللہ کا مقصود قسم دلانا ہو تا تو جعفر کے بجائے

ایک آیت کی تفسیر

خدا کی قسم دلاتے۔

ایسی قبیل سے وہ حدیث بھی ہے جسے ابن ماجہ نے ابوسعدیہ کے واسطے سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے لئے جاتے وقت یہ دعا بتائی تھی: ”اللہم انی اسألك بحق السائلین علیك، وبحق مشای هذا فانی لمرأخج اشراً ولا بطراً ولا ریا، ولا سمعة، ولكن خرجت اتقاء سخطك وابتغاء مرضاتك، اسألك ان تنقذنی من النار، وان تغفر لی ذنوبی، فانہ لا یغفر الذنوب الا انت“ (خدا یا میں تجھ سے اُس حق کے واسطے سے سوال کرتا ہوں جو تجھ پر سائلوں کا ہے اور اپنے اس چلنے کے حق سے، کیونکہ میں نہ بدنیتی سے نکلا ہوں نہ سرکشی سے، نہ ریا اور شہرت کے خیال سے بلکہ اس لئے نکلا ہوں کہ تیرے غصہ سے بچوں اور تیری خوشنودی حاصل کروں، میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ سے بچا، میرے گناہ معاف کر دے کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہ معاف کرنے والا نہیں) (اس حدیث کی اسناد میں عطیہ الکوفیؒ راوی موجود ہے جو محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔ لیکن اگر یہ صحیح ہو تو اسکی دو توجہیں ہیں: ایک یہ کہ اُس میں سائلوں کے حق اور طاعت الہی کی راہ میں چلنے والوں کے حق سے سوال کیا گیا ہے جو روا ہے کیونکہ سائلوں کا حق خدا پر یہ ہے کہ اُن کی مراد پوری کرے اور اُسکی راہ میں چلنے والوں کا حق یہ ہے کہ اُنہیں ثواب عطا فرمائے۔ اور یہ حق وہ ہے جسے خود اُس ذات برتر نے اپنے اوپر واجب کیا ہے کیونکہ کسی مخلوق کو بھی یہ منصب حاصل نہیں کہ خدا پر کوئی بات فرض کر سکتا خود قرآن میں ہے:

كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (۱۷: ۷) | تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت فرض کر لی ہے۔

اور:

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (۸: ۲۱) | ہم پر مومنین کی نصرت فرض ہے۔

اور :

وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ | اُسکا وعدہ ہے سچا تورات اور انجیل اور قرآن، وَمَنْ أَدْنَىٰ يَعْتَدِيهِ مِنَ اللَّهِ ۖ
اور خدا سے بڑھکر اپنے عہد کا کون پورا کرنے والا
(۳: ۱۱) | ہوگا۔

اور صحیح بخاری میں ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا: حق اللہ علی عبادہ

ان یعبودہ ولا یشرکوا بہ شیئاً، وحق العباد علی اللہ اذا فعلوا ذلالت ان لا

یعذبہم۔ (خدا کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اُسکی عبادت کریں اور اُسکے ساتھ کسی چیز

کو بھی شریک نہ کریں، اور بندوں کا خدا پر یہ حق ہے کہ اگر وہ ایسا کریں تو انھیں عذاب

نہ دے) اور حدیث قدسی میں ہے ”یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی و جعلتہ

بینکم وحرماً فلا تظالموا“ (اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کر لیا ہے اور

اُسے تمہارے مابین بھی حرام قرار دیا ہے، لہذا آپس میں ظلم نہ کرو) پس جبکہ سائلوں اور

عابدوں کا حق یہ ہے کہ اُنکی دعا قبول ہو اور انھیں ثواب ملے تو ایسے حق کے حوالہ سے

دعا کرنا جائز اور مفید ہے۔ اسطرح اس حدیث میں نبی صلعم کا پناہ مانگنا ہے کہ ”اعوذ بربانک

من مخطک و بما فاتک من عقوبتک، و اعود بک منک لا احصى ثناء علیک،

انت کما اثنیت علی نفسک“ (تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی اور تیری نیراز سے

تیری درگزر کی پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ مانگتا ہوں، تیری تعریف کا شمار

نہیں کر سکتا، تو ویسا ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف کی ہے) پس جس طرح خدا کی

معافی سے کہ جو خود اُسی کا فعل ہے پناہ مانگنا درست ہے، اُسی طرح اُس کے دوسرے

فعل یعنی ثواب کے حوالہ سے دعا کرنا بھی درست ہے۔

دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اور خاص اُسی کی خوشنودی کیلئے

عمل کرنا بندے کی مراد پوری ہونے کا سبب و ذریعہ ہے۔ پس وہ بالکل نبی صلعم اور

اللہ کا حق بندوں پر اور بندوں کا اللہ پر

صالحین امت کی دعاؤں سے وسیلہ چاہنے کی طرح ہے۔ اور یہ اوپر مفضل گزر چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صالحین کو ذریعہ بنانے سے مقصود یا تو خدا کو انکی قسم دینا ہو گا یا انھیں سب قرار دینا ہو گا۔ بنا بریں اگر حدیث کے لفظ ”بِحق السائلین علیک“ (اُس حق سے سوال کرتا ہوں جو سائلوں کا تجھ پر ہے) سے غرض قسم دینا ہے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اگر خدا کو کسی کی قسم دینا جائز ہے تو وہ خود اُسی کی قسم ہے۔ لیکن اگر اُس سے مقصود اُس حق کو اجابت دعا کا سبب قرار دینا ہے تو یہ ٹھیک ہے کیونکہ خود خدا ہی نے اُسے سبب قرار دیدیا ہے اور وہ سبب ہی ہے کہ اُس سے دعا کی جائے اور اُسکی عبادت کی جائے۔ اس تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام صورتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں اور ان میں سے کسی ایک میں بھی مخلوق کے ذریعہ بغیر اُسکی دعا اور ہائے عمل صالح کے سوال کرنا ثابت نہیں ہے۔

اگر سائل کیلئے یہ کہنا روا ہے کہ میں تجھ سے ملائکہ کے حق پر یا انبیاء کے حق یا صالحین کے حق سے سوال کرتا ہوں تو پھر اُس کے لئے یہ کہنا بھی روا ہو گا کہ میں ان لوگوں کے حق کی تجھے قسم دیتا ہوں۔ لیکن اگر وہ اسے جائز نہیں رکھتا کہ مخلوق کو مخلوق کی قسم دلائے تو پھر خدا کی جناب میں اس طرح کی قسمیں کیونکر جائز رکھتا ہے؟ اگر وہ کہے کہ اس قول سے میری مراد قسم دینا نہیں بلکہ اُن کے حق کو اجابت دعا کا سبب بنانا ہے۔ تو اُس سے کہا جائیگا کہ ان بزرگوں کی شخصیتوں میں کوئی ایسا سبب موجود نہیں ہے جو تیسری حاجت روائی کا ذریعہ ہو سکے۔ ہاں اگر تو چاہتا ہے کہ اُن کے وسیلہ سے فائدہ اُٹھائے تو اُسکی صورت صرف یہی ہے کہ یا تو اپنے اندر بھی وہ بات پیدا کر جو قبولیت دعا کا سبب ہے مثلاً ملائکہ و انبیاء و پیرایمان لا، اور یا پھر اسکے ساتھ خود انکی طرف سے تیرے حق میں کوئی ایسی بات صادر ہو جو سواں پورے نمونے کا ذریعہ ہے مثلاً وہ تیرے لئے دعا کریں۔ لیکن بہت سے لوگ بزرگوں کی ذات کو وسیلہ بنانے یا خدا کو انکی قسم دلانے

اور خود کھانے کے عادی ہو گئے ہیں چنانچہ انکی زبانوں پر اس طرح کی قسمیں چڑھی ہوئی ہیں کہ ”وَحَقْلَتُ عَلَى اللَّهِ!“۔ ”حقِ ہذا الشیبة علی اللہ!“ (خدا پر تیرے حق کی قسم! خدا پر اس سفیدی (بڑھاپے) کے حق کی قسم!)۔

جب اس کتاب کے ”اسألک بحق فلان او بجاہہ“ (ظالم کے حق یا جاہ سے التجا کرتا ہوں) اور نیت یہ ہوتی ہے کہ اُس پر اپنے ایمان اور اسکی محبت کی بنا پر سوال کرتا ہوں تو یہ درست ہے، لیکن عام طور پر لوگوں کی یہ نیت نہیں ہوتی۔ سائل کا اس طرح دعا کرنا کہ اے خدائیں تجھ پر اور تیرے رسول پر اپنے ایمان اور محبت کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں، نہایت بہتر دعا ہے جیسا کہ قرآن میں مومنین کی دعائیں لگی ہوئی ہیں کہ:

رَبَّنَا إِنَّا أَمِئْتُمْكَ مِنَّا وَيَا بَنِي إِدْرِی
لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ائْتِنَا بِرَبِّكَ فَإِنَّا مَعَا
رَبَّنَا فَاعْفُ رُبَّنَا ذُنُوبَنَا وَتَقَرُّعَنَا
مَسِيئَاتِنَا وَتَوَقَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ
اے ہمارے رب ہم نے ایمان کے ساتھ تو کو سنا کر اپنے
رب پر ایمان لے لے اور جو ہم ایمان لے گئے۔ پس
اے رب، ہمارے گناہ معاف کر دے، ہماری
بڑائیاں دور کر دے اور ہمیں ابرار کے ذمہ میں
وفات دے۔ (۱۱: ۴)

اور فرمایا:

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا مَا غُفِرَ لَنَا
ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (۱۰: ۳)
جو کہتے ہیں اے رب ہم ایمان لائے پس ہمارے
گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔
اور:

رَبَّنَا كُنْ لَنَا فَرِيقَيْنِ مِّنْ عِبَادِكَ
يَقُولُونَ رَبَّنَا آتِنَا مَا غُفِرَ لَنَا وَ
ارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ
میرے بندوں میں سے ایک گروہ کہتا تھا کہ اے
رب ہم ایمان لائے ہیں، پس ہماری مغفرت کر،
ہم پر رحم کر، تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا
(۶: ۱۸)

اور :

رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا آتَيْنَاكَ وَاتَّبَعْنَا
الْوَسْطَ الْوَسْطَىٰ فَكَتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ
اے رب ہم اُسپر ایمان لے آئے جو تُو نے اُنارا
ہے اور ہم نے رسول کی پیروی کی، لہذا تُو ہمیں
شہادت دینے والوں میں لکھ۔ (۱۳ : ۳)

ابن مسعودؓ دعا کیا کرتے تھے "اللھم! مرتنی فاطمت، ودعوتنی فاجبت،
وهذا سحر فاغفر لی" (اے الہی! تُو نے حکم دیا میں نے تعمیل کی، تُو نے بلایا میں نے لبیک
کہی، یہ سحر کا وقت ہے لہذا مجھے بخش دے) اسی قبیل سے اُن تین ساتھیوں کا بھی
قصہ ہے جو بارش سے بچنے کیلئے غار میں چھپ گئے تھے مگر اُس کے منہ پر چٹان آگئی
اور وہاں سے ناممکن ہو گئی اُس وقت انھوں نے اپنے اعمال صالحہ کی بنا پر دعا کی اور خدا
نے قبول فرمائی۔

ایک انصاریہ کا واقعہ

ابوبکرؓ بن ابی الدنیا نے اپنے سلسلہ سے روایت کی ہے کہ حضرت انسؓ نے کہا
"ہم ایک انصاری کی عیادت کیلئے گئے جو نہایت بیمار تھا، ہمدادی موجودگی ہی میں
اُس نے دم توڑ دیا، ہم نے اُسپر چادر پھیلادی اور اُسکی بوڑھی ماں سے گھوم کر کہا
"اے بی بی! اپنی مصیبت پر صبر کر!" اُس نے بدحواس ہو کر پوچھا "کیا مسببِ رنج
مر گیا؟" جواب ملا "ہاں!" اور زیادہ مضطرب ہو کر بولی "کیا تم سچ کہتے ہو؟ ہم
نے کہا "ہاں، ہاں" اُس نے فوراً ہاتھ اٹھا دئے اور دعا کرنے لگی "اے الہی! تو جانتے
ہے اسلام لائی اور تیرے رسولؐ کی طرف ہجرت کر کے آئی تاکہ تُو ہر مشکل میں میری
دستگیری کرے، اے میرے مولا! یہ مصیبت مجھ پر نہ ڈال!" پھر اُس نے چادر اُلٹ
دی اور وہ زندہ و تندرست ہو گیا یہاں تک کہ ہم اُس کے ساتھ کھاپی کے گھر لوٹے۔
ابونعیمؒ نے اپنی کتاب "الحلیہ" میں لکھا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے دعائیں کہاں کہاں اپنے
باپ دادا: ابراہیم واسحق و یعقوب رضی اللہ عنہم کے حق کا تجھے واسطہ دیتا ہوں، اِسپر خدا نے

حضرت داؤدؑ کو خدا کا چورا

وحی کی کہ اسے داؤد تیرے باپ دادا کا مجھ پر کیا حق ہے جو تو مجھے یاد دلاتا ہے۔ یہ چیز اگرچہ دلیل شرعی نہیں اور نہ اسرائیلیات قابلِ اعتماد ہیں مگر اُن سے مدد لینا درست ہے۔

سُنّتِ نبویؐ سے ثابت ہے کہ زندہ آدمی سے جس طرح اُن تمام چیزوں کی طلب جائز ہے جنکی وہ قدرت رکھتا ہے، اُسی طرح اُس سے دعا کی بھی خواہش جائز ہے، لیکن غیر حاضر یا مردہ سے کچھ مانگنا درست نہیں۔ نبی صلعم کو ”وسیلہ“ بنانے اور آپ کے ”ذریعہ“ سے خدا سے دعا کرنے کے الفاظ میں اجمال و اشکال ہے۔ صحابہؓ کی زبان میں تو اس کے معنی یہ تھے کہ آپ سے دعا و شفاعت کی درخواست کرتے اور آپ کی دعا و شفاعت کو وسیلہ و ذریعہ بناتے تھے۔ اور معلوم ہے کہ یہ ذریعہ اعظم ترین ذریعہ ہے۔ لیکن بہت سے لوگوں نے اپنی اصطلاح الگ بنالی ہے وہ ان الفاظ کو اُن معانی میں استعمال نہیں کرتے جن میں صحابہؓ کرتے تھے بلکہ اُن کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ خدا کو آنحضرت صلعم کی قسم دلائیں اور آپ کی ذات کو وسیلہ قرار دیں۔ حالانکہ خدا کو مخلوقات میں سے کسی کی بھی قسم دلانا جائز نہیں بلکہ خود مخلوق کیلئے بھی اُنکی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ بنا بریں یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اے خدا میں تجھے تیرے ملائکہ کی یا تیرے کعبہ کی یا تیرے صالح بندوں کی قسم دلاتا ہوں، جیسا کہ خود کسی انسان کے لئے بھی اُنکی قسم کھانا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ قسم صرف اللہ اور اُس کے اسماء و صفات ہی کی کھائی جاسکتی ہے۔ اسی لئے سُنّت یہ ہے کہ خدا سے دعا اُسکے اسماء و صفات کے حوالہ و واسطہ سے کی جائے مثلاً کہا

جائے ”اَسْأَلُكَ يَا اَللّٰهُ الْاِحْسَانَ الْاِحْمَدَ الْاِلٰهَ الْاِلٰهَ الْاِنْتِ الْمَتَّانَ بِدِيْعِ السَّمٰوٰتِ وَ

اَلْاَرْضِ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ“ وَاَسْأَلُكَ يَا اَللّٰهُ اَنْتَ

الْاَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ“ اسی طرح

صحابہؓ کی اصطلاح

یہ دعا ہے ”اللہم انی اسألك بمعاقد العز من عرشك، ومنتهی الرحمة من كتابك، وباسمك الاعظم، وجدك الاعلیٰ، وبكلمات التامات،“ (خدا یا میں تجھ سے تیرے عرش پر عزت کی گریہوں، تیری کتاب میں سے منہا سے رحمت، اور تیرے اسم اعظم اور تیرے مرتبہ اعلیٰ اور تیرے کلمات تامات کے واسطے سے سوال کرتا ہوں) لیکن اس دعا کے جواز میں بھی علما کا اختلاف ہے۔ شیخ ابو الحسن قدوری اپنی کتاب ”شرح الکرخی“ میں لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے کہا ”کسی کیلئے جائز نہیں کہ دعا میں بجز خدا کے کسی کو بھی وسیلہ قرار دے اور میرے نزدیک یہ کنا مکروہ ہے کہ ”بمعاقد العز من عرشك او یحق خلقك“ (تیرے عرش میں سے عزت کی گریہوں یا تیری مخلوق کے حق کے واسطے سے مانگتا ہوں) ابو یوسفؒ کہتے ہیں چونکہ ”معاقد العز من عرشه“ خود خدا ہے اسلئے میں اس میں کوئی روج نہیں دیکھتا البتہ انبیاء و کعبہ اشتر الحرام وغیرہ کے حق سے دعا کو مکروہ سمجھتا ہوں۔ قدوری کہتے ہیں ”مخلوق کے حوالے سے دعا ناجائز ہے کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق ہی نہیں ہے“ اس سے واضح ہوا کہ ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ وغیرہ علماء ماسوی اللہ کے حوالے سے دعا کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔

ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کا مسلک

اگر سوال کیا جائے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم کھائی ہے تو یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مخلوق کو مخلوق کی قسم نہیں کھانا چاہئے یہ کیوں ناجائز ہو کہ خدا کو اسکی مخلوق کی قسم دی جائے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ خدا نے مخلوقات کی جو قسمیں کھائی ہیں تو اس سے اُس کی تعریف و ثنا اور اسکی نشانیوں کی یاد دہانی مقصود ہے۔ لیکن ہمارا اُسے مخلوقات کی قسم دلانا شرک ہے اگر ہم اس ذریعہ سے کچھ لینا یا روکنا یا خبر کی تصدیق یا تکذیب چاہتے ہیں۔ اور جو کوئی کسی مخلوق کے حوالے سے کسی سے سوال کرتا ہے تو اس سے مقصود یا قسم دینا ہوگا جو ناجائز ہے اور کفارہ قسم دینے والے پر ہے نہ اُس پر جسے قسم دی گئی جیسا کہ ائمہ فقہ نے تصریح کی ہے اور یا مقصود قسم نہ ہوگی تو اس صورت میں وہ محض

خدا نے مخلوق کی قسمیں کیوں کھائی ہیں؟

ایک سوال ہوگا اور کفارہ کسی پر بھی عائد نہ ہوگا۔

اس سے واضح ہو کہ مخلوق کے حوالہ سے دعا کرنے والا یا تو مخلوق کی قسم کھاتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔ یا مخلوق کو محض ذریعہ و وسیلہ بناتا ہے، جسکی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

اگر کوئی کہے ”باللہ افعل کذا“ تو کسی پر بھی کفارہ نہیں۔ لیکن اگر کہے ”میں تجھے یہ کرنے کی قسم دلاتا ہوں“ یا ”بخدا تجھے یہ کرنا ہوگا“ تو اگر مخاطب اسکی قسم پوری نہ کرے تو کہنے والے پر کفارہ قسم ہے۔ رانا خدا کو دیسی قسم دلانا جیسی حضرت براء بن مالکؓ وغیرہ صحابہ دلا یا کرتے، مثلاً ”اے رب! میں تجھے ایسا کرنے کی قسم دیتا ہوں“ تو یہ ثابت ہے

چنانچہ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ نبی صلم نے فرمایا: ”رب اشعث اغبر ذی طمرین مدفوع بالابواب لواقسہ علی اللہ لا برہ“ (کہتے ہی میلے کچیلے حقیر آدمی پھٹے پڑانے کوڑے پہننے والے ایسے ہیں کہ اگر خدا کو قسم دلاویں تو وہ انکی قسم پوری کر دے) نیز النش بن النقییر از ربیع کے قصہ میں ہے کہ فرمایا ”ان من عباد اللہ من لواقسہ علی اللہ لا برہ“ (اللہ کے ایسے بندے بھی ہیں جو اگر خدا کو قسم دلاویں تو وہ پوری کر دے) لیکن یہ محض قسم ہی قسم ہے اس میں اُس ذات برتر کو کسی مخلوق کی قسم دینا نہیں ہے۔

مخلوق کو چاہئے کہ صرف وہ شرعی دعائیں مانگا کرے جو کتاب و سنت سے ثابت ہو چکی ہیں۔ کیونکہ اُن کی افضلیت مسلم ہے اور یہی اُن لوگوں کا صراطِ مستقیم ہے جو انبیاء صدیقین، شہداء صالحین کے گروہ میں خدا کی نعمتوں سے مالا مال ہو چکے ہیں۔ اور یہ اوپر گزند چکا ہے کہ عوام الناس جو یہ حدیث بیان کرتے ہیں کہ ”جب تمہیں کوئی ضرورت پیش آئے تو میرے جاہ و حرمت کے حوالہ سے دعا کرو“ تو ایک سراسر باطل حدیث ہے، نہ کسی اہل علم نے اُسے روایت کیا ہے اور نہ کسی معتبر کتاب میں موجود ہے۔ البتہ ہر دعائیں آپ پر درود پڑھنا ضرور مشروع ہے۔ اسی لئے علماء نے جب استسقاء وغیرہ کی دعا ذکر کی تو تسبیح ساتھ آپ پر درود کا بھی ذکر کرتے گئے لیکن یہ اُن میں سے کسی ایک نے بھی روایت نہیں

مذکورہ

کون دعائیں بہترین

کیا کہ درود کی طرح ہر دعائیں آپ کو وسیلہ ٹھہرانا بھی ضروری ہے، یا یہ کہ غیر اللہ سے دعا کرنا یا امداد طلب کرنا چاہئے۔ سلف صالح اور ائمہ علم میں سے کسی کے متعلق مروی نہیں کہ اُس نے مُردوں یا غیر حاضر زندوں سے دعا مانگی ہو یا اسکی اجازت دی ہو۔ ہاں بعض متاخرین سے یہ مروی ہے مگر وہ ائمہ علم مجتہدین میں سے نہیں کہ اُن کا قول و فعل قابل اعتناء ہو۔ نیز بعض متقدمین سے بھی منقول ہے کہ وہ بنی مسلم کے جاہ یا حق کے حوالہ سے دعا کرتے تھے مگر یہ بات نہ تو اُس زمانہ میں مشہور تھی نہ سنت ہی سے اُس کی تائید ہوتی ہے بلکہ سنت میں اس کے خلاف دلائل موجود ہیں جیسا کہ ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ وغیرہ سے منقول ہے۔

ابو محمد بن عبد السلام کا قول

ابو محمد بن عبد السلام فقیہ کے فتاویٰ میں ہے "قد لک حضور کسی مخلوق کو بھی وسیلہ بنانا جائز نہیں البجز بنی مسلم کے اگرنا بنیاد الی حدیث صحیح ثابت ہو جائے" لیکن جیسا کہ تم پڑھ چکے ہو نا بنیاد والی حدیث سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ خدا کو مخلوق کی قسم دینا یا رسول اللہ صلیم کی ذات کو وسیلہ ٹھہرانا جائز ہے بلکہ اُسہیں صرف آپ کی دعا سے وسیلہ چاہنا ثابت ہوتا ہے۔ پھر دعا کے مشروع و مامور بہ طریقہ کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں سے دعا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ بنی مسلم پر درود قبولیت دعا کا اعظم ترین سبب ہے اور کتاب سنت و اجماع امت سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن میں ہے :

درود کا نسخ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْهِ وَ سَلِّمُوا تَسْلِیْمًا" (۲۲: ۷)	اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، ایمان والو! تم بھی اُس پر درود اور سلام بھیجو۔
---	---

اور صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا "من صلی علی مرّة صلی اللہ علیہ عشاء" (رجس نے مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجا خدا اُس پر دس دفعہ درود بھیجے گا) اور فضال بن عبیدؒ سے مروی ہے کہ نبی صلیم نے ایک شخص کو اللہ کی حمد اور اُسکے رسول پر درود بھیجے بغیر دعا کرتے دیکھا تو فرمایا "عجل هذا" (اُس نے جلدی کی) پھر اُسے بلایا اور اُس سے یا کسی دوسرے سے

فرمایا ”اذا صلى احدكم فليبدأ بحمد ربه ثم يصل على النبي ثم يدعو بعد“
 بما شاء“ (جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو اپنے رب کی تعریف سے شروع کرے پھر نبی
 پر درود بھیجے پھر اس کے بعد جو چاہے دعا کرے) یہ حدیث احمد و ابو داؤد و نسائی و ترمذی
 نے روایت کی ہے۔ صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے
 فرمایا ”اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما يقول ثم صلوا على فان من صلى على
 صلاة صلى الله عليه عشرًا ثم سلوا الله لي الوسيلة فانها درجة في الجنة لا
 تنبغي الا لعباد من عباد الله وارجو ان اكون انا هو فمن سأل الله لي الوسيلة
 حلت عليه الشفاعة“ (جب مؤذن کو سنو تو جیسا وہ کہتا ہے ویسا ہی کو پھر مجھ پر
 درود بھیجو کیونکہ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے خدا اُس پر دس مرتبہ درود بھیجتا ہے
 پھر میرے لئے وسیلہ کی دعا کرو جو جنت میں ایک ایسا درجہ ہے کہ اللہ کے بندوں میں سے
 صرف ایک ہی بندے کیلئے سزا دار ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں جس نے
 میرے لئے وسیلہ کی دعا کی اُس کیلئے میری شفاعت حلال ہو گئی) سنن ابو داؤد و نسائی میں
 ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ مؤذن ہم سے زیادہ فضیلت حاصل کرتے
 ہیں۔ آپ نے فرمایا ”قل كما يقولون فاذا انتهت سل تقطه“ (جیسا وہ کہتے ہیں تو
 بھی کہہ جب اذان ختم ہو جائے تو دعا کر قبول ہوگی) مسند احمد میں جابر بن عبداللہؓ مروی
 ہے کہ جس نے اذان سُنکر کہا ”اللهم رب هذه الدعوة القائمة والصلاة النافعة
 صل على محمد وارض عنه رضا لا سخط بعده“ (اے خدا رب اس دعوت قائمہ اور
 صلاۃ نافعہ کے محمدؐ پر درود بھیج اور اس سے ایسا راضی ہو کہ پھر کبھی ناراضی نہ گئے) تو
 خدا اُسکی دعا قبول کر لیا۔ احمد و ابو داؤد و ترمذی و نسائی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے
 کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ”الدعاء لا يرد بين الاذان والاقامة“ (اذان اور اقامت
 کے باہین دعا رد نہیں کی جاتی) ابو داؤد میں سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم

نے فرمایا ”ساعتان تفتح فيهما ابواب السماء“ قل ما ترد على داع دعوته : عند حصول الداء والصف في سبيل الله “ (دو وقت ایسے ہیں جنہیں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور بہت کم کسی کی دعا رد کی جاتی ہے : بیماری کے وقت اور راہِ خدا میں صفتِ باندھ کر کھڑے ہونے کے وقت) سند احمد و ترمذی وغیرہ میں ابی بن کعبؓ سے مروی ہے کہ جب چوتھائی رات گزر جاتی تو آنحضرتؐ اٹھتے اور فرماتے ”یا ایہا الناس اذکوا اللہ“ جاءت الراجفة تتبعها الرادفة، جاء الموت بما فيه “ (اے لوگو! اللہ کو یاد کرو! زلزلہ آگیا اور اُس کے پیچھے دوسرا زلزلہ ہے، موت اپنی سب حالتوں کے ساتھ آگئی!) ابی بن کعبؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلم سے عرض کی کہ میں آپ پر بہت صلوٰۃ بھیجتا ہوں، فرمائیے اپنی صلاتوں میں سے کتنی آپ کیلئے کر دوں؟ فرمایا ”ما شئت“ (جتنی چاہیے) میں نے کہا ”چوتھائی“ فرمایا ”ما شئت وان زدت فهو خير لك“ (جتنی چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے حق میں بہتر ہے) میں نے کہا ”تو ادھی؟“ فرمایا ”ما شئت وان زدت فهو خير لك“ (جتنی چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے حق میں بہتر ہے) میں نے کہا ”اچھا تین حصے؟“ فرمایا ”ما شئت وان زدت فهو خير لك“ (جتنی چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمہارے حق میں بہتر ہے) اس پر میں نے عرض کی تو میں اپنی تمام صلاتیں آپ ہی کیلئے خاص کئے دیتا ہوں۔ فرمانے لگے ”اذا يكفيك الله ما اهلك من امر دينك و آخرتك“ (تو پھر خدا تجھے دین دنیا کے انکار سے سبکدوش کر دے گا) دوسری روایت میں ہے کہ یہ الفاظ فرمائے ”اذا يكفيك هلك و يغفر ذنبك“ (تو پھر تجھے بیفکر اور تیرے گناہ معاف کر دے گا) ”صلوٰۃ“ کے معنی ہیں ”معا“ قرآن میں ہے:

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ “ (۲: ۱۱)

ان کے حق میں دعا کر دیکھو کہ تیری دعا ان کے لئے

تکین ہے۔

حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا ”اللہم صل علی ال ابی او فی“ (اے خدا ابو او فی

کے خاندان پر تیرا درود ہو) ایک عورت نے عرض کی: اے رسول اللہ میرے اور میرے شوہر کیلئے دعا کیجئے۔ فرمایا ”صلی اللہ علیک وعلیٰ ذوالک“ (تجھ پر اور تیرے شوہر پر اللہ کا درود)۔ اپنی والی حدیث میں چونکہ سائل کا مقصود یہ تھا کہ میں جلب خیر اور دفع شر کیلئے دعائیں مانگا کرتا ہوں، بتائیے ان میں سے آپ کیلئے کتنی کردوں؟ اس لئے آپ برابر یہی فرماتے رہے کہ جتنی چاہو اور اگر زیادہ کر دو تو تمھارے حق میں بہتر ہے چنانچہ جب اُس نے کہا کہ میں اپنی تمام دعائیں آپ ہی کے لئے خاص کئے دیتا ہوں تو فرمایا ”تو خدا تجھے دین و دنیا کے اندیشوں سے بے فکر کر دے گا“ اور ظاہر ہے یہ وہ بڑی سے بڑی اور زیادہ سے زیادہ چیز ہے جسکے لئے دعا کی جاسکتی ہے۔ علماء اسلام نے شرعی دعائیں بیان کر دی ہیں اور بدعی دعاؤں سے اعراض کیا ہے لہذا میں بھی چاہئے کہ اُنکے نقش قدم پر چلیں۔

اس باب میں تین درجے ہیں: ایک یہ کہ غیر اللہ کو پکارا جائے جو مر چکا ہے یا غیر حاضر ہے عام اس سے کہ کوئی نبی ہو یا ولی۔ مثلاً کہے ”اے فلاں! مجھے پناہ دے، یا تیری دُعا ہی ہے، یا دشمن کو زیر کر دے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اُس سے منفعت و توبہ چاہے جیسا کہ بہت سے جاہل مشرک کہتے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ ہے کہ اُسکی قبر کو سجدہ کرے یا اُسکی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے اور سمجھے کہ یہ نماز قبلہ و نماز سے افضل ہے۔ بلکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: یہ قبرِ خواص کا قبلہ ہے اور کعبہ اعمام کا قبلہ! اور یہ کہ اُس کی زیارت کیلئے سفر، حج کے سفر کے برابر ہے، اور یہ کہ اُسکی زیارت کے لئے چند مرتبہ کا سفر ایک حج کا ثواب رکھتا ہے بلکہ بہت سے غالی تو ایک مرتبہ کی زیارت کو متعدد حجوں سے بھی افضل بتاتے ہیں! یہ چیز صاف شرک ہے اگرچہ بہت سے لوگ اُسکے مرکب کیوں نہ ہوں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ انبیاء یا صالحین میں سے جو مر گئے ہیں یا غیر حاضر ہیں اُن

سے کہا جائے: خدا سے میرے لئے دعا کرو، یا اپنے رب کے ہمارے حق میں التجا کرو۔ جیسا کہ عیسائی مریم وغیرہ سے درخواستیں کرتے ہیں۔ اس چیز میں کسی عالم کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا کہ وہ ناجائز ہے اور ایک ایسی بدعت ہے جسے سلف امت میں سے کسی نے بھی نہیں کیا۔ ہاں اہل قبور پر سلام بھیجنا اور انھیں مخاطب کرنا جائز ہے۔ چنانچہ نبی صلیم صحابہؓ کو تعلیم دیتے تھے کہ جب قبروں پر جائیں تو کہیں ”السلام“

علیکم (اھل الدین المؤمنین والمسلمین) وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون

یعفر اللہ لنا ونکم، نسأل اللہ لنا ولکم العافیۃ، اللھم لا تحرمنا اجرھم و

لا تفتننا بعدھم، واعفر لنا ولھم“ (نم پر سلام اے اس جگہ کے بسنے والو! ہم

انشاء اللہ تم سے ملجانے والے ہیں، خدا ہمیں اور تمھیں بخشے، ہم اللہ سے اپنے اور

تمھارے لئے عافیت چاہتے ہیں۔ اے خدا ہمیں انکے اجر سے محروم نہ کرنا اور

انکے بیفتن میں نہ ڈالنا اور ہمیں اور انھیں بخش دینا) ابو عمر بن عبد البر نے نبی

صلیم سے روایت کی ہے کہ فرمایا ”ما من رجل یمر بقبر الرجل کان یعرفہ فی

الدنیا فیسلم علیہ الا رد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام“ (جب

آدمی کسی ایسے شخص کی قبر پر سے گزرتا ہے جسے دنیا میں جانتا تھا اور اُسے سلام

کرتا ہے تو خدا اُس کی روح اُسے لوٹا دیتا ہے تاکہ اُس کے سلام کا جواب دیے

سنن ابوداؤد میں ہے کہ فرمایا ”ما من مسلم یسلم علی الادد الا رد اللہ علی روحی

حتی امر د علیہ السلام“ (جو مسلمان بھی مجھ پر سلام بھیجے گا تو خدا میری روح

لوٹا دے گا تاکہ اُس کے سلام کا جواب دے سکوں) یہ مشروع ہے لیکن مردہ کے

دعا چاہنا یا اور کوئی خواہش کرنا مشروع نہیں۔ مؤطا مالک میں ہے کہ حضرت

عبداللہ بن عمر جب روضہ مبارک پر جلتے تو یہ کہہ فوراً ہٹ جاتے ”السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابا بکر، السلام علیک یا ابہ“

(اے رسول اللہ آپ پر سلام، اے ابوبکر آپ پر سلام، اے باپ آپ پر سلام۔) عبداللہ بن دینار سے مروی ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا کہ حجرہ میں کھڑے ہیں اور نبی صلعم پر صلوٰۃ اور ابوبکر و عمرؓ کے لئے دعا کر رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت انسؓ وغیرہ کی بابت منقول ہے کہ وہ نبی صلعم پر سلام بھیجتے اور جب دعا کرنا چاہتے تو قبلہ رخ ہو جاتے تھے۔ کسی ایک صحابی کے متعلق بھی مروی نہیں کہ اُس نے حجرہ کی طرف رخ کر کے دعا مانگی ہو۔ بلاشبہ بعد کے بہت سے فقہاء و صوفیہ اور غوام نے اس معاملے میں لغزش کھائی مگر کوئی ایک ایسا امام بھی اس طرف نہیں گیا جسکی رائے مانی جاتی ہو اور جسے امت میں عام مقبولیت حاصل ہو۔

ائمہ اربعہ: مالکؒ و ابوحنیفہؒ و شافعیؒ و احمدؒ اور دوسرے ائمہ اسلام کا مذہب یہ ہے کہ زائر جب نبی صلعم کو سلام کر چکے اور اپنے لئے دعا کرنا چاہے تو قبلہ رخ ہو جائے۔ پھر سلام کے بارے میں اختلاف ہے کہ کس طرح کیا جائے۔ مالکؒ و شافعیؒ و احمدؒ کا مذہب ہے کہ حجرہ کی طرف منہ کر کے سلام کرنا چاہئے اور ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ سلام کے وقت حجرہ کی طرف منہ بھی نہ کرے۔ پھر اس بارے میں اُن کے مذہب میں دو قول ہیں کہ آیا حجرہ کو پشت دے کر سلام کرے یا بائیں جانب رکھے یہ سلام کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے مگر دعائیں سب یک نخت متفق ہیں کہ قبلہ رخ ہونا چاہئے۔

یہی وہ حکایت جو امام مالکؒ کی نسبت بیان کی جاتی ہے کہ اُن سے جب خلیفہ منصور نے حجرہ کی طرف رخ کر کے دعا مانگنے کی بابت پوچھا تو انھوں نے اس کی اجازت دی اور کہا ”ہو وسیلتک و وسیلۃ امیت الہ“ (وہ رسول اللہ صلعم) تیرا و تیرے باپ آدم کا وسیلہ ہیں) تو یہ امام مالکؒ پر ایک بہتان ہے۔ اس کا سلسلہ روایت مجہول ہے اور وہ اُن کے مذہب کی کتابوں اور اُن سے مستند

ائمہ اربعہ کا مذہب

امام مالکؒ کی حکایت

روایتوں کے سراسر خلاف ہے جیسا کہ اسماعیل بن اسحاق وغیرہ نے بیان کیا ہے ۔
 چنانچہ امام مالکؒ سے مروی ہے کہ جب اُن سے اُن لوگوں کے بارے میں سوال
 کیا گیا جو حجرہ کے سامنے دیر تک کھڑے ہوتے اور اپنے لئے دعا کرتے ہیں تو
 انھوں نے اس فعل کی سخت مذمت کی اور کہا یہ ایک ایسی بدعت ہے جسے سلف
 امت : صحابہؓ و تابعین میں سے کسی نے بھی نہیں کیا اور فرمایا ”لایصلح الاخر
 هذه الامة الا ما اُصلح اولها“ (اس امت کا آخر بھی اُسی سے درست ہوگا
 جس سے اُسکا اوّل درست ہوا ہے) ۔

امام مالکؒ نے جو کچھ کہا ہے وہی درست ہے کیونکہ صحابہؓ و تابعین کی تاریخ بتاتی
 ہے کہ یہ چیز اُن میں نہ تھی حالانکہ اگر دعا کے وقت حجرہ کی طرف متوجہ ہونا جائز ہوتا
 تو وہ اس سے ضرور واقف ہوتے اور اس پر سب سے پہلے عمل کرتے ۔ وعاصرت
 خدا ہی سے کی جاتی ہے اس لئے دعا کے وقت حجرہ کی طرف رُخ کرنا اُسی طرح ممنوع
 قرار دیا گیا جس طرح نماز کے وقت حجرہ یا قبر کی طرف رخ کرنا ممنوع ہے جیسا کہ
 صحیح مسلم وغیرہ میں ثابت ہے کہ نبی صلعؐ نے فرمایا ”لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا
 الیہا“ (نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ اُن کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو) لہذا اس حدیث
 صحیح کے بموجب قبروں کی طرف رُخ کر کے نہ نماز پڑھنا جائز ہے اور نہ دعا کرنا
 قبروں میں کوئی تخصیص یا امتیاز نہیں ، انبیاء اور غیر انبیاء سب کی قبریں اس حکم میں
 یکساں طور پر داخل ہیں ۔

اس بارے میں تمام مسلمان متفق ہیں کہ نماز کے لئے قبر پر جانا اور قبہ کی
 طرف رُخ کر کے ادا کرنا جائز نہیں بلکہ یہ ایک سخت بدعت و معصیت ہے ۔ اسی
 طرح دعا کے لئے قبروں پر جانا عام اس سے کہ انبیاء کی قبریں ہوں یا صالحین کی
 جائز نہیں ۔ پس جب قبر کی طرف نماز اور قبر کے پاس دعا ناروا ہے تو خود میت اور

صاحب قبر سے دعا مانگنا یا چاہنا بدرجہ اولیٰ ناروا ہوگا۔ بنا بریں مردہ سے اس طرح کی درخواستیں کرنا کہ خدا سے دعا کرو یا یہ مانگو اور وہ مانگو ناجائز ہے اور کسی حال میں بھی اس کی اجازت نہیں۔ بلاشبہ اگر وہ زندہ ہوتا تو یہ بات جائز ہوتی کیونکہ زندگی میں وہ مکلف تھا اور اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے سائل کا سوال پورا کرنے کے لئے مستعد ہو سکتا تھا مگر موت کے بعد مکلف نہیں رہا بلکہ تمام پابندیوں سے آزاد ہو گیا۔ رہی یہ بات کہ حضرت موسیٰ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں یا یہ کہ شب معراج میں انبیاء نے نبی صلعم کے پیچھے نماز ادا کی یا یہ کہ اُس عالم میں بھی صالحین ذکر الہی اور تسبیح و تہلیل میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس کے مکلف ہیں، بلکہ محض اپنے جی اور تقدیر الہی سے کرتے ہیں تاکہ اُن کی رُوح لطف و مسرت حاصل کرے۔

بنا بریں میت سے درخواست کرنا بالکل بے فائدہ ہے کیونکہ وہ اُس سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوتا، جو کچھ خدا نے مقدر کر دیا ہے اُس پر مُردے عمل کرتے ہیں اور جو نہیں کیا اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، عام اس سے کہ انھیں کتنا ہی کلا پھاڑ پھاڑ کے پکارا جائے۔ جیسا کہ فرشتوں کے متعلق ہے کہ صرف حکم خداوندی کی تعمیل کرتے ہیں۔ فرمایا :

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا مِثْلًا	کافروں نے کہا کہ خدا کے بیٹا ہے، پاک ہے
بَلْ عِبادٌ مُّشْكُوفُونَ ۚ لَا يَسْخَرُونَ	اُسکی ذات، بلکہ وہ عزت والے بندے ہیں
بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِآيَاتِهِ يَعْمَلُونَ ۚ	خدا کے آگے پیشقدمی کر کے بول نہیں سکتے اور
(۲: ۱۷)	اُسکے حکم پر عمل کرتے ہیں۔

نبی صلعم کی زندگی میں کسی چیز کے جائز ہونے سے لازم نہیں آتا کہ وہ وفات کے بعد بھی جائز ہو، کیونکہ مثلاً آپ کے گھر میں نماز پڑھنا مشروع تھا، اُسے مسجد بنانا

جائز تھا۔ لیکن وفات کے بعد جب آپ اُس میں دفن ہو گئے تو ایسا کرنا حرام ہو گیا
 چنانچہ حضرت امایہؓ "لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبور انبیاءہم مساجد۔
 یحذر ما فعلوا" کو لا ذلک لا یرزقہ ولکن کواہ ان یتخذ مسجداً" (یہود
 و نصاریٰ پر خدا کی لعنت کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد ٹھہرا لیا۔ راوی
 کہتا ہے) آپ نے ایسا کرنے سے ڈرایا ہے، اگر یہ خیال نہ ہوتا تو آپ کی قبر کھل جگہ
 میں بنائی جاتی مگر یہ ناپسند کیا گیا کہ وہ مسجد قرار دے لی جائے (اسی طرح صحیح مسلم وغیرہ
 میں ہے کہ فرمایا "ان من کان قبلکم کانوا یتخذون القبور مساجد" الا فلا تتخذوا
 القبور مساجد فانی انہا کرم عن ذلک" (تم سے پہلے لوگ قبروں کو مسجد ٹھہرا لیا
 کرتے تھے، خبر دار تم قبروں کو مسجد نہ ٹھہرانے میں تمہیں اسکی ممانعت کرتا ہوں) یا مثلاً
 یہ کہ آپ کی حیات میں، آپ کے پیچھے نماز پڑھنا جائز بلکہ افضل ترین عمل تھا۔ لیکن
 وفات کے بعد جائز نہیں کہ آپ کی قبر کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ اسی طرح زندگی
 میں آپ سے درخواست کی جاسکتی تھی کہ حکم دیں، فتویٰ صادر کریں، فیصلہ کریں۔
 لیکن اب وصال کے بعد یہ رد انہیں رہا۔ امام مالکؒ وغیرہ علمائے نو اس بارے
 میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ یہ کہنا بھی مکروہ ہے کہ "میں نے قبر نبویؐ کی زیارت" کی
 کیونکہ یہ لفظ وارد نہیں ہے اور قبر مبارک کی زیارت کے متعلق جتنی حدیثیں بھی آئی ہیں
 کی گئی ہیں سب کی سب ضعیف بلکہ سراسر باطل اور جھوٹی ہیں۔ پھر یہ لفظ (یعنی
 "زیارت") متاخرین کے عرف میں دو معنی کے لئے استعمال ہونے لگا ہے اور اس
 سے اکثر "بدعی زیارت" مراد لی جاتی ہے جو شرک کی قسم سے ہے مثلاً اس ارادہ سے
 قبر کی زیارت کہ خود اُس سے دعا کی جائے یا اُس کے واسطے سے خدا سے دعا کی جائے
 یا اُس کے پاس دعا کرنے کو افضل سمجھا جائے۔

جو شخص کی سیاست میں جائز تھا اسکا وفات کے بعد بھی جائز نہیں

امام مالکؒ اور قبر نبویؐ کی زیارت

اور شرعی زیارت یہ ہے کہ نماز جنازہ کی طرح میت کی قبر پر خالصتہً لوجہ اللہ جائے،

اُس پر سلام بھیجے، اُس کے حق میں دعا کرے۔ یہی زیارت مشروع ہے لیکن چونکہ بہت سے لوگ لفظ زیارت سے پہلے معنی، یعنی بدعی زیارت، مراد لیتے ہیں اس لئے امام مالکؒ نے یہ کہنا ہی مکروہ قرار دیا کہ ”میں نے قبر نبویؐ کی زیارت کی“ کیونکہ اس میں ابہام و اشتباہ ہے اور وہ معنی بھی نکلتے ہیں جو اہل بدعت و شرک میں مقبول ہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ مثلاً اس طرح دعا کرے ”اے خدا میں تجھ سے فلاح شخص کے ذریعہ سے یا اُس کی جاہ و حرمت کے واسطہ سے التجا کرتا ہوں“ (یا ایسی قسم کے الفاظ) تو اس کے متعلق اوپر گزر چکا ہے کہ ابو حنیفہؒ و ابو یوسفؒ کے نزدیک ممنوع ہے نیز یہ بھی مذکور ہو چکا کہ یہ چیز صحابہؓ میں مشہور نہ تھی بلکہ انھوں نے آنحضرتؐ صلیم کی وفات کے بعد آپ کے بجائے حضرت عباسؓ اور دوسرے لوگوں کی دعاؤں کو وسیلہ بنایا تھا۔

اب واضح ہو گیا کہ لفظ ”تَوَسَّلْ، وَ تَوَجَّهْ“ دو معنی میں مشترک ہے: ایک وہ جو صحابہؓ مراد لیتے تھے اور ایک وہ جو صحابہؓ مراد نہیں لیتے تھے۔ اُس کے معنی اُن کی بول چال میں یہی تھے کہ آنحضرتؐ صلیم کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنایا جائے۔ اور اسی پر قیاس کر کے ہر مومن کی دعا و شفاعت کو وسیلہ بنایا جاسکتا ہے۔ رہی وہ حدیث جو بہت سے مشائخ اپنے معتقدوں سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلیم نے فرمایا ”اِذَا اعْتَبَكُمُ الْاُمُودُ فَعَلَيْكُمْ بِاَهْلِ الْقُبُورِ (او) فَاسْتَغِينَا بِاَهْلِ الْقُبُورِ“ (جب کسی مشکل میں پھنسو تو اہل قبور کی طرف رجوع کرو (یا فرمایا) اہل قبور سے مدد مانگو) تو یہ ایک باطل اور جھوٹی حدیث ہے، تمام علماء حدیث کا اس پر اتفاق ہے، نہ کسی محدث نے اسے روایت کیا ہے اور نہ یہ کسی مستبر کتاب میں موجود ہے۔ بلکہ اُس کا بطلان بداہتہ ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ | اُس زندہ جاوید پر توکل کر جب کبھی نہیں مرے گا

دوسری

ایک جھوٹی حدیث

وَسَيَجْزِي جَعْدًا وَكَفَىٰ بِهِمْ مِثْلُ نُؤَيْبٍ | اور اُسکی ستائش کی تسبیح کر اور اپنے بندوں کے
عِبَادَةً حَبِيرًا (۳ : ۱۹) | گناہوں اُسکا باخبر ہونا پس کرتا ہے۔

بلکہ نبی صلعم نے وہ چیز بھی ممنوع قرار دے دی ہے جو اس سے قریب تھی یعنی قبروں
کا مسجد قرار دینا اور وہاں دعا وغیرہ کے لئے جانا بلکہ اُس کے مرتکب پر لعنت کی ہے
اور ایسے لوگوں کی مشابہت سے ڈرایا ہے کیونکہ یہ بُست پرستی کی اصل اور بنیاد ہے۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَقَالُوا لَا تَنْذِرُنَا إِنَّا لَجُنُودٌ كَاذِبُونَ | انہوں نے کہا اپنے معبودوں کو نہ چھوڑنا، نہ
تَنْذِرُنَا وَذَا لَا سَمَوَاتٍ وَلَا يَغُوثٌ | وہ کہ چھوڑنا، نہ سواع کو، نہ یغوث و یعوق
وَيَعُوقُ وَنَسْرًا (۱۰ : ۲۹) | و نسر کو۔

یہ لوگ (ود، سواع، یعوق، یغوث، نسر) قوم نوح میں صالحین تھے، جب
مرے تو مخلوق اُن کی قبروں کی تعظیم و تکریم کرنے لگی، پھر اُن کی تصویریں بنائیں
اور اُس کے بعد اُنکے بت گھر کر پرستش میں لگ گئی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
وغیرہ علماء سلف کا قول اوپر گزر چکا ہے۔

یہ شرک جس سے نبی صلعم نے منع کیا ہے، دوسرے تمام انبیاء کے دینوں میں بھی
ممنوع ہے۔ چنانچہ توراۃ میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مردوں سے
دعا کرنے اور شرک کی اور تمام قسموں سے منع کیا اور کہا اس سے خدا ناراض ہوتا
اور سزا دیتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ تمام پیغمبروں کا دین ایک ہی ہے اگرچہ شریعتیں
متعدد ہیں جیسا کہ صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا ”اَنَا مَحْشَرُ
الْأَنْبِيَاءِ دِينَئِذَا وَاحِدٌ“ (ہم نبیوں کا دین ایک ہی ہے) اور قرآن میں ہے :

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ | اُس نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس
نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا | کی نوح کو وصیت کی تھی اور اے رسول ہم نے

تیری طرف بھی اسی کی وحی کی ہے اور ابراہیمؑ
موسیٰ و عیسیٰ کو بھی اسی کا حکم دیا تھا کہ دین کو
قائم کرنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا، اور ایسے پیغمبر
تو جس دین کی طرف مشرکین کو بلاتا ہے وہ ان
پر بہت ہی شاق گزرتا ہے۔

وَصَيَّنَّا يَاسَا بْنَ إِسْرَٰءِيْلَ وَمُوسَىٰ وَ
عِيسَىٰ اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا
فِيْهِ، كَبُرَ عَلٰى الْمُشْرِكِيْنَ مَا
تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ « (۲۵ : ۳)

اور فرمایا :

اے پیغمبر، پاک پیغمبریں کھاؤ اور نیک عمل
کرو، میں تمہارے عملوں سے یا خبر ہوں
اور یہ تمہارا کردہ ایک ہی گروہ ہے اور میں
تم سب کا رب ہوں پس مجھی سے ڈرو،
پھر لوگوں نے آپس میں دین کے ٹکڑے ٹکڑے
کر لئے، ہر فرقہ اپنے دین سے خوش ہے۔

يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ
وَاَعْمَلُوْا صَالِحًا اَتِيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
عَلَيْكُمْ، وَاِنَّ هٰذِهِ اُمَّةٌ
وَاحِدَةٌ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْا،
فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا
كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ قَرِيْحُوْنَ «
(۱۸ : ۴)

اور فرمایا :

دین حنیف پر استوار ہو جا جو فطرت الہی ہے کہ
جس پر اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا ہے، اللہ کی خلقت
میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہ دین بالکل صاف
سید عالمؐ ہے مگر اکثر لوگ پیغمبر ہیں۔ ان ہر طرف
سے کٹ کر خدا ہی کی طرف لوٹ پڑو، اُس سے
ڈرو، نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ
یعنی ان میں سے جنہوں نے اپنا دین ٹکڑے

فَاَقِيْمُوا صُلُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْنَ حَنِیْفًا فِطْرَۃً
اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْہَا لَا تَبْدِیْلَ
لِیَخْلُقِ اللّٰہُ ذٰلِکَ الَّذِیْنَ اَقَمِمْ وَ تَكُنْ
اَلْاَشْرَکَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ، مُبِیْنًا
اِلَیْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِمُوا الصَّلٰوۃَ وَ
لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ، مِنَ الَّذِیْنَ
فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ کَانُوْا شِیْعًا، کُلُّ

حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَنَرُحُونَ ﴿۲۱﴾ | اٹکڑے کر ڈالے اور قہر سے قہر ہو کر ہر فرقہ اپنے طریقہ پر خوش ہے۔ (۲۱: ۷۷)

یہی ”اسلام“ ہے اور یہی وہ دینِ فطرت ہے جس کے علاوہ اور کوئی دین خدا کو پسند نہیں۔ اس موضوع پر مفصل بحث در سب سے مقامات میں ہو چکی ہے۔

باب (۵)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ اللہ اور اُس کے رسول نے جو بات (یعنی شرک) خاتم النبیینؐ (نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حق میں جائز نہیں رکھی، وہ آپ کے کم درجہ اولیاء و صالحین کے حق میں بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگی۔ چنانچہ کسی کو نہ خدا کے ساتھ شریک کیا جائے گا، نہ اُس کی قبر بُت بنا کر پوجی جائے گی، نہ خدا کو چھوڑ کر اُسے جیتے جی اور مرے پیچھے پکارا جائے گا۔

بنابریں کسی کے لئے روا نہیں کہ کسی ولی یا بزرگ کو اُس کی عدم موجودگی یا موت کے بعد پکارے اور کہے ”اے میرے آقا! مجھے فتحیاب کر، میری دستگیری کر، مجھ سے مصیبت ٹال دے، میں تیری پناہ میں ہوں“ وغیرہ امور جو شرک ہیں اور جنہیں اللہ اور اُس کے رسول نے حرام بتایا ہے، اور جنکی حرمت دین اسلام میں بدابہت ظاہر و واضح ہے۔

رہے وہ مکاشفات و احوال جن کا ظہور قبر پرستوں پر قبروں کے پاس ہوتا ہے تو ان سے کسی کو دھوکہ نہ کھانا چاہئے، کیونکہ وہ اکثر من گھڑت اور افسانے بنتے ہیں، اور اگر ان میں کوئی واقعی ہوتا بھی ہے تو شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ اس طرح کہ شیطان کبھی صاحب قبر کی صورت میں ظاہر ہوتا اور ان گمراہوں کی گمراہی پختہ کرنے کے لئے ان سے ہم کلام ہوتا اور ان کی بعض ضرورتیں پوری کر دیتا ہے۔ یہ سادہ لوح سمجھتے ہیں کہ وہ خود شیخ ہے جو اپنی کرامت سے اس طرح زندہ ہو کر سامنے آ گیا ہے۔ حالانکہ وہ نہ شیخ ہوتا ہے نہ اس کی کرامت بلکہ شیطان ہوتا ہے جو ان کی گمراہی بڑھانے کیلئے یوں روپ دھار کر آتا ہے۔ یہ کوئی عجیب بات نہیں کیونکہ شیطان اسی طرح مشرکوں کو گمراہ کیا کرتا ہے، بت پرستوں پر بھی ایسے ہی حالات ظاہر ہوتے ہیں جنہیں وہ اپنے بتوں کی کرامت یقین کرتے ہیں۔

مجھے اس قسم کے بہت سے واقعات معلوم ہیں، چنانچہ میں نے خود ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے میری اور دو سکے مشائخ کی ہماری عدم موجودگی میں دہائی دی تھی۔ ان کا بیان ہے کہ انہوں نے مجھے اور ان مشائخ کو ہوا میں اڑ کر اٹے اور ان کی مصیبت دور کرتے دیکھا۔ لیکن میں نے انہیں بتا دیا کہ یہ سب شیطان کی شیعہ بازیاب ہیں، وہی میری اور دو سکے بزرگوں کی صورت میں آیا تھا، تاکہ غیر موجود یا متوفی مشائخ کے پکارنے میں ان کی ہمت افزائی کرے اور گمراہی کو اور زیادہ مضبوط کر دے۔ اسی قسم کی وارداتیں عیسائیوں کو بھی پیش آتی ہیں جو اپنے بزرگوں کو پکارتے اور ان سے فریادیں کرتے ہیں۔ چنانچہ انہیں بھی نظر آتا ہے کہ اپنے جس بزرگ کو انہوں نے پکارا تھا، آگیا اور ان کی مراد پوری کر گیا۔ حالانکہ یہ سب شیطان کے ہتھکنڈے ہوتے ہیں۔

یہ لوگ جو متوفی انبیاء، صالحین، مشائخ اور اہل بیت وغیرہ سے رجوع کرتے

ہیں، اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے مکاشفات اُن پر بھی ہو جائیں۔ چنانچہ اگر کسی کو ایسی کامیابی ہو جاتی ہے تو اُسے اپنے اس مشرکانہ فعل کی کرامتِ معجزہ یقین کرنے لگتا ہے۔ مثلاً اگر کسی کو اُس شیخ کی قبر پر جسے وہ خدا کے ساتھ شریک کرتا ہے کوئی آواز سُنائی دیتی یا کوئی صورت دکھائی دیتی یا اوپر سے کھانا یا روپیہ وغیرہ اترتے نظر آتا ہے تو اسے اُس شیخ کی ولایت و کرامت سمجھنے لگتا ہے اور ایک لمحہ کے لئے غور نہیں کرتا کہ یہ سب شیطان کی کارروائی ہے جو اسے گمراہ کرنے کی فکر میں ہے اور جس کے ذریعہ وہ بُت پرستی عام کر چکا ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے دعا کی :

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ
رَبِّ اجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ إِلَّاكَ ۖ كَثِيرٌ مِمَّنْ ظَلَمَ النَّفْسَ
مَجْهُدًا وَأَنَّهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی عبادت کریں، اے رب بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ (۱۸ : ۱۳)

حالانکہ معلوم ہے خود پتھر کسی کو گمراہ نہیں کر سکتا، البتہ اُس کے ساتھ کوئی اور سبب موجود ہوتا ہے جو گمراہ کرتا ہے۔ کوئی بُت پرست بھی یہ اعتقاد نہیں رکھتا کہ بتوں نے آسمان زمین پیدا کئے ہیں بلکہ وہ انہیں خدا کے کلامِ اپنا فقط سفارشی اور وسیلہ یقین کرتے تھے۔ چنانچہ بعضوں نے انبیاء و صالحین کی مورتیں گھڑیں، بعضوں نے آفتاب، ماہتاب اور ستاروں کے بُت بنائے، بعضوں نے فرشتوں کے اور بعضوں نے جنوں کے مجسمے طیار کئے اور یہ سمجھ کر انکی پرستش کرنے لگے کہ اس طرح وہ ملائکہ و انبیاء و صالحین یا آفتاب و ماہتاب کی پرستش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ اُنکا سرِ اسرودہم تھا اور حقیقت میں وہ شیطان کی پرستش کرتے تھے۔ کیونکہ شیطان ہی اپنی پرستش سے خوش ہوتے اور طرح طرح کے حیلوں سے اُس کی ترغیب دیتے ہیں۔ رہے ملائکہ تو وہ ہرگز ایسے پسندیں گے۔ قرآن میں ہے :

شیطان کی کارروائیاں

ناراضہ شیطان پرستی

وَيَوْمَ يُعْشَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ
لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَذِهِ اَيَّتَاكُمْ كَانُوا
يَعْبُدُونَ - قَالُوا سُبْحَانَكَ اَنْتَ
وَلَيْتَنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا
يَعْبُدُونَ الْحِقَّةَ اَلَا شَرُّهُمْ حِمًّا
مُّؤْمِنُونَ ۝ (۲۲ : ۱۱)

اور جس دن ہم اُن سب کو جمع کرینگے پھر فرشتوں
سے پوچھیں گے کہ کیا یہ لوگ تمہاری ہی عبادت
کرتے تھے ؟ وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات
تو ہی اُن کے سوا ہمارا دوست ہے بلکہ وہ جنوں
کی عبادت کرتے تھے 'انہیں سے اکثر انہیں پر
ایمان رکھتے تھے -

شیطانوں کا قاعدہ ہے کہ اگر عابد شیطان پرستی کو جائز نہیں سمجھتا تو پھر
اُسے براہ راست اسکی دعوت نہیں دیتے بلکہ انبیاء، صالحین اور ملائکہ وغیرہ
مخلوقات کی عبادت کی طرف، کہ جن سے اُسے حُسن ظن ہوتا ہے، راغب کرتے
اور اس طرح بتدریج اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔ چنانچہ فریب خوردہ انسان سمجھتا
ہے کہ میں شیطان پرستی سے کوسوں دُور خدا کی نیک مخلوق کی تعظیم و تکریم و تقدیس
میں مصروف ہوں۔ لیکن اصل میں وہ شیطان پرست ہی ہوتا ہے اور انبیاء
و صالحین وغیرہ کے نام سے شیطان پوجتا ہے۔ برخلاف انکے جو لوگ شیطان
پرستی جائز رکھتے ہیں تو اُن پر وہ اول دن سے ہی کھل جاتا اور اپنی حقیقت
ظاہر کر دیتا ہے۔ انسان کا روپ بھر کر آنے والا شیطان کبھی اس قسم کے مطالبے
بھی کرتا ہے کہ اُسے سہیہ کیا جائے یا اُس سے بد فعلی کی جائے یا مُردار کھا یا اور
شراب پی جائے۔ اکثر دیکھنے والے اصلیت سے بے خبر ہونے کی وجہ سے یقین
کرتے ہیں کہ جو صورتیں دکھائی دے رہی ہیں وہ یا فرشتے ہیں یا جتناات ہیں
جو اُن سے باتیں کرنے کیلئے اُتر آئے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ اعتقاد بھی ہے
کہ جو صورتیں دکھائی دیتی ہیں وہ اولیاء اللہ جتنااتوں کی ہیں جو نظروں سے
ہمیشہ اوجھل رہتے ہیں اور جن کا نام بقول اُن کے ”رجال الغیب“ ہے۔

حالانکہ وہ سب شیطان ہی ہوتے ہیں جو انسان یا دوسری مخلوقات کے بھیس میں ظاہر ہوا کرتے ہیں۔

عرب میں قاعدہ تھا کہ لوگ جنات کی دہائی دیا کرتے تھے۔ جب کوئی کسی ایسے علاقہ میں جاتا تھا جہاں کے باشندوں سے دوستی نہ ہوتی تو کہتا تھا "میں اس علاقہ کے سردار جنات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے بد معاشوں کے شر سے محفوظ رکھے" اس اعتقاد نے جنات کو اور بھی حاوی کر دیا تھا اور وہ انہیں گمراہ کرنے میں اور بھی زیادہ مستعد ہو گئے تھے۔ چنانچہ قرآن میں ہے :

وَ اِنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ | انسان سے لوگ جنات سے پناہ مانگ کر
يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَرَاَدُوْهُمْ | تھے اس لئے انھوں نے جنات کو اور بھی غرور
رَهَقًا (۲۹ : ۱۱) | کر دیا۔

اسی طرح عجی گندے تعویذوں میں جنات کے نام آتے ہیں جن سے دھمکی اور فریادیں کی جاتی ہیں اور کبھی کبھی جنات اور شیطان ان گندوں کی وجہ سے کچھ کام بھی آتے ہیں۔ لیکن یہ چیزیں سحر و شرک کی قسم سے ہیں اور شریت میں ممنوع ہیں۔ قرآن میں ہے :

وَ اتَّبِعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِیْنُ عَلٰی | وہ اس جہنم منتر کے پیچھے پڑ گئے جو شیاطین
مُلٰکِ سُلَیْمٰنَ وَ مَا كَفَرُوْا سُلَیْمٰنَ | سلیمان کے عہد سلطنت میں پڑھا کرتے تھے
وَ لٰكِنَّ الشَّيَاطِیْنَ كَفَرُوْا یَعْلَمُوْنَ | حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیاطین نے
النَّاسِ الْیٰحْزَنُ وَ مَا اُنْزِلَ عَلٰی | کفر کیا تھا کہ لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے
الْمَلَکِیْنِ یٰۤاِبٰرٰهٖمَ هَآرُوْتُ وَ | اور اس کے پیچھے لگ گئے جو بابل میں دو
مَآرُوْتُ وَ مَا یَعْبُدَانِ مِنْ | فرشتوں ہاروت و ماروت پڑا تا را گیا تھا
اَحَدٍ حَتّٰی یَقُوْلَ اِنَّمَا غَنِمْنَا مِنْ | اور وہ کسی کو اسکی تعلیم نہ دیتے تھے یہاں تک

عرب میں جنات کا عقیدہ

بنی گندے

فَلَا تَكْفُرُوا فَيَعْلَمُونَ مِنْهُمَا
مَا يَفْتَرُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ
وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ بِضَآئِرٍ بِهِ
مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعْلَمُونَ
مَا يَصْنَعُهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
لَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ
فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ
مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا
يَعْلَمُونَ -

نے اپنے تئیں بیچا لے کاش وہ اسے جانتے۔ (۱۲ : ۱)

ان کفریات پر اعتقاد و عمل رکھنے والے کبھی ہوا میں بھی اُرتے ہیں شیطان
انہیں اٹھالیتے اور مکہ وغیرہ دور دراز ملکوں تک اُڑالے جاتے ہیں۔ لوگ
اسے کتنی ہی بڑی کرامت سمجھیں مگر ایسا شخص زندیق کافر ہی ہوتا ہے، نماز اور
دوسرے فرائض سے اعراض و انکار کرتا ہے، اللہ اور رسول کی حرام ٹھہرائی
ہوئی باتوں کو حلال سمجھتا ہے اور ہر قسم کے مکروہات و منکرات سے آلودہ رہتا
ہے۔ شیطان ایسے لوگوں کے ساتھ محض اُس کفر و فسوق کی وجہ سے ارتباط
رکھتے ہیں جو ان میں خفیہ یا علانیہ پایا جاتا ہے۔ لیکن جوں ہی وہ سچی توبہ کے
ساتھ اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاتے اور کتاب و سنت کو مضبوطی سے
پکڑتے ہیں، فوراً شیطان کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اس قسم کے تمام شیطانی
مکاشفات و احوال و تاثیرات کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ میں بکثرت ایسے لوگوں
سے واقف ہوں جو شام، مصر، حجاز اور یمن میں موجود ہیں۔ جزیرہ عراق، خراسان

شیطان کی کرامتوں کی حقیقت

اور روم میں انکی تعداد اور بھی زیادہ ہے۔ پھر مشرکین اور اہل کتاب کے ملکوں میں وہ بے شمار موجود ہیں اور اس قسم کے شیطانی شعبدوں کا شمار ہو رہے ہیں۔

شیطانی احوال کا سرچشمہ

یہ شیطانی احوال جن کا سرچشمہ کفر و فسوق میں ہے اپنے اسباب کی کمی بیشی اور قوت و ضعف کی مناسبت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جہاں ایمان و توحید کا ستون مضبوطی سے بلند ہوتا ہے، قرآن و سنت کا آفتاب روشن ہوتا ہے، وہاں یہ احوال بھی بہت کم اور کمزور ہو جاتے ہیں اور جہاں کفر و فسق و عصیان کا زور ہوتا ہے وہاں شیطان بھی اپنے کرب بہت زور شور سے دکھاتے ہیں تاکہ گمراہی اور بھی زیادہ ہو جائے۔ اسی طرح جس شخص میں کفر و ایمان دونوں کے مادے جمع ہوتے ہیں تو اسپیرالمی و شیطانی دونوں حالتیں طاری ہوا کرتی ہیں۔ جس وقت جس مادہ کا زور و غلبہ ہوتا ہے اُس کے اثرات ظاہر ہو جاتے ہیں۔ خاص مشرکین جو اسلام و ایمان کی لذت سے بالکل نا آشنا ہیں مثلاً بخشبہ، طونہ، بدی وغیرہ ترک ہند و خطا و ختن کے علماء مشرکین و مشائخ کفار کے فرقوں میں شیطانی احوال کا ظہور بہت زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ ہوا میں اڑتے اور غیب کی باتیں بتاتے ہیں، اُن کا دُف بھی اڑتا اور اُن لوگوں کے سروں پر خود بخود پڑتا ہے جو اُن کے مقررہ طریقہ کے خلاف جاتے ہیں۔ اسی طرح جس جام میں وہ شراب پیتے ہیں وہ بھی ادھر ادھر حرکت کرتا نظر آتا ہے اور اُس کا محرک کوئی دکھائی نہیں دیتا۔ اسی طرح اگر اُن میں سے کوئی غیر آباد جگہ میں ہوتا ہے اور حمان آ جاتے ہیں تو اُن کیلئے طرح طرح کے کھانے خود بخود اُترتے دکھائی دیتے ہیں اور قسم قسم کی شہابیہ آموجود ہوتی ہیں۔ دیکھنے والے ان باتوں پر تعجب کرتے اور ان مشرکین کی کرامت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ سب شیطانوں کے ہاتھوں عمل میں آتا اور ظاہر ہوتا ہے جو قریب کی آبادیوں سے کھانا اور شراب وغیرہ پُر لاتے ہیں۔ اسی طرح نو مسلم

مترکوں میں بھی جو یا تو مشرک ہوتے ہیں یا ناقص الایمان، اس قسم کی باتیں کمشہر دیکھنے میں آتی ہیں، رہے تاتاری جو سراسر کافر ہیں تو بان میں اُنکی اور بھی زیادہ گرم بازاری ہے۔

اسی طرح اُن مسلمانوں میں بھی جو تحقیق توحید سے بے بہرہ، اتباع رسولؐ سے دور اور مشائخ وغیرہ کو پکارتے اور اپنا قبلہ حاجات بناتے ہیں، شیطانی احوال پائے جاتے ہیں۔ جو کوئی شیطان کو جتنا زیادہ خوش رکھتا ہے اتنا ہی زیادہ اُس پر اسکا اثر ہوتا ہے۔ اس گروہ میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن میں دین و عبادت پائی جاتی ہے مگر چونکہ جہل و عبادت کی تاریکیاں چھائی ہوتی ہیں اس لئے شیطان کو اُن پر دسترس حاصل ہو جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اُن میں سے کوئی اڑ کر عرفات میں پہنچ جاتا اور اپنے آپ کو حاجیوں کے ساتھ کھڑا پاتا ہے۔ وہ اپنی جہالت کی وجہ سے اسے کرامت و عمل صالح یقین کر کے خوش ہوتا ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی غور نہیں کرتا کہ یہ نہ عبادت ہوئی نہ کرامت بلکہ محض شیطانی کی ایک شعبہ بازی ہوئی جس نے اُس پر غیر محسوس طریقہ سے قبضہ جما لیا ہے کیونکہ جس ج کے لئے نہ احرام باندھا گیا، نہ مزدلفہ میں قیام کیا گیا، نہ طوافِ اخصہ کیا گیا، اور نہ اور ارکان و شرائط پورے کئے گئے، وہ کسی مسلمان کے نزدیک بھی ج نہیں بلکہ ایک معصیت ہے اور ہرگز جائز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و صحابہ جو مشائخ و صوفیہ سے کہیں افضل تھے، اُن میں سے کسی ایک کو بھی اس طرح کی کوئی صورت پیش نہیں آئی بلکہ وہ عام آدمیوں کی طرح سفر کی مشقتیں برداشت کر کے حج اور دوسری عبادتیں ادا کرتے رہے۔ اس قسم کا واقعہ ایک شیخ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اسکندریہ سے اڑ کر عرفات پہنچ گیا تھا۔ جہاں اُس نے دیکھا کہ فرشتے اُترتے ہیں اور حاجیوں کے نام لکھ رہے ہیں۔ اُس نے اُن سے پوچھا

کیسے مسلمانوں پر شیطان قابو حاصل کر لیتا ہے؟

تم نے میرا نام بھی لکھ لیا ہے؛ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں، کیونکہ تو نہ تھکا نہ اُس
 طور پر آیا جس طور پر تمام حاجی آئے ہیں اس لئے تیرا حج ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح
 بعض مشائخ کی بابت مروی ہے کہ اُن سے اس قسم کے حج کے متعلق سوال کیا گیا
 تو کہا، ایسے حج سے فرض ساقط نہیں ہوا کیونکہ تم نے خدا و رسول کے حکم کے
 بموجب حج نہیں کیا۔

دین اسلام کی بنیادیں

دین اسلام دو بنیادوں پر استوار ہے : ایک یہ کہ بلا شرکت غیر تنہا اللہ
 ہی کی عبادت کی جائے اور دوسرے یہ کہ اُس طور پر کی جائے جس طور پر اُس نے
 اپنے نبی محمد صلیم کی زبانی مقرر کر دی ہے۔ یہی وہ دو اصل الاصول ہیں جنہیں کلہ
 اسلام و ایمان : لا الہ الا اللہ، محمد رسول اللہ، پیش کرتا ہے۔ اور آیۃ
 کے معنی یہ ہیں کہ جسکی عبادت و محبت، استکرام و تعظیم، خوف و رجا، اجلال و اکرام
 دلوں کو گھیرے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا بندوں پر یہی حق ہے کہ اُس کے ساتھ کسی
 کو بھی شریک نہ کیا جائے۔ پس اُسی کو پکارا جائے، اُسی کی عبادت کی جائے،
 اُسی سے ڈرا جائے، اُسی سے امید رکھی جائے اور اُسی کی اطاعت کی جائے۔
 رسول اللہ صلیم کا درجہ یہ ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے پہنچانے والے
 ہیں۔ پس حلال وہی ہے جسے اللہ نے حلال کیا ہے اور حرام وہی ہے جسے اللہ
 نے حرام ٹھہرایا ہے اور دین وہی ہے جو خود اُس نے مقرر کر دیا ہے۔ رسول اللہ
 صلیم اللہ اور اُس کی مخلوق کے مابین واسطہ ہیں جو اُس کے پیغام پہنچاتے، اُس
 کے حکموں سے آگاہ کرتے، اُس کے وعدہ و وعید کی خبر دیتے ہیں۔ رما د عاؤں کا
 قبول کرنا، بلاؤں کا دور کرنا، ہدایت سے سرفراز کرنا، دولت و نعمت سے مالا مال
 کرنا تو یہ سب صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ وہی بندوں کی صدائیں سنتا ہے
 اُن کے ٹھکانے جانتا ہے، اُن کا ظاہر و باطن دیکھتا ہے، اُسی کے قبضہ قدرت

میں ہے کہ جسپر چاہے بارانِ رحمت نازل کرے، جسکی مصیبتیں چاہے دور کر دے، جسے چاہے دنیا بھر کے خزانے دیدے۔ وہ اپنے بند و نکی حالت معلوم کرنے میں کسی کا بھی محتاج نہیں، انکی مرادیں پوری کرنے میں کسی کی مدد کا بھی خواہشمند نہیں، کیونکہ وہ خود سمیع و عظیم و قدیر ہے۔ اُسی نے وہ تمام اسباب و وسائل پیدا کئے ہیں جن سے طہارتِ روحانی ہوتی اور مسرت و سعادت آتی ہے، وہ مسببِ الاسباب ہے، تنہا و یگانہ ہے، غنی و بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے نہ کوئی اُس کا بیٹا ہے، سب اُسکے بندے اور اُسکی مخلوق ہیں، نہ اُسکا کوئی ہمسر ہے نہ نظیر ہے نہ ساتھی ہے :

يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | آسمان و زمین میں جو بھی ہے سب اُس سے مانگتے
 كَلَّا يَوْمَ هُوَ فِي شَأْنٍ - (۱۲ : ۲۴) | ہیں، وہ ہر دن ایک نہ ایک کام میں رہتا ہے
 پس آسمان والے بھی اُسی سے مانگتے ہیں، زمین والے بھی اُسی سے مانگتے
 ہیں، وہ سب کی صدائیں یکساں طور پر سنتا اور سب کی بولیاں سمجھتا ہے۔ یہ نہیں بتا
 کہ ایک کی سنتے وقت دوسرے کی نہ سُننے یا ایک کو دیتے وقت دوسرے کو نہ
 دے سکے، زبانوں کا اختلاف، بولیوں کی کثرت، سائلوں کا شور اُسے پر نشان
 نہیں کر سکتا، اُسکے کان بیک وقت سب کیلئے کھلے ہوتے اور اُس کے ساتھ
 سب کو دیتے رہتے ہیں۔ بلکہ وہ سائلوں کی الحاح و زاری اور اصرار و تقاضا کو
 پسند کرتا ہے۔ چنانچہ جب صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام دریافت کرتے تھے تو
 خود اللہ برتر جواب دیتا تھا۔ مثلاً فرمایا :

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلِ كُلِّ نَجْشٍ | تجھ سے ہلال (چاند) کے متعلق پوچھتے ہیں، کیسے
 مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْجَنَّةِ - (۸ : ۲) | کہ وہ لوگوں اور جہنم کے اوقات ہیں۔
 وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلْ | پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہہ دو کہ غفور یعنی جو
 الْعَفْوُ - (۱۱ : ۲) | مال ضرورت سے زائد ہو۔

يَسْتَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ | شہر حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں، کہدو
قِتَالٍ فِيْهِ؛ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كِبْرٌ (۱۱:۲) | کہ اس میں جنگ بہت بُری چیز ہے۔

بلکہ جب خود اُس ذاتِ برتر کے بارے میں سوال کیا گیا تو فرمایا :

وَ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ قِتَالٌ | جب میرے بندے میری بابت تجھ سے پوچھیں تو
قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ | میں اُن سے قریب ہوں، مجھ سے دعا کرنا واجب
(۷:۲) | مجھے پکارنا ہے تو میں اُسکی سُنْتا اور قبول کرتا ہوں۔

اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ ”کہدے.....“ بلکہ براہِ راست خود ہی جواب
دیدیا کہ میں تم سے بالکل نزدیک ہوں اور تمھاری دعائیں سُنْتا اور قبول کرتا ہوں۔
بنابریں خدا کے بندوں کو خدا ہی سے دعا کرنا چاہئے کیونکہ وہ اُن سے بالکل قریب
ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب نبی صلعم نے صحابہؓ کو ذکر و دعائیں چلاتے دیکھا

تو یہ کہہ کر منع کیا ”ایھا الناس اربعوا علی انفسکم فانکم لاتدعون صم
ولا غائبا“ (اے لوگو قابو میں رہو، تم کسی پرے یا غیر موجود کو نہیں پکار
رہے ہو، تم سمیع و قریب کو پکار رہے ہو، جسے تم پکار رہے ہو وہ تم سے تمھاری
سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے) اور فرمایا: ”اذا قام احدکم الی

صلاته فلا یبصقن قبل وجہہ فان اللہ قبل وجہہ“ (جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے
میمنہ ملکا“ (لیکن عن یسارہ و تحت قدمہ) (جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے
منہ کے سامنے نہ تھوکے کیونکہ اللہ اُس کے منہ کے سامنے ہے نہ دائیں جانب
تھوکے کیونکہ اُسکے دائیں طرف ایک فرشتہ ہوتا ہے، لیکن بائیں جانب اور
اپنے پیروں کے نیچے تھوک لے) یہ حدیث صحیح بخاری میں متعدد وجوہ سے مروی

وہ اعلیٰ و اجل آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر متمکن ہے، اپنی مخلوق سے الگ ہے، مخلوقات میں کوئی چیز بھی اُسکی ذات کا حصہ نہیں اور نہ اُسکی ذات میں مخلوقات میں سے کوئی چیز داخل ہے۔ وہ غنی و حمید عرش و کرسی اور تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، کسی کا بھی محتاج نہیں، بلکہ وہی اپنی قدرت سے عرش اور اُس کے اٹھانے والوں اور تمام جہانوں کو سنبھالے ہوئے ہے۔

اُس ذات برتر نے کائنات کے درجے اور طبقے بنا دئے ہیں مگر نہ اعلیٰ کو ادنیٰ کا محتاج کیا ہے اور نہ ادنیٰ کو اعلیٰ کا۔ وہ خود سب سے بلند و ارفع ہے، رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ہے اور ویسا ہے جیسا خود اُس نے اپنے شعلق فرما دیا ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ ۚ
وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ
وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ۚ
سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ

انہوں نے خدا کی ویسی قدر نہ کی جیسی کرنا چاہئے
تھی حالانکہ قیامت کے دن یہ ساری زمین اُسکی
مٹھی میں ہوگی اور آسمان اُسکے ہاتھ میں لپیٹے
ہونگے، اُسکی ذات اُن کے شرک سے پاک اور
برتر ہے۔ (۲۴: ۲)

وہ ذات والا اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے کہ اُسے کوئی اٹھائے، سنبھالے، سہارا دے، مدد دے، بلکہ وہ فرد و یگانہ ہے، مستغنی و بے پروا ہے، نہ اُسے کسی نے جُنا ہے نہ اُس نے کسی کو جُنا ہے، وہ بے نظیر ہے، واحد و احد ہے، سب اُسکے محتاج ہیں، وہ کسی کا بھی محتاج نہیں، بلکہ وہ خود سب کا آقا اور سب کا دینے والا ہے۔

یہ تمام مباحث دو کے مقامات میں مفصل گزر چکے ہیں جہاں محمد صلیم کی لائی ہوئی قوی و عملی توحید پر پوری طرح روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ لیکن یہاں بھی ایک اشارہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ توحید قوی سورہ ”قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ“ میں موجود ہے اور توحید عملی سورہ ”قُلْ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا“ میں یہی وجہ ہے کہ نبی صلیم

یہ دونوں سورتیں نمازِ فجر اور سنتِ طواف وغیرہ میں پڑھا کرتے تھے۔ نیز ان دونوں نمازوں میں ذیل کی آیتیں بھی اکثر تلاوت کرتے تھے۔ چنانچہ پہلی رکعت میں پڑھتے:

قُولُوا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ
اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلَى اٰبْرٰهِيْمَ
وَاسْمٰعِيْلَ وَاسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ
الْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَ
عِيسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ
رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ
وَتَحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ (۱ : ۱۶)

کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اور اُس چیز پر جو ہم پر اتاری ہے اور جو ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور اُنکی اولاد پر اتاری ہے اور جو کچھ موسیٰ و عیسیٰ پر اور دوسرے نبیوں پر اُن کے رب کی طرف سے اُتر رہا ہے ہم ان میں سے کسی سے کسی ایک کی بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم اُس خدا کے فرمانبردار ہیں۔

اور دوسری رکعت میں پڑھتے:

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَمٰآزَاۤا اِلٰى
كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنِنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ
لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ
شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
اَدْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَارِئ
تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (۳ : ۱۵)

اے پیغمبر کہہ دے کہ اے اہل کتاب اس بات کی طرف آ جاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے یعنی یہ کہ سب اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو بھی اُسکا شریک نہ بنائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم میں سے کوئی کسی کو رب نہ بنائے، اگر تم اسے نہ مانو تو ان سے کہہ دو کہ گواہ رہو ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

پہلی آیتوں میں قولی ایمان اور اسلام بیان کیا گیا ہے اور دوسری آیتوں میں اسلام اور عملی ایمان موجود ہے۔ اللہ کا اپنے بندوں پر جو احسان سب سے بڑا ہے وہ ”اسلام و ایمان“ ہے اور وہ ان دونوں آیتوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

یہ وہ استقنار اور اُس کا جواب ہے جسے میں نے یہاں پیش کر دینا مناسب سمجھا کیونکہ اس میں اختصار کے ساتھ اہم مقاصد مفید قواعد اور توحید پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ توحید ہی شران اور ایمان کی تمام کتابوں کی جان ہے اور بحث کی وسعت اور عبارتوں کی بوقلمونی نہایت اہم اور بندوں کے دینی و دنیاوی منافع کیلئے از حد



کریلی پریس لاہور میں باہتمام میر قدرت اللہ پرنٹر

چھپوا کر

محمد عبدالعزیز خاں مہتمم الحلال یک ایجنسی لاہور
نے شائع کیا

مطبوعات اہلالِ بک اکیسی لاہور

(تصانیف مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ)

(۱) الفرقان بین اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان - دنیا کی دو متضاد قوتوں: خیر و شر، حق و باطل اور نور و ظلمت کے خصائص و اعمال اور ان اعمال کے نتائج و عواقب کی حقیقت پر ایک تفصیلی بحث اور قرآنی آیات کو بطور ثبوت پیش کر کے انکی ایک جامع تفسیر بیان کی ہے۔ قیمت ۶ ر

(۲) ایلاء و تنجیس - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ "ایلاء" آیت تنجیس کا شان نزول اور سورہ تحریم کی تفسیر وغیرہ، تفسیر حدیث اور تاریخی مضامین پر ایک نہایت نفیس اور مشترک بحث ہے۔ خصوصاً مغربی تعلیم کے شیفتہ و دلدادہ نوجوانوں کیلئے ایک متقل درجہ بصیرت و معظمت ہے اور دینی علوم حقہ کی رہنما قیمت ۶ ر

(۳) حقیقت الصلوٰۃ - نماز جیسے اہم فرض کی حقیقت پر جسکی پابندی میں ہر مسلم کو ہر روز پانچ مرتبہ خدائے برتر و توانا کے دربار میں حضوری کا شرف حاصل ہوتا ہے، اس قدر مؤثر، اس قدر دلنشین اور اس قدر اچھوتی کوئی کتاب اس وقت تک شائع نہیں ہوئی۔ قیمت - - - ۶ ر

(۴) الحرب فی القرآن - یہ کتاب بمحبتِ حرب پر قرآنی نقطہ خیال سے نہایت بینظیر مرقع ہے۔ قرآن حکیم سے جنگ کی حقیقت نہایت شرح و بسط کے ساتھ واضح کی گئی ہے اور دکھایا ہے کہ جاہلیت میں عرب جنگ کو کیا سمجھتے تھے اور انھوں نے اسکا کیسا نمونہ پیش کیا، پھر اسلام نے اس کے تمام مفاسد و نقائص کو مٹا کر کس طرح اسے ناگزیر مواقع پر نہایت درجہ کم مغفرت رسان دیا؟ اسی ضمن میں "جہاد" پر ایک حقیقت فرما بحث کی گئی ہے۔ قیمت - - - ۱۰ ر

(۵) اسوۂ حسنہ ترجمہ ہدی الرسول "اختصار زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" - (تصنیف حافظ ابن قیمؒ) اسوہ حسنہ کا ترجمہ مولوی عبدالرزاق بیچ آبادی، مدیر "الجامعہ" کلکتہ نے نہایت لیس اور عام فہم اردو میں کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانحی پر ایک نہایت جامع اور بینظیر کتاب ہے۔ آپؐ کا وجود مبارک تحیاتِ لطیبہ کا کال نمونہ تھا، آپؐ کی دروہانی صلاح و ستاد کے مہول و توانا اپنے ساتھ لائے جو بعینہ قرآنی اصول تھے جسکی پیروی و پابندی سے سلف صالح ترقی و تمدن، غفلت شوکت کی معراج تک پہنچے اور جنگی ترک و حیران نے مسلمانوں کو آج اس بلندی اس پستی میں لاگرایا اور جہانگیری جہان بینی کے بدلے انبیاء کا محکوم و غلام بنا دیا۔ آپؐ کی سیرۂ من صرف جنگوں و غزوات کے حالات بلکہ آپؐ کے اخلاقی معاشرتی اور خانگی حالات کی تفصیل کر کے اسوہ نبویؐ کو کھوکھو لکھتے کے سامنے رکھ دیا گیا ہے تاکہ مسلمان پورے طور پر زندگی کے ہر شعبہ میں شیعہ ہدایت کا کام لے سکیں۔ حجم ۲۰ صفحات۔ قیمت ۶ ر

چلنے کا پتہ: اہلالِ بک اکیسی نمبر ۲ شیر نوالہ مردانہ لاہور

